مسلمان عورت کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ایک جامع اور مفید کتاب

مولّف: دکتور محمد علی الهاشمي

تقدیم: حافظ صلاح الدین یوسف

مسلمان عورت کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ایک جامع اور مفید کتاب

مسلمان عورت
اور اس کا
اخلاقی و معاشرتی کردار

مسلمان عورت کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ایک جامع اور مفید کتاب

تقدیم: حافظ صلاح الدین یوسف

مؤلف: دکتور محمد علی الہاشمی

کتاب .... مسلمان عورت اور اس کا اخلاقی و معاشرتی کردار

مؤلف .... ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

مترجم : .... مولانا سلیم اللہ زمان

تعداد 1100

اشاعت اول .... اگست 2009ء

ناشر .... مسلم پبلیکیشنز

399/E اندرون موچی گیٹ، لاہور

042-37376691 / 0322-4044013

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ شاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 0092 42 فیکس: 7354072

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

موہن مارکیٹ، اقبال ٹاؤن، لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ، بالمقابل نئی پوسٹ شاپ گلستان، کراچی

فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937

Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا، خوب مہربان ہے

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
(اقبال)

فہرست مضامین

باب: ②

باب: ③

باب: ④

باب: ⑤

باب: ⑥

باب: ⑦

باب: ⑧

باب: ⑨

باب: ⑩

عرضِ حال

حجاب و نقاب سے بے نیازی اور مغربی تہذیب کی لائی ہوئی دیگر لعنتوں کی وجہ سے آج کی عورت درد اور درماندگی کی جس انتہا کو پہنچ گئی ہے' اسے دیکھ کر دل دکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر تیسرے چوتھے گھر میں خواتین کے مناقشے موجود ہیں۔ ان جھگڑوں کی وجہ سے ہمارا سماج عداوتوں اور رقابتوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ کہیں ساس بہو میں دشمنی ہے' کہیں نند بھاوج میں عداوت ہے' کہیں دیورانیاں اور دِٹھانیاں ایک دوسرے سے خار کھائے بیٹھی ہیں۔ یوں طرح طرح کے خانگی تنازعات نے دور دور تک کانٹے ہی کانٹے بچھا دیے ہیں...... ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی اللہ رب العزت کے احکام سے غافل ہیں جس کے نتیجے میں حفظِ مراتب اور ادائے حقوق کا احساس نابود ہو گیا ہے۔

یہ افسوسناک صورتحال دیکھ کر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ خواتین کے روبرو پھر دین حنیف کی وہی تعلیمات پیش کی جائیں جن کی بدولت ہمارے عہدِ سعادت میں سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا، سیدہ سمیہ اور سیدہ ام خنساء رضی اللہ عنہن جیسی عظیم المرتبت خواتین پیدا ہو گئی تھیں۔

زیر نظر کتاب اسی تڑپ اور طلب کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک بلند پایہ عربی کتاب کا آسان اردو ترجمہ ہے۔ اسے معمولی سے معمولی اردو پڑھنے والی خاتون بھی آسانی سے سمجھ لیتی ہے۔ جو خاتون یہ کتاب پڑھتی ہے اس کی توجہ کا رخ اپنے باطن کی طرف مڑتا جاتا ہے۔ وہ یک دم چونکتی ہے اور سوچتی ہے کہ بحیثیت ایک عورت میں بیوی ہوں، ماں ہوں، بیٹی ہوں، ساس ہوں، بہو ہوں، نند ہوں، کیا ان سب رشتوں کے حوالے سے میرا فکر و عمل قرآن و سنت کی تعلیمات

کے مطابق ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ بڑے ہولناک خطرے کی بات ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ مجھے فوراً اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنی سوچ اور اپنے عمل کے زاویے بدلنے چاہئیں۔ من مانی زندگی سے توبہ کرنی چاہیے اور انھی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے جو قرآن اور حامل قرآن ﷺ نے بنتِ حوا کے آگے پیش کی ہیں...... بس یہی وہ احساس ہے جو زندگی کے الجھے ہوئے بے ترتیب اور بے سمت سفر کو ایک جہت عطا کرتا ہے۔

اس کتاب کا ہر ورق رہ رہ کر دل و دماغ میں یہی احساس بیدار کرتا ہے کہ ذاتی اور سماجی رشتوں کی رُو سے ہمارے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ یوں یہ کتاب صحیح عقیدے کا نور اور اچھے عمل کی اساس مہیا کرتی ہے اور قدموں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیتی ہے۔

وطن عزیز میں ہر فرد، ہر جماعت اور ہر مذہبی حلقہ یہ مطالبہ تو بڑے زور و شور سے کرتا ہے کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے لیکن نفاذِ اسلام کے اصل سرچشمے سے سب بے خبر ہیں۔ سب کے سب اسی تمنا میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں کہ کوئی مسیحا آئے گا اور نظام اسلام نافذ کر کے ہمارے تمام مسائل و مصائب کا خاتمہ کر دے گا۔ یاد رکھیے! یہ ایک موہوم امید ہے۔ نفاذِ اسلام کا عظیم الشان کام ہمیں خود کرنا پڑے گا، اس لیے کہ ہمارا اصل مقصدِ تخلیق یہی ہے۔ نفاذِ اسلام کے لیے ہمیں کسی خارجی طاقت کی نہیں، باطنی قوت کی ضرورت ہے جس کا اصل سرچشمہ ہمارا گھر ہے۔ ہماری محترم خواتین دینی تعلیمات سے مرصع ہو جائیں تو ان کی گود میں پلنے والے بچے سچے اور کھرے مسلمان بن کر جگمگائیں گے۔ اس طرح ہمارا معاشرہ خود بخود اعلیٰ اسلامی روایات کا نمونہ بن جائے گا۔ اور فوز و فلاح کے برگ و بار لائے گا۔ اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ گھر گھر صحیح اور مستند دینی تعلیمات کے چراغ روشن کیے جائیں، تمام افرادِ خانہ بالخصوص محترم خواتین کو یہ کتاب پوری توجہ اور اہتمام سے پڑھائی جائے اور اس پر عمل کی ترغیب دی جائے جوں ہی آپ ایسا کریں گے، ہمارے ماحول میں نیکی کا اجالا پھیلنے لگے گا۔ یہ کتاب ایسے ہی چراغاں کے لیے شائع کی جا رہی ہے۔ السعي مني والا تمام من اللّٰہ!

حافظ محمد نوید

مقدمہ

زیرِ نظر کتاب، ایک عربی کتاب المرأة المسلمة کا اردو ترجمہ ہے۔ ایک عورت کو ذاتی اخلاق و کردار کے علاوہ معاشرتی رویوں میں کیا کچھ کرنا چاہیے اور اسلام نے اس بارے میں اسے کیا کیا ہدایات دی ہیں' یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

معاشرتی رویوں سے مراد ہے کہ مسلمان عورت:

- اپنے والدین کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟
- اپنے خاوند کے ساتھ اس کا معاملہ کیسا ہو؟
- اپنی اولاد سے کیسا برتاؤ کرے؟
- اپنی بہو اور اپنے داماد کے ساتھ کیسے نباہ کرے؟
- اپنے قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کے تقاضے کس طرح ادا کرے؟
- اپنی ہمسائیوں کے ساتھ حقوق ہمسائیگی کس طرح ادا کرے؟
- اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ اخوت و محبت اور دوستی کے بہترین نمونے کس طرح پیش کرے؟
- اپنے معاشرے کی اصلاح میں اپنا بھرپور کردار کس طرح ادا کرے؟
- نیز وہ اپنے رب کی بندگی و عبودیت کا حق کس طرح ادا کرے؟ اپنے رب سے وہ اپنا رابطہ و تعلق کیسے استوار کرے؟

ان تمام پہلوؤں پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث و گفتگو ہے۔ فاضل مؤلف نے ضروری تفصیلات اور اس سے متعلقہ دلائل بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ فجزاه الله أحسن الجزاء.

اُردو میں مسلمان خواتین کی صفاتِ حسنہ، ان کے فرائض اور ذمے داریوں اور ان کے اخلاق و کردار کے حوالے سے بیسیوں کتابیں موجود ہیں لیکن اس کتاب میں زیر نظر موضوع کی ضروری تفصیلات کا جس جامعیت اور حسن ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے' وہ اپنی مثال آپ ہے' اس اعتبار سے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب مسلمان عورت کے فرائض و کردار پر ایک منفرد، نہایت جامع اور اس کے ذاتی، عبودیتی اور معاشرتی کردار کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہ کتاب ہر گھرانے کی ضرورت اور ہر پڑھی لکھی خاتون کے لیے ناگزیر اور بے نظیر تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف و مترجم کے علاوہ اس کے ناشرین اور معاونین کو بھی اس کی اشاعت کا بہترین صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے' بلاشبہ اس کو اُردو کے حسین قالب میں ڈھال کر شائع کرنا ایک بڑی دینی و علمی خدمت ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر: شعبہ تحقیق و تالیف

دارالسلام، لاہور

مسلمان عورت اپنے رب کے ساتھ

ایمان کامل کی حامل ہوتی ہے

ایک مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ نمایاں کرنے والی خوبی اس کا اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان ہے کہ کائنات میں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعات، حادثات اور لوگوں پر اثر انداز ہونے والے ان کے نتائج سبھی کے سبھی اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر کے باعث ہیں۔ وہ یہ بھی یقین رکھتی ہے کہ انسان کو جو کچھ غم والم پہنچ رہا ہے وہ اس سے خطا ہونے والا نہیں اور جو اس سے خطا ہو رہا ہے وہ اسے لاحق ہونے والا نہیں۔ اور اس حیات مستعار میں انسان کے ذمے صرف یہی کام ہے کہ وہ اپنی دنیا اور دین کے بارے میں نیکی کے راستے پر گامزن رہے اور عمل صالح کے اسباب اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل رکھے جیسا کہ توکل رکھنے کا حق ہے۔ اس بات پر یقین رکھے کہ وہ ہر دم اللہ کی مدد، تائید اور رضامندی کا محتاج ہے۔

سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا قصہ ایک مسلمان خاتون کے سامنے اللہ تعالیٰ پر گہرے ایمان اور اس پر توکل رکھنے کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرتا ہے کہ جب انھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر چلے گئے تھے، جبکہ مکہ کی وادی میں کوئی انسان تھا نہ وہاں پانی کا نام ونشان تھا۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے ہمراہ ان کے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ جب سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مکمل خود اعتمادی سے یہ استفسار کیا تھا: ''اے ابراہیم! کیا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی حکم کیا ہے؟'' (کہ ہمیں اس بیابان، پہاڑوں کی وادی میں تن تنہا چھوڑ جائیں) تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ جواب دیا تھا: ''جی ہاں!'' تو اس پر سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا رضا و تسلیم سے معمور اور ایمان و یقین سے بھرپور جواب کچھ اس طرح تھا: ''تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''[1]

بلاشبہ یہ بڑا ہی مشکل اور سخت ترین مرحلہ تھا کہ خاوند اپنی رفیقۂ حیات اور اپنے طفل شیر خوار کو ویرانے میں چھوڑ کر جا رہا ہے، جہاں کھانا پانی تھا نہ ہی کوئی انسان۔ اور خود ان سے قدرے فاصلے پر ملک شام کی جانب رخ کیے ہوئے ہے۔ ان دونوں کے پاس ایک چمڑے کے تھیلے جس میں کچھ کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزے جس میں پانی تھا، کے علاوہ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گیا تھا۔ اگر گہرا ایمان نہ ہوتا کہ جس نے سیدہ ہاجرہ کے نفس کو بھرپور طور پر طاقتور و توانا کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایسا سچا توکل نہ ہوتا کہ جس نے اس کے احساسات اور جذبات کو ایک آس و امید سے لبریز کر رکھا تھا تو وہ اس خوفناک مرحلے کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پاتیں بلکہ ابتدائے معاملہ ہی میں اس کی رو میں بہ جاتیں اور وہ ایسی زندۂ جاوید خاتون نہ بنتیں کہ جسے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے لیل و نہار کی گھڑیوں میں یاد کرتے ہیں جب بھی وہ آب زمزم نوش جان فرماتے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں جیسی اس نے اس مشکل ترین وقت اور دن میں کی تھی۔

ضمیر کی بیداری اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے ڈر کو حاضر رکھنے پر اس مسلمان خاتون کے واقعے سے بڑھ کر کوئی بھی واقعہ دلالت کرنے والا نہیں ہے جو صفة الصفوة اور وفیات لأعیان میں وارد ہے اور جسے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے:[2] عبداللہ بن زید بن اسلم اپنے باپ سے اپنے دادے سے روایت کرتے ہوئے کہتے

---

① صحیح البخاری، الأحادیث الأنبیاء، باب:(یزفون)، حدیث:3364. ② أحکام النساء، ص:441، 442.

ہیں: در آں حالیکہ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا جبکہ آپ مدینہ منورہ میں رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔ آپ تھک کر ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اچانک ایک خاتون کی آواز آنے لگی جو اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: بیٹی! دودھ میں پانی ملا دو۔ وہ جواب میں بولی: اماں! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آج امیر المومنین نے کتنی سختی سے منادی کروائی ہے؟ ماں بولی: بیٹی! اتنی سختی سے کونسی منادی ہے؟ بیٹی بولتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو بھیجا تھا جو کہہ رہا ہے کہ کوئی شخص بھی دودھ میں پانی کی ملاوٹ نہ کرے۔ ماں پھر سے بولی: صاحبزادی! کھڑی ہو اور دودھ میں پانی ملادو کیونکہ تم ایسی جگہ میں ہو کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ تمھیں دیکھ تو نہیں رہے۔ تب بیٹی نے اپنی ماں سے کہا: میں ایسی نہیں ہوں کہ جلوت میں تو اس کی اطاعت گزاری کروں اور خلوت میں اس کی نافرمانی کروں۔ ادھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ساری گفتگو کو سن رہے تھے، بولے: اسلم! اس جگہ پر جا کر دیکھو یہ بات کرنے والی کون ہے؟ اور جسے کہہ رہی ہے وہ کون ہے؟ اور کیا ان کے پاس کوئی مرد ہے؟ راوی کہتا ہے: میں اس مقام تک گیا میں نے دیکھا کہ ایک کنواری لڑکی ہے اس کی ماں ہے اور ان کے پاس کوئی مرد نہیں ہے۔ میں نے واپس آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع فرمایا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی بیوی کا حاجت مند ہے کہ میں اس کی شادی کر دوں؟ اگر تمہارے باپ کو عورتوں کی طرف کوئی میلان ہوتا تو اس کنواری دوشیزہ کی جانب تم میں سے کوئی بھی اس سے سبقت نہ کر پاتا۔ عبداللہ بولا: میرے پاس تو بیوی ہے۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ میرے پاس بھی موجود ہے، پھر عاصم بولا: میرے پاس بیوی نہیں ہے، لہٰذا میری شادی کر دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم سے اس لڑکی کی شادی کر دی۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) پیدا ہوئے۔

بلاشبہ یہی وہ ضمیر کی بیداری ہے جسے اسلام نے اس نوجوان دوشیزہ کے دل میں مستحکم

کر دیا ہے، اسی بنا پر وہ پرہیز گار، اپنی جلوت وخلوت میں کردار کی پکی ہے اور اس کا کامل یقین ہے کہ وہ اللہ کی نگہبانی میں ہے اور وہ اس کی باتیں سن رہا ہے۔ اور یہی سچا ایمان اور قیمتی ترین ثمرہ ہے جس نے اپنی اختیار کرنے والی کو ''مرتبہ احسان'' پر فائز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جلد یہ ثواب عطا فرمایا کہ اس کا یہ مبارک اور نیک بخت نکاح کر دیا کہ اس کی نسل سے خلفائے راشدین میں پانچویں خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے ہیں۔

ایک مسلمان عورت کا عقیدہ بھی انتہائی صاف شفاف ہوتا ہے جس میں جہالت کے کسی شائبہ کی آمیزش نہیں ہوتی۔

بلاشبہ اس کا یہ عقیدہ اس اللہ تعالیٰ پر قائم ودائم ہے جو واحد اور صمد ہے۔ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے جس کے ہاتھ میں تمام امور کی چابیاں ہیں اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹنے والے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴾

''آپ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو (تو بتلا دو) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجیے پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے۔''[1]

اور یہی گہرا، واضح اور صاف شفاف ایمان ہی مسلمان خاتون کی شخصیت کو قوت وطاقت اور مضبوطی میں مزید پختہ کرتا ہے، پھر وہ اس زندگانی کی حقیقت کو دیکھتی ہے کہ یہ دار آزمائش اور امتحان گاہ ہے جس کے نتائج ایک ایسے دن میں اس کے روبرو پیش کیے جائیں گے جس

---

[1] المؤمنون 23:88، 89.

کے آنے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے، پھر تمہیں مار ڈالتا ہے، پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''[1]

﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ﴾

''جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔''[2]

اور اس روز انسان کو اس کے عمل کی بنیاد پر بدلہ دیا جائے گا۔ اور حساب کا ترازو قائم ہو جائے گا انسان کے حق میں یا اس کے خلاف:

﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾

''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''[3]

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جب ہدایت یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون ایسی واضح آیات کے معانی پر تدبر کرتی اور اس سخت ترین دن پر اپنی چشم بصیرت سے غور وفکر کرتی ہے، تو وہ فرماں بردار رجوع کرنے والی اور شکر بجالانے والی خواتین کی طرح اپنے پروردگار کی طرف لپکتی ہے اور پھر حتی المقدور اس عارضی زندگی میں اپنی آخرت کے لیے صالح اعمال کرنے میں لگ جاتی ہے۔

---

① الجاثیۃ 26:40. ② الملک 2:67. ③ الزلزال 8,7:99.

اپنے پروردگار کی عبادت کرتی ہے

یہ کوئی انوکھا امر نہیں ہے کہ راست باز اور سچی مسلمان عورت بڑی بلند ہمتی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ وہ ان شرعی اعمال کی مکلف ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کے فرائض اور ارکان کو احسن طریقے سے انجام دیتی ہے جن میں کسی طرح کی بہانہ بازی اور غفلت نہیں ہوتی۔

نماز باقاعدہ ادا کرتی ہے

وہ نماز پنجگانہ کو ان کے اوقات میں ادا کرتی ہے۔ گھریلو مصروفیات اور مادرانہ اور ازدواجی ذمہ داریوں کی وجہ سے غفلت نہیں کرتی۔ کیونکہ نماز تو دین کا ستون ہے جو اسے قائم رکھتا ہے وہ اپنے دین کو قائم رکھتا ہے اور جو اسے ترک کر دیتا ہے وہ دین کو گرا دیتا ہے۔[1]

بلکہ یہ تو تمام اعمال میں سے افضل اور اعلیٰ ترین عمل ہے۔ جس طرح کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: سب اعمال میں سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا]

''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔''

میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: [بِرُّ الْوَالِدَيْنِ]

''والدین سے نیک سلوک کرنا۔''

میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: [اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ]

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''[2]

یہ اس لیے کہ نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک تعلق ہے اور یہی وہ وافر بہنے

---

[1] دیکھیے إحياء علوم الدين : 147/1. [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها، حديث: 527، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالىٰ، حديث: 85.

والا چشمہ لاثانی ہے جس سے انسان قوت، ثابت قدمی، رحمت اور رضا مندی پاتا ہے اور اس سے اس کی خطائیں اور کوتاہیاں دھودی جاتی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے ایک نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرتا ہو، کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی؟'' صحابہ کرام نے جواب دیا: اس کی کچھ بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچوں نمازوں کی بالکل یہی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے باعث خطائیں اور غلطیاں مٹا دیتا ہے۔''[1]

نماز تو بندوں کے لیے ایسی رحمت ایزدی ہے جس کے سائے میں پانچ بار آ کر وہ سایہ حاصل کرتے ہیں، اس میں وہ اپنے پروردگار کی حمد و ثنا بیان کرتے اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے، اس سے مدد کی فریادیں کرتے اور اس سے رحمت، ہدایت اور مغفرت مانگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز تو نمازی مردوں اور عورتوں کو پاک کرنے والی بہترین چیز ہے جو ان سے خطائیں مٹاتی اور گناہوں کو ختم کرتی ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

''کوئی بھی مسلمان مرد ایسا نہیں ہے جسے کسی فرض نماز کا وقت آ جائے تو وہ اس کے لیے بہترین وضو کرے، اس کے خشوع اور رکوع کو بہترین بنائے مگر وہ نماز اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے، جب تک کہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا جائے اور یہ وعدہ زمانہ بھر کے لیے ہے۔''[2]

نماز کی فضیلت، اہمیت، خیر اور برکت پر مبنی احادیث نمازی مردوں اور عورتوں کے حق میں تو بکثرت اور مشہور و معروف ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فرمانبرداری اور عاجزی

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الصلوات الخمس......، حديث: 528 و صحيح مسلم، المساجد، باب المشي إلى الصلاة......، حديث: 667 . [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء و الصلاة عقبه، حديث: 228 .

کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں تو اس عمومی خیر کثیر کو حاصل کرتے ہیں۔

بعض اوقات وہ مسجد میں نماز باجماعت بھی ادا کرلیتی ہے

بلاشبہ اسلام نے عورت کو مسجد میں باجماعت نماز کے لیے لازماً حاضر ہونے سے تو معاف کیا ہے لیکن عین اسی وقت اس کے لیے یہ اجازت بھی رکھی ہے کہ وہ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف جاسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عورتیں مسجد کی جانب نکلی بھی ہیں۔ اور انھوں نے رسول اکرم ﷺ کی امامت میں نمازیں بھی پڑھی ہیں۔

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

[كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ]

''ایماندار عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی بڑی چادروں کو لپیٹے ہوئے نماز فجر میں حاضر ہوا کرتی تھیں، پھر وہ نماز پوری کرنے پر اپنے اپنے گھروں کو پلٹا کرتیں، اندھیرے کے باعث انھیں کوئی پہچانتا نہیں تھا۔''[1]

رسول اکرم ﷺ اپنی نماز کو اس وقت مختصر فرما لیا کرتے تھے جب کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے، صرف اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ اس کی والدہ اس کی وجہ سے مشغول ہو جائے گی، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور میرا نماز کو لمبا رکھنے کا ارادہ ہوتا ہے کہ میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو میں اس وجہ سے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اس بچے کے رونے کے باعث اس کی ماں کو کتنا زیادہ غم لاحق ہوگا۔''[2]

---

[1] صحیح البخاري، مواقیت الصلاۃ، باب وقت الفجر، حدیث: 578، وصحیح مسلم المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح، حدیث: 645. [2] صحیح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبي، حدیث: 709,710، وصحیح مسلم، الصلاۃ، باب ◄◄

معلوم ہوا کہ عورت پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے پانچوں نمازوں کے لیے اس پر مسجد میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کو لازم قرار نہیں دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے باجماعت فرضی نماز کا مکلف ٹھہراتا تو بلاشبہ اس کے معاملے میں مشقت وکلفت پیدا کر دیتا اور یقیناً اس کا کندھا اس بوجھ کو مشکل ہی سے اٹھاتا اور یہ نمازوں کو مسجد میں ادا کرنے سے عاجز ہی رہتی، جس طرح کہ ہم مردوں کی کثیر تعداد کو مسجدوں میں باجماعت نماز کی مکمل نگہداشت کرنے پر مداومت کرنے سے عاجز وقاصر دیکھتے ہیں۔ اس عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اور اس کے خانگی امور کی بہتات اور خاوند اور اولاد کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں بھی اس کے روزانہ پانچ مرتبہ گھر چھوڑنے میں آڑے آتیں بلکہ اس کے لیے اس حکم کی بجا آوری محال ہی ہو جاتی۔

مذکورہ صورت حال سے یہ عظیم ترین حکمت کھل کر سامنے آ رہی ہے کہ باجماعت نمازوں کی فرضیت عورتوں کے بجائے صرف مردوں پر رکھی گئی ہے اور عورت کی مسجد میں ادا کردہ نماز کی نسبت گھر میں پڑھی گئی نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے لیے اس اختیار کی آزادی رکھی گئی ہے۔ اگر چاہے تو اپنے گھر میں نماز ادا کرے اور اگر چاہے تو نماز کے لیے مسجد کی طرف چلی جائے۔ لیکن جب وہ مسجد میں جانے کے لیے اجازت طلب کرے تو اس کے خاوند کو روکنے کا حق نہیں ہے جس طرح کہ متعدد احادیث مبارکہ میں سے ایک یہ ہے:

[إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا]

''جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔''[1]

مردوں نے حکم پیغمبر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور انھوں نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی

◄◄ الأمر الأئمة بتخفيف الصلاة، حديث: 470. [1] صحيح البخاري، الأذان، باب استئذان المرأة زوجها بالخروج إلى المسجد، حديث: 73 وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المسجد، حديث: 442.

اجازت عطا کردی، اگرچہ گھروں سے یہ نکلنا ان کے مزاج اور ان کی مرضی کے خلاف ہی تھا۔اس پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بڑھ کر اور کونسی بات دلیل ہوگی، فرماتے ہیں: ''سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی تھی جو نماز فجر اور نماز عشاء میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ اس خاتون سے عرض کی گئی: آپ باہر کیوں نکلتی ہیں، حالانکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے ناپسند بھی کرتے ہیں اور غیرت بھی کھاتے ہیں؟ تو اس نے یوں جواب دیا: بھلا آپ کو مجھے منع کرنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ بولا: آپ کو بس یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہے:

[لَا تَمْنَعُوا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ]

''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے مت روکو۔'' [1]

یہ تو بالکل اس نبوی سیرت کو اپنانا ہے جو عورت کو مسجد میں آنے جانے کی اجازت دیتی اور اسے مسجد سے منع کرنے کی نہی پر کار بند ہے، مسجدیں تو عہد نبوی میں اور اس کے بعد والے دور میں جب تک بھی اسے حالات کی سازگاری میسر رہی، اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ عورت مسجدوں میں بکثرت آتی جاتی تھی۔ وہ نماز ادا کرتی تھی۔ دعوت خیر میں حاضر ہوتی وعظ ونصیحت کی مجالس کو سماعت کرتی اور مسلمانوں کی عام زندگانی میں مشارکت کرتی تھی اور یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب سے مسلمانوں کی زندگی میں باجماعت نماز مشروع ہوئی ہے اور مسلمان بیت اللہ کی طرف اپنا قبلہ تبدیل ہونے سے قبل بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم نازل فرمایا تو نمازی مردوں اور نمازی عورتوں کے چہرے ملک شام کی طرف تھے۔حکم ملنے پر وہ سبھی کعبۃ اللہ کی طرف گھوم گئے تھے۔اور اس گھومنے کا یہ بھی لازمی تقاضا تھا کہ عورتیں مردوں کی جگہ پر اور مرد عورتوں کی جگہ پر پہنچ جائیں۔ [2]

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الإذن للنساء بالخروج إلى المساجد، حديث:900 وصحيح مسلم، الصلاة، باب الأمر الأئمة بتخفيف الصلاة، حديث:(136)-442. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة، حديث: 399 وصحيح مسلم، الصلاة، باب ◄

ایسی صحیح ترین نصوص جو اس مشارکت اور حاضری کی پرزور تائید کررہی ہیں وہ بکثرت ہیں، کہ عورت نماز جمعہ، نماز کسوف، نماز عیدین میں اور مؤذن کی اس عمومی دعوت کہ لوگو! [اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ] پر لبیک کہنے میں حاضر مسجد ہوا کرتی تھی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سیدہ ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے سورۃ ﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے حاصل کی ہے۔ آپ ہر جمعہ کے روز اسے منبر پر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔''①

مزید نماز جمعہ کے لیے بہترین انداز سے تیاری کرنے کے ضمن میں نظافت اختیار کرنے اور مردوں اور عورتوں کے لیے نہانے کو مستحب قرار دینے میں بھی سیرت نبوی میں حکم موجود ہے:

''(مردوں اور عورتوں میں سے) جو بھی نماز جمعہ کے لیے آئے اسے چاہیے کہ وہ غسل کرلے۔''②

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کسوف کے لیے حاضر ہوئیں، اس وقت انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو پوری طرح سمجھ میں نہ آئی، تو انھوں نے اپنے قریب بیٹھے مرد سے دریافت کیا، اور یہ اس حدیث میں موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت اسماء فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کسوف کی ادائیگی کے بعد) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ قبر کا تذکرہ فرمایا جس میں آدمی مبتلا ہوجائے گا، جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان کیا تو مسلمانوں نے زوردار چیخ وپکار کی...... جو میرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری گفتگو کو سمجھنے کے درمیان حائل ہوگئی۔ لہٰذا جب ان کا

① صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، حدیث: 872. ② صحیح ابن خزیمة: 1752، وصحیح ابن حبان: 1223.

◄◄ تحویل القبلة من القدس إلی الکعبة، حدیث: 525.

شور مدھم پڑا تو میں نے اپنے قریب والے آدمی سے یوں عرض کی: اے شخص! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے! رسول اکرم ﷺ نے اپنی گفتگو کے آخر میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟ وہ بولا: آپ نے فرمایا ہے: میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں مسیح الدجال کے فتنے کے قریب قریب فتنوں سے آزمائے جاؤ گے......۔‘‘ [1]

شیخین کی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت یوں بھی ہے:

’’عہد نبوی ﷺ میں سورج گرہن ہو گیا تھا...... میں نے اپنی ضرورت کو پورا کیا، پھر میں بھی مسجد میں آگئی۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو حالت قیام میں دیکھا تو آپ کے ساتھ قیام میں شامل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے خوب لمبا قیام فرمایا حتیٰ کہ میرے دل میں آنے لگا کہ میں بیٹھ ہی جاؤں، پھر میرا دھیان ایک ضعیف معمر بڑھیا کی جانب چلا گیا اور میں یوں گویا ہوئی: ’’یہ تو مجھ سے بھی زیادہ کمزور ہے‘‘ لہٰذا میں کھڑی ہی رہی۔ بالآخر نبی اکرم ﷺ نے رکوع فرمایا تو آپ نے خوب لمبا رکوع کیا، پھر آپ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا تو خوب لمبا قومہ فرمایا، حتیٰ کہ اگر کوئی آدمی آجائے تو اسے یہی خیال آئے کہ آپ نے رکوع کیا ہی نہیں۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل کی تو سورج صاف ہو چکا تھا، تب آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا: أما بعد......۔‘‘ [2]

بلاشبہ نماز با جماعت میں عورتوں کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تنظیم و ترتیب کو بہت سی صحیح احادیث بیان کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک فرمان گرامی بایں الفاظ ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے:

[خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَآءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا]

---

[1] سنن النسائي، الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، حديث: 2064 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الكسوف، باب ماعرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من الجنة والنار، حديث: 906/16 باختلاف.

''مردوں کی صفوں میں سے بہترین پہلی صف ہے اور ان کی بری صف آخری ہے جبکہ عورتوں کی صفوں میں سے سب سے بہتر آخری ہے اور ان کی بری پہلی صف ہے۔''[1]

ان میں سے ایک حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نماز پوری ہونے کے بعد عورتوں کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ مردوں سے قبل مسجد سے باہر چلی جائیں۔ ہند بنت الحارث سے مروی ہے کہ سیدہ ام سلمہ زوجۂ نبی ﷺ نے اسے خبر دی ہے کہ زمانۂ نبوی میں عورتیں جب فرضی نماز سے سلام پھیر لیتیں تو کھڑی ہو جاتیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور جن مردوں نے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی ہوتی وہ جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے۔ جب رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو جاتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔[2]

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان خواتین کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا جو مسجدوں میں آنے والی تھیں، حتیٰ کہ دور عباسی میں وہ مسجد کے کشادہ صحن کو بھی بھر دیا کرتی تھیں۔ اور مرد ان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اور یہی وہ فتویٰ ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ جس طرح کہ ابن القاسم نے کہا ہے: میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو اس وقت مسجد میں آتے ہیں جب مسجد کا صحن عورتوں سے بھر چکا ہو، اور مسجد بھی مردوں سے بھری ہوئی ہو تو کیا مرد حضرات امام کی اقتدا میں عورتوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نمازیں ادا کر لیں؟ فرمایا: ان کی نماز مکمل ہے، وہ اس کا اعادہ نہ کریں گے۔[3]

یہ احتیاطیں بھی ملحوظ رہیں

یہ بات مدنظر رہے کہ مسلمان خاتون کا ادائیگی نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلنا کسی فتنہ کو

① صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، حديث: 440. ② صحيح البخاري، الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، حديث: 866. ③ المدونة الكبرٰى: 1/106.

کھڑا کرنے کا باعث نہ بنے بلکہ اسلامی معاشرے میں جذبات، کردار اور شعائر کی نظافت کا اہتمام رکھتے ہوئے اسلام کی عظیم ہدایات سے ہم آہنگ بھی رہنا ہے۔ اگر عورت کا گھر سے نکلنا کسی بھی وجہ سے فتنہ کا پیش خیمہ ہو تو ایسی صورت حال میں اس کی نماز گھر ہی میں بہتر اور لازم ہوگی۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف سابق حدیث میں اشارہ موجود ہے، جسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، فرمان گرامی ہے:

[لَاتَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ]

''تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں جانے) سے مت روکو، البتہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔''[1]

اس کے علاوہ بھی دیگر کئی احادیث ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش اور حرص کی پرزور تائید کر رہی ہیں کہ عورت کو مسجدوں میں مسلمانوں کی دعاؤں اور نیکی کے مواقع میں حاضر ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک یہ فرمان مبارک ہے:

[لَاتَمْنَعُوا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ]

''تم اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے مت روکو۔''[2]

بلاشبہ مسلمان خاتون کا مسلمانوں کی جماعت میں حاضر ہونا مباح ہے اور اس میں خیر بھی ہے، لیکن یہ چند شروط کے ساتھ مشروط ہے۔ ان میں سے سب سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ خاتون خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو اور وہ زیب و زینت کا اظہار کرنے والی بھی نہ ہو۔ سیدہ زینب ثقفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی اس طرح بیان کیا ہے:

[إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلَا تَطَيَّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ]

''جب تم میں سے کسی ایک نے نماز عشاء کے لیے حاضر ہونا ہو تو وہ اس شب خوشبو

---

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، حديث: 567.

[2] صحيح البخاري، الجمعة، باب(13)، حديث : 900، وصحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، حديث (136)-442 .

کا استعمال نہ کرے۔“[1]

اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جو عورت کو مسجد کے لیے نکلتے وقت خوشبو استعمال کرنے سے روک رہی ہیں۔ ان میں سے ایک فرمان پیغمبر ﷺ اس طرح ہے:

[أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بُخُورًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ]

”جس خاتون نے خوشبو لگائی ہوئی ہو وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء کے لیے حاضر نہ ہو۔“[2]

نماز عیدین میں شمولیت کرتی ہے

بلاشبہ اسلام نے عورت کو عزت بخشی ہے اور اسے بھی اپنے پروردگار کی عبادت کرنے میں مرد کی طرح ہی مکلف ٹھہرایا ہے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ جیسے عام اجتماعات میں اسے حاضر ہونے کی ترغیب دی ہے، وہ نیکی اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوتی ہے۔ یہ باتیں ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کئی صحیح احادیث میں پاتے ہیں۔ ان میں یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام خواتین کو ان اجتماع گاہوں میں شرکت کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ وہ نوجوان دوشیزائیں ہوں یا پردہ دار خواتین ہوں، حتیٰ کہ ایام ماہواری والیوں کو بھی عیدگاہوں میں جانے کا حکم دیا ہے۔ وہ نماز سے الگ تھلگ رہیں مگر مسلمانوں کی دعا میں ضرور شریک ہوں۔ آپ ﷺ کی انھیں عید کی نمازوں کے لیے نکالنے کی حرص اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے اس خاتون کو حکم دیا جس کے پاس ایک سے زائد بڑی چادریں ہیں وہ اپنی اس بہن کو چادر پہنا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اس میں تمام عورتوں کو نماز عید میں حاضر ہونے کی ترغیب موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے، ایک دوسرے کی کفالت کرنے اور نیکی اور پرہیزگاری کے امور میں باہم تعاون کی ترغیب بھی موجود ہے۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، حديث: 443. [2] صحيح مسلم، حديث: 444، عن أبي هريرة رضي الله عنه.

[أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نُخْرِجَ فِي الْعِيدَيْنِ الْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، وَأَمَرَ الْحُيَّضَ أَنْ يَعْتَزِلْنَ مُصَلَّى الْمُسْلِمِينَ]

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کنواری دوشیزاؤں اور پردہ نشین خواتین کو بھی عیدین میں باہر لایا کریں، اور آپ ﷺ نے حائضہ عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جائے نماز سے الگ رہیں۔''①

اور ام عطیہ ہی سے روایت ہے:

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں قریب البلوغ بچیوں کو، حائضہ عورتوں کو اور پردہ نشین خواتین کو نکالیں، البتہ حیض والیاں نماز سے الگ رہیں اور وہ خیر و بھلائی میں اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر رہیں۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ''اسے اس کی بہن اپنی چادر میں سے کچھ اوڑھا دے۔''②

صحیح بخاری میں ہے، حفصہ بنت سیرین نے کہا: ''ہم اپنی قریب البلوغ بچیوں کو نماز عیدین کے لیے باہر نکلنے سے روکا کرتی تھیں، چنانچہ ایک خاتون آئی، جو بنو خلف کے محلے میں ٹھہری، اس نے اپنی بہن سے یہ روایت بیان کی اور اس کی بہن کے خاوند نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بارہ غزوات میں شمولیت کی تھی جبکہ اس کی بہن چھ غزوات میں اپنے خاوند کی معیت میں رہی تھی، وہ فرماتی ہیں: ''ہم زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور بیماروں کا خیال رکھتی تھیں۔'' میری بہن نے نبی اکرم ﷺ سے یہ پوچھا کیا ہماری کسی ایک پر گناہ لازم آئے گا جب وہ بڑی چادر کی عدم دستیابی کی صورت میں نہ نکلے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ]

---

① صحيح البخاري، العيدين، باب خروج النساء والحيض إلى المصلى، حديث: 974.

② صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، حديث: (12)-890.

''چاہیے کہ اس کی بہن اسے اپنی بڑی چادر میں سے کچھ حصہ اوڑھا دے اور یہ بھی چاہیے کہ وہ کار خیر میں اور مسلمانوں کی دعا میں شمولیت کرے۔''

حفصہ کہتی ہیں: جب ام عطیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو میں ان کے پاس حاضر خدمت ہوئی اور یوں پوچھا: کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ سے خود سنا ہے؟ وہ فرمانے لگیں: میرا باپ آپ پر قربان ہو جائے، جی ہاں!......اور یہ صحابیہ نبی اکرم ﷺ کا جب بھی ذکر خیر کرتیں تو ضرور یوں فرمایا کرتی تھیں۔ آپ پر میرا باپ قربان ہو جائے...... میں نے بذات خود آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''چاہیے کہ قریب البلوغ پردہ نشین بچیاں نکلیں یا فرمایا: قریب البلوغ بچیاں اور پردہ نشین عورتیں نکلیں اور حیض والیاں بھی اور چاہیے کہ وہ عمل خیر میں اور اہل ایمان کی دعا میں شریک ہوں، اور حیض والیاں جائے نماز سے الگ رہیں۔''

حفصہ کہتی ہیں: میں نے ان سے عرض کی کیا حیض والیاں بھی؟ انھوں نے جواب دیا: ''جی ہاں! کیا حیض والی عرفات میں حاضر نہیں ہوتی اور وہ فلاں فلاں جگہ بھی حاضر نہیں ہوتی؟''[1]

بلاشبہ ان صحیح احادیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے مسلمان خاتون کی فکری اور شعوری بیداری اور تربیت کا اہتمام کرنے کی واضح دلیل موجود ہے، اس لیے تو آپ ﷺ نے سبھی خواتین کو باہر آنے کا حکم دیا ہے حتی کہ ان میں سے ایام مخصوصہ والیوں کو بھی، حالانکہ حائضہ کو تو نماز کی بھی معافی ہے، اس کے لیے جائز ہی نہیں ہے کہ وہ جائے نماز پر آئے، لیکن آپ ﷺ نے تو اپنے پیغام اور اعلان میں سب عورتوں کو شامل فرمایا ہے۔ بس یہی آپ کی حرص اور خواہش نظر آتی ہے کہ سب خواتین ان دونوں مواقع میں ضرور بالضرور شرکت کریں، اور عمل خیر میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شمولیت اختیار کر کے خزانے سمیٹیں، تکبیرات کہنے والوں کے ساتھ تکبیرات عید کہیں اور دعائیں مانگنے والوں کے ساتھ مل کر دعائیں مانگیں۔ اور نماز عید کے بعد منبروں سے بیان کیے جانے والے امت اسلامیہ کے اہم ترین امور پر

---

[1] صحيح البخاري، الحيض، باب شهود الحائض العيدين، حديث: 324.

توجہ دیں۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ مسلم معاشرے کی تعمیر میں ایک مسلمان خاتون کی ذمہ داری اور اس کی شراکت کو بخوبی جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے تو اپنے خطبہ عید میں اس کے لیے کچھ وقت بھی مخصوص فرمایا ہے۔ آپ ﷺ بذات خود اس جگہ بھی تشریف لے گئے تھے جہاں عورتیں اکٹھی تھیں، وہاں آپ ﷺ نے انھیں وعظ ونصیحت بھی فرمائی۔

یہ باتیں ہم اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے شیخین نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے: ''نبی اکرم ﷺ عیدالفطر کے روز کھڑے ہوئے، آپ نے خطبہ سے قبل نماز پڑھائی، پھر لوگوں سے خطاب فرمایا۔ جونہی نبی کریم ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے تشریف لے آئے، پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور انھیں نصیحت فرمائی۔ آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کے بازو پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کو پھیلائے ہوئے تھے، عورتیں اس کپڑے میں صدقات وخیرات ڈال رہی تھی۔

راوی نے عطا سے دریافت کیا: کیا وہ فطرانہ تھا؟ فرمانے لگے نہیں لیکن وہ صدقہ تھا جو وہ اس وقت کر رہی تھیں۔ ایک عورت اپنی بڑی انگوٹھی ڈال رہی تھی اور وہ سبھی اس کی پیروی کر رہی تھیں۔ [1]

اس حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو وعظ ونصیحت فرمائی ہے اور ان سے وہ صدقہ بھی قبول کیا ہے جو انھوں نے برضا ورغبت دیا ہے۔ دوسری حدیث مبارکہ میں ہے جسے شیخین ہی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، جس میں یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین سے بیعت لی اور پھر اس پر ثابت قدمی اختیار کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عیدگاہ میں عورتوں کو وعظ ونصیحت

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب موعظة الإمام النساء يوم العيد، حديث: 978 و صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب صلاة العيدين، حديث: 885.

کرنا، ان سے صدقہ قبول کرنا، اور انھیں بیعت پر ثابت قدمی اختیار کرنے کی تلقین کرنا اس دین حنیف کے شعائر پر کاربند رہنے کا مکلف ٹھہرانا ہے اور انھیں اعمال صالحہ کی طرف مزید پیش رفت کرنے کی دعوت دینا ہے اور یہ سارا عمل فقط عید گاہ میں بلانے کی برکت کے باعث ہے۔ مزید اس سے اسلامی معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نماز باجماعت کی اہمیت بھی عیاں ہو رہی ہے۔

• اسلام نے عورتوں پر مسجدوں میں باجماعت نمازوں کی ادائیگی کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ ان کے لیے یہ مستحب رکھا ہے کہ جب کسی جگہ عورتیں جمع ہوں تو وہ اپنی فرضی نماز باجماعت ادا کرسکتی ہیں اور جوان کی امامت کروائے وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہو، ان سے آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو، اور ان کے ذمہ اذان ہے اور نہ اقامت۔ یہ وہ طریقہ ہے جسے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کے وقت اختیار فرمایا تھا۔[1]

وہ سنن مؤکدہ اور نوافل بھی ادا کرتی ہے

سمجھ دار اور باہوش مسلمان خاتون پنج گانہ فرض نمازیں ادا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ تو سنن مؤکدہ بھی ادا کرتی ہے اور مزید اپنے وقت اور اپنی ہمت کے مطابق نوافل بھی پڑھتی ہے، مثلاً نماز چاشت (اشراق) اور نماز مغرب کے بعد اور رات کو بھی۔ کیونکہ نفلی نماز بندے کو رب کے قریب لاتی، اسے محبت ایزدی اور رضائے الٰہی عطا کرتی ہے۔ بلکہ مزید اسے صالح، اطاعت گزار اور کامیاب ہونے والے لوگوں میں سے بنا دیتی ہے۔ اس عظیم مرتبے کو بیان کرنے کے لیے اس حدیث قدسی سے بڑھ کر کوئی اور دلیل نہیں ہوسکتی جو بندۂ مومن کو کثرت نوافل کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے قریب بہترین مقام دینے کو بیان کرتی ہے:

[مَازَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا،

[1] دیکھیے أحکام النساء لابن الجوزی :186، 204 ط، بیروت والمغني لابن قدامة :202/2 ط، الریاض۔

وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَ بِي لَأُعِيذَنَّهُ]

''میرا بندہ لگاتار نوافل کے ذریعے سے میرا قرب پاتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جس وقت میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ کا خواستگار ہو تو ضرور میں اسے پناہ بھی دیتا ہوں۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کرنے پر زمین و آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی اس سے محبت کر۔ فرمایا: اس سے جبریل بھی محبت کرنے لگتے ہیں، وہ آسمان میں یہ کہتے ہوئے منادی کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو تمام آسمانوں والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، فرمایا: پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھا کرتے تھے حتی کہ آپ کے قدم مبارک متورم (سوج زدہ) ہو جاتے تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ سے استفسار کرتیں: اے اللہ کے رسول! آپ اتنا عمل کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ آپ انھیں یوں جواب دیا کرتے تھے:

[أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا]

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث :6502 .

''کیا پھر میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''[1]

اور ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نفلی نماز پڑھا کرتیں تو نماز کو طول دیا کرتی تھیں انھوں نے دو ستونوں کے درمیان میں ایک رسی باندھ لی تھی' جونہی انھیں تھکاوٹ یا سستی محسوس ہوتی تو اس کو تھام لیتیں، تا کہ اپنی حاضر دماغی اور چستی کو واپس لا سکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو اس رسی کو دیکھا' دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا: یہ زینب کے لیے ہے' وہ نماز پڑھتی ہیں جب انھیں سستی یا کمزوری لاحق ہوتی ہے تو اسے تھام لیتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے کھول دو' تم میں سے ہر کسی کو اپنی چستی تک نماز پڑھنی چاہیے، جونہی اسے سستی یا کمزوری کا احساس ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے۔''[2]

حولا بنت تویت بنو اسد قبیلے کی ایک خاتون تھی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ساری رات ہی نماز پڑھا کرتی ہے اور بالکل نہیں سوتی۔ ایک روز وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزریں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا یہ ہے حولا بنت تویت جس کے متعلق لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ رات بھر سوتی نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم رات بھر نہیں سوتی! اتنا عمل ہی اپناؤ جتنی تم طاقت پاتی ہو۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں اکتاتا حتی کہ تم خود ہی (عمل سے) اکتا جاؤ گے۔''[3]

سیرت نبوی نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نوافل کی ادائیگی پر رغبت دلائی ہے لیکن اس میں عین اسی وقت عبادت میں راہِ اعتدال اختیار کرنے کی دعوت بھی موجود ہے، اور

---

① صحيح البخاري، التفسير، سورة الفتح، حديث: 4837، وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب إكثار الاعمال والاجتهاد في العبادة، حديث: 2820. ② صحيح البخاري، التهجد، باب مايكره من الشديد في العبادة، حديث: 1150، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم، حديث: 784. ③ صحيح البخاري، التهجد، باب مايكره من الشديد في العبادة، حديث: 1151، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم، حديث: 785.

عبادت گزاری میں غلو پسندی کو ناپسند بھی کیا گیا ہے۔صرف ایک مسلمان آدمی کی شخصیت میں حکیمانہ توازن پیدا کرنے کے لیے اور اطاعت گزاری میں آسانی رغبت اور چستی کے اوصاف کو مسلسل برقرار رکھنے کے لیے اور اس پہلو سے بچتے ہوئے کہ کہیں اس کا کندھا بوجھ سے دب نہ جائے، اس کی کمر ٹوٹ نہ جائے۔ سیرت نبوی میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل زیادہ محبوب ہے جو پیہم اور مسلسل ہو، اگر چہ تھوڑا ہی ہو۔ ہم یہ بات اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

[أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَدْوَمُهَا، وَإِنْ قَلَّ]

"اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں بس وہی عمل محبوب و پسندیدہ ہے جو ہمیشگی والا ہو اگر چہ تھوڑا ہی ہو۔"

راوی کہتا ہے:"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی عمل اختیار فرماتیں تو اس پر ہمیشگی اختیار کرتیں۔"[1]

صالح اعمال پر یہ لزوم و دوام صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی حالت نہ تھی، بلکہ یہ حالت تو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خواص، یعنی ازواج مطہرات اور دیگر عزیز و اقارب سبھی کی تھی۔ اس امر کی شہادت اس حدیث مبارک سے ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چٹائی تھی جو کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ رات کے وقت آپ اس کی آڑ بنا کر اس کے اندر نماز پڑھا کرتے تھے اور لوگوں نے بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کر دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چٹائی کو دن کے وقت بچھا لیا کرتے تھے۔ ایک رات لوگ لگا تار آتے ہی گئے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اے لوگو! تم اپنی طاقت کے مطابق اعمال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نہیں اکتائے گا حتی کہ تم ہی اکتا جاؤ گے، اور

---

[1] صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم، حديث :(218)۔783 .

یقیناً اللہ تعالیٰ کو سب عملوں میں سے وہی عمل زیادہ محبوب ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو اور آل محمد ﷺ جب بھی کوئی عمل اختیار کیا کرتے تھے تو اس پر لزوم و دوام فرمایا کرتے تھے۔''[1]

نماز کو اچھے طریقے سے ادا کرتی ہے

متقی سمجھدار مسلمان عورت اس بات کی حریص رہتی ہے کہ اس کی ادائیگی نماز بہترین ہو، حاضر قلبی والی اور اعضائے جسمانی کے خشوع سے لبریز ہو۔ وہ نماز میں تلاوت کردہ مقام قرآن کے معانی کو دل و دماغ میں حاضر کرتی اور زبان سے نکلنے والی دعاؤں اور تسبیحات کے معانی پر مکمل توجہ دیتی ہے، جس سے اس کا نفس اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی و انکساری سے جھکا رہتا اور اس کا دل ہدایت، شکر گزاری اور اس کی عبادت گزاری سے دھڑکتا رہتا ہے، تو جب کبھی اس پر حالت نماز میں کوئی شیطانی خیال حملہ آور ہوتا ہے کہ اسے حضور قلبی اور صفائے ذہنی سے پھیر لے جائے، تو وہ کلام اللہ کی زیر تلاوت آیات پر سوچ بچار کرنے سے اور زبان سے ادا ہونے والی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید کے الفاظ پر تدبر و تفکر کرنے سے اس آنے والے خیال کو دور کر لیتی ہے۔

مسلمان خاتون اپنی نماز سے اس لیے فارغ نہیں ہوتی کہ فوراً امور خانہ داری اور مصروفیات زندگی میں مستغرق ہو جائے بلکہ وہ تو تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور وہ سنت نبوی کے مطابق یہ دعائیہ الفاظ بھی پڑھتی ہے:

[اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ]

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سب سلامتی تیری طرف ہی سے ہے اے عظمت و جلال والے اور شان والے! تو بڑی ہی برکت والا ہے۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضیلة العمل الدائم، حدیث: 215_783.

[2] صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:591 .

پھر وہ سنت مطہرہ میں وارد تسبیحات واذکار کا ورد بھی کرتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کا ورد فرمایا کرتے تھے جو متنوع اور متعدد ہیں۔ جن میں سے اہم یہ ہیں:

وہ تینتیس بار سبحان اللّٰہ تینتیس بار الحمد للّٰہ اور تینتیس دفعہ اللّٰہ اکبر پڑھے اور پھر سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے یوں کہے:

[لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ]

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ تن تنہا ہے اس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف وستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہے۔''①

پھر وہ بارگاہ صمدیت میں انکساری سے دعائیں کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور کو صلاح و فلاح سے ہمکنار فرمادے۔ اور وہ اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو اس پر مکمل فرمادے اور اسے اس کے کاموں میں رشد و ہدایت سے بہرہ ور فرمادے۔ تو اس طرح مسلمان خاتون اپنی نماز سے فراغت پاتی ہے کہ اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہوتا ہے، اس کا دل ڈر رہا ہوتا ہے، اس کی روح پاک وصاف بن چکی ہوتی ہے اور اس کا پورا وجود روحانی طاقت سے بھرپور و معمور ہو چکا ہوتا ہے، جس سے وہ زندگی کی کلفتوں، گھریلو پریشانیوں اور مادرانہ ذمہ داریوں میں مدد حاصل کرتی ہے اور اپنے امن دینے والے پروردگار کی پناہ میں چلی آتی ہے۔

صاحب نصاب ہو تو زکاۃ بھی دیتی ہے

مسلمان خاتون اگر وہ صاحب مال اور صاحب نصاب ہو تو اپنے مال کی زکاۃ بھی نکالتی ہے۔ وہ اپنے مال کو ہر سال بڑی باریک بینی سے شمار کرتی ہے اگر اس مال پر زکاۃ واجب

① صحیح مسلم، المساجد، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:(591)۔597

غنی ہو تو وہ مکمل امانت داری سے اس فریضے کو ادا کرتی ہے، کیونکہ زکاۃ تو ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، اس لیے اس کی ادائیگی میں سستی اور حیلہ بازی جائز نہیں ہے، خواہ رقم ہزاروں یا لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہو اور پرہیزگار سمجھدار مسلمان خاتون کے دل و دماغ میں یہ خیال تک نہیں آتا کہ وہ اپنے اوپر واجب ہونے والی زکاۃ کو ادا کرنے سے کوئی راہِ فرار تلاش کرے۔

یہ اس لیے کہ زکاۃ ایک مالی فریضہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض فرمایا ہے، برابر ہے کہ وہ مرد ہو یا عورت اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے ادا نہ کرنے اور اس کی مشروعیت کا انکار کرنے کو ارتداد اور واضح کفر شمار فرمایا ہے، ایسے شخص سے قتال کیا جائے گا اور اس کا خون رائیگاں قرار دیا جائے گا حتی کہ وہ اسے اس طریقے پر ادا کرنے والا بن جائے جس طرح دینی احکامات نے اس کی توضیح کی ہے۔ مانعین زکاۃ کے مرتدین کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شاندار موقف اور ان کے فرمودہ الفاظ زمانے کے کانوں میں گونجتے رہیں گے:

[وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ]

''اللہ کی قسم! میں بالضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کو الگ الگ کرے گا۔''[1]

اس کے علاوہ قرآن کریم کی ایسی آیات بھی بکثرت موجود ہیں جو نماز اور زکاۃ کو ایک دوسرے سے باہم ملا کر بیان کر رہی ہیں، جو مومنین کے دلوں میں اس دین کی مضبوط ترین عمارت کی تعمیر کر رہی ہیں:

﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾

''جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں۔''[2]

---

① صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث :1399,1400، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا......، حديث : 20. ② المآئدة 55:5 .

﴿وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾

''اور نمازوں کو قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔''①

﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾

''نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں۔''②

ایک سمجھدار پرہیز گار مسلمان خاتون پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جس اسلام نے اسے مالی معاملات میں آزادی کا حق عطا فرمایا ہے اور جس نے اس پر اخراجات کا کوئی بوجھ بھی نہیں ڈالا بلکہ اخراجات کا سارا ذمہ دار خاوند کو ٹھہرایا ہے، وہی اسلام ہے جس نے اس پر زکاۃ کو فرض رکھا ہے اور اسے فقیر ومحتاج کے لیے ایک معلوم شدہ حق ٹھہرایا ہے۔ مسلمان خاتون اس حق کو نکالنے اور اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنے میں کوئی بہانہ نہیں تراشتی، اس سبب سے کہ وہ تو ایک عورت ہے اور وہ اخراجات کی بالکل مکلف و ذمہ دار بھی نہیں ہے۔ بصورت دیگر وہ ایسی خاتون بنے گی جس کے فہم میں قصور عقیدے میں فساد اور شخصیت میں خلل ہوگا یا پھر وہ ایسی خاتون ہوگی جو بظاہر تو دین دار ہوگی لیکن حقیقت میں انتہائی درجے کی غافل، کند ذہن مال ودولت کی حریص اور جائیداد کے ساتھ محبت کرنے والی ہوگی جو ادائیگی زکاۃ کو کچھ اہمیت نہ دیتی ہوگی، خواہ وہ روزے رکھتی، نمازیں پڑھتی اور حج بھی ادا کرتی ہو اور کبھی کبھار وہ مال کثیر میں سے چند ٹکڑے بھی صدقہ کر دیتی ہو۔ عورتوں کی یہ قسم اور مذکورہ قسم اس مسلمان خاتون کے کردار سے تعلق نہیں رکھتی جسے اسلام چاہتا ہے۔

ماہ رمضان کے روزے رکھتی اور تراویح پڑھتی ہے

صاحب تقویٰ مسلمان خاتون ماہ رمضان کے روزے رکھتی ہے جبکہ اس کا نفس ایمان سے معمور وبھرپور ہوتا ہے:

[مَنۡ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَّاحۡتِسَاباً غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِهِ]

① البقرة 2:43. ② البقرة 2:277.

''جس نے حالت ایمان میں اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''①

وہ روزے رکھنے والیوں کے اور اپنی زبانوں اپنی آنکھوں اور اپنے دیگر اعضا کی حفاظت کرنے والیوں کے اخلاق سے آراستہ ہوتی ہے ہر ایسی مخالفت سے جو روزے کو مخدوش کر دے یا اس کے اجر و ثواب کو کم کر دے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے۔ اور اگر وہ کسی جھگڑے عداوت یا شور شرابے کے فتنے کی زد میں آ جائے تو وہ روزے رکھنے والوں اور روزے رکھنے والیوں کے لیے رسول اللہ کی سیرت اور ہدایت نبوی پر عمل پیرا ہوتی ہے:

[إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ]

''جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ شہوت رانی کی باتیں کرے نہ شور شرابا کرے اور اگر کوئی اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ کہہ دے میں تو روزے سے ہوں۔''②

رسول اللہ کا فرمان ہے:

[مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ]

''جس نے جھوٹی بات کو اور اس پر عمل کرنے کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کو چھوڑنے کی کچھ بھی پروا نہیں ہے۔''③

---

① صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث: 38، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان، حديث: 760. ② صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول إني...... ، حديث: 1904، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: (163)1151. ③ صحيح البخاري، الصوم، باب من لم يدع قول الزور والعمل به......، حديث: 1903.

سمجھدار مسلمان خاتون رمضان میں یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ ایک ایسے مہینے سے سایہ لے رہی ہے جو باقی مہینوں کے مثل نہیں ہے۔اس میں تو صالح اعمال کا اجر وثواب بڑھا دیا جاتا ہے۔ خیر کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس میں روزہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہوتا ہے اور وہی اس کی جزا بھی دے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی، منعم، صاحب فضل اور وہاب کی جزا بھی تو اس سے کہیں بڑھ کر ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوگی کہ اس کو احاطۂ شمار میں لایا جاسکے یا اسے دائرۂ فکر وخیال میں سمویا جاسکے۔

''ابن آدم کے ہر عمل کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔ نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ماسوائے روزہ کے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، وہ میرے لیے اپنی خواہشات اور اپنے کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی تو اس کی افطاری کے موقع پر ہے اور دوسری خوشی اس کے اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت ہوگی۔ اور اس کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پاکیزہ ہوتی ہے۔''[1]

اسی لیے بیدار مغز، دانش مند مسلمان خاتون ماہ رمضان میں اپنے گھریلو کام کاج میں توفیق الٰہی پانے کے درمیان اور اس ماہ مبارک کی ساعتوں میں اطاعت عبادت اور صالح اعمال کے ذریعے سے تقرب الٰہی کے حصول کے لیے اسے گھریلو کام کاج پنج گانہ فرض نمازوں کی بروقت ادا کرتی ہے قرآن مجید کی تلاوت اور نفل نمازوں کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتے اور نہ ہی اسے قیام اللیل سے اور دعا واستغفار کرتے رہنے سے غافل بناتے ہیں ، کیونکہ وہ بخوبی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان میں راتوں کو قیام کرنے والوں اور قیام کرنے والیوں کے لیے کتنا عظیم ثواب اور کتنی وسیع بخشش تیار فرما رکھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول إني صائم، حديث: 1904، 7492، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: (164)-1151 واللفظ له .

[مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ]

''جس نے رمضان میں ایمان پر قائم رہتے ہوئے اور ثواب چاہتے ہوئے (رات کا) قیام کیا تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''①

اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں اعمال صالحہ کو زیادہ سے زیادہ کرنے میں اس قدر سعی فرمایا کرتے تھے جو غیر رمضان میں نہ فرمایا کرتے تھے بالخصوص رمضان کے آخری عشرے میں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں اس قدر جہد و سعی فرمایا کرتے جو اس کے علاوہ عشروں میں جہد و سعی نہ فرمایا کرتے تھے۔''②

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جب ماہ رمضان کا آخری عشرہ داخل ہو جاتا تو ساری رات بیدار رہتے، اپنے اہل خانہ کو بیدار رکھتے اور خوب محنت کرتے اور تہبند کو مضبوطی سے باندھ لیتے۔''③

اور رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کا حکم دیا اور اس میں قیام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

''ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔''④

اور اس فرمان گرامی سے:

---

① صحيح البخاري، الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث: 37، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان، حديث: 759. ② صحيح مسلم، الاعتكاف باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1175. ③ صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان، حديث : 2024 وصحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174. ④ صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، باب تحري ليلة القدر في الوتر، حديث : 2020، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل ليلة القدر، حديث: 1169.

’’جس نے حالت ایمان میں اور ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔‘‘ ①

یہ ماہ مکرم خالص عبادت الٰہی کا مہینہ ہے۔ محنت کرنے والی مسلمان خاتون کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ راتوں کو لہو ولعب اور بے مقصد جاگنے میں گزار دے۔ اور افراد خانہ کی آنکھوں پر اونگھ کا غلبہ ہو، وہ ان کے آگے کھانے کے چند لقمے پیش کرے اور پھر سبھی اپنے اپنے بستروں میں جا گھسیں اور پھر خواب خرگوش کے مزے لینے لگیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی نماز فجر کی بروقت ادائیگی کے لیے بیدار بھی نہ ہو۔

بلکہ سمجھدار مسلمان خاتون تو اس بات کی خواہش مند ہوتی ہے کہ وہ خود اور اس کے افرادِ خانہ ماہ رمضان میں اسلامی زندگی کے مطابق زندگی گزاریں۔ وہ رمضان کی راتوں میں بڑی مرتب و سلیقہ مند بنتی ہے، وہ اس طرح کہ جب اہل خانہ نماز تراویح سے فراغت پاتے ہیں تو وہ زیادہ دیر تک جاگتے نہیں رہتے بلکہ وہ تو عنقریب چند ساعتوں کی استراحت کے بعد سحری تناول کرنے کے لیے اٹھنا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اس میں خیر کثیر موجود ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً]

’’سحری کھاؤ، کیونکہ سحری میں برکت ہے۔‘‘ ②

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سحری کے لیے تمام افراد خانہ کو بیدار کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ اور سحری میں پائی جانے والی برکتوں کو حاصل کرتی ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ قیام اللیل کی یاد دہانی، نماز فجر کی باجماعت ادائیگی کے لیے بڑی چستی و حاضر دماغی کے ساتھ مسجدوں کی طرف چلنا، مزید روزے کے حوالے

① صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، باب فضل ليلة القدر، حديث: 2014، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان، حديث: 760. ② صحيح البخاري، الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب، حديث: 1923، و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور، حديث: 1095.

سے جسمانی قوت و طاقت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا معمول مبارک بھی یہی تھا اور آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو بھی اسی نہج پر تربیت دیا کرتے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ہم نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ پوچھا گیا دونوں کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ جواب دیا پچاس آیات کا۔''①

نفلی روزے بھی رکھتی ہے

ایک مسلمان عورت ماہ رمضان کے سوا نفلی روزے بھی رکھتی رہتی ہے، اگر اسے روزہ رکھنے میں مشقت اور گرانی نہ ہو، وہ یوم عاشوراء اور محرم کی نویں تاریخ کے روزے بھی رکھتی ہے، کیونکہ مذکورہ اور دیگر ایام کے روزے ایسے صالح اعمال ہیں جو خطاؤں کو مٹاتے ہیں۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ]

''گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''②

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا۔③

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عاشوراء کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ]

---

① صحيح البخاري، الصوم، باب قدركم بين السحور وصلاة الفجر، حديث: 1921 وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور، حديث: 1097. ② صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام، حديث: (197)-1162. ③ صحيح مسلم، الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، حديث: 1130.

''گزشتہ سال ایک گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ]

''اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں نویں محرم کا روزہ ضرور رکھوں گا۔''[2]

اور اسی طرح ماہ شوال کے چھ روزوں کی فضیلت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ]

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے پیچھے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ زمانہ بھر کے روزے رکھنے کی مثل ہے۔''[3]

باقی ایام جن میں روزے رکھنے مستحب ہیں، ہر مہینے میں تین دن ہیں، اس ضمن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''مجھے میرے پیارے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ہر ماہ میں تین دن کے روزے رکھنے کی، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی اور یہ کہ میں سونے سے قبل نماز وتر پڑھ لوں۔''[4]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ]

''ہر مہینے میں تین ایام کے روزے رکھنا پورے سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے۔''[5]

---

① صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام...... حديث :(197)-1162.
② صحيح مسلم، الصيام، باب أي يوم يصام في عاشوراء، حديث:(134)-1134. ③ صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ستة أيام من شوال، حديث: 1164. ④ صحيح البخاري، الصوم، باب صيام البيض، حديث: 1981، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى، حديث: 721. ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب صوم ◄◄

وہ خانہ کعبہ کا حج کرنے بھی جاتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون اپنی دینی رہنمائی کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتی ہے جب بھی اسے استطاعت ملتی ہے تو وہ بیت اللہ کا حج کرتی ہے۔ جب بھی اسے حج کی ادائیگی کے لیے مشروع اسبابِ سفر میسر آتے ہیں تو وہ رخت سفر باندھنے سے قبل احکام حج کو بڑی دانش مندی، سمجھداری اور عمدگی سے پڑھتی ہے اور وہ مناسکِ حج تو بڑی فراست سمجھداری اور دانائی سے سرانجام دیتی ہے۔ تو اس طرح اس کا حج بالکل صحیح اور شرعی شروط کو مکمل کرنے والا ہوتا ہے بلکہ مردوں کے مقابلے میں وہ جہاد کا قائم مقام بن جاتا ہے، جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے ان باتوں کی خبریں دی ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یا ہم آپ کے ساتھ مل کر غزوہ اور جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[لَكُنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَ أَجْمَلَهُ الْحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ]

''تمہارے لیے بہترین اور خوبصورت ترین جہاد حج ہے، جو حج مبرور ہو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے میں تب سے حج کرنا نہیں چھوڑ رہی۔''[1]

وہ عمرہ بھی کرتی ہے

جس طرح مسلمان خاتون پر حج فرض کیا گیا ہے، اسی طرح وسائل و اسباب کی فراوانی کے موقع پر اس پر عمرہ بھی واجب ہے، خصوصاً ماہ رمضان میں عمرہ، کیونکہ اس کا ثواب تو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرنے کے برابر ہے، جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

« داود عليه السلام، حديث: 1979، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر، حديث: (187)-1159. [1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، حديث: 1861.

جب نبی کریم ﷺ اپنے حج سے واپس آئے تو آپ نے ام سنان الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تجھے حج کرنے سے کونسی چیز مانع ہوئی؟ بولی: فلاں فلاں کے باپ...... ان کی مراد اپنا شوہر تھا...... کے پاس دو اونٹ تھے، وہ ان دونوں میں سے ایک پر حج کرنے چلا گیا جبکہ دوسرا اونٹ ہماری زمین کو سیراب کرتا رہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِي فِيهِ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ حَجَّةٌ]

''چنانچہ جب ماہ رمضان آئے تو اس میں عمرہ کر لینا، بلاشبہ ماہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے۔''[1]

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے دوسری روایت میں یہ بھی ہے:

[فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً مَّعِي]

''یقیناً ماہ رمضان میں عمرہ میری معیت میں کیے گئے حج کا درجہ پاتا ہے۔''[2]

اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتی ہے

ایک سمجھدار مسلمان خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہ ان تمام شرعی احکام کی پابند ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے، اس ضمن میں عورت بالکل مرد کی طرح ہے۔ اِلا یہ کہ کسی مسئلے میں عورت کو مرد سے یا مرد کو عورت کے بجائے مخصوص کر دیا گیا ہو، ان چند مخصوص مسائل کے علاوہ مرد اور عورت اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی میں یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایماندار مرد اور ایمان دار عورتیں، فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور

---

① صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة في رمضان، حديث: 1782، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث: 1256. ② صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، حديث: 1863 .

عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے اور نگہبانی کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''①

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے، اور ان کے نیک اعمال کا اچھا بدلہ بھی انھیں ضرور ضرور دیں گے۔''②

ایک جگہ اس طرح فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ﴾

''پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔''③

اور جس وقت بھی قرآن کریم میں یا سنت مطہرہ میں ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ﴾ یعنی اے لوگو! مطلق طور پر کہا جاتا ہے، وہ مردوں اور عورتوں سبھی کو شامل ہوتا ہے۔ اس امر کے شواہد میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں: میں لوگوں سے سنتی تھی کہ وہ حوض کا تذکرہ کرتے تھے اور میں نے اس کا ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں سنا تھا، بس ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

---

① الأحزاب 35:33. ② النحل 97:16. ③ آل عمران 195:3.

فرماتے سنا جبکہ ایک لڑکی مجھے کنگھی کر رہی تھی: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ﴾ ''اے لوگو!'' میں نے لڑکی سے کہا: ذرا مجھ سے پیچھے ہٹ جا، وہ کہنے لگی نبی اکرم ﷺ نے صرف مردوں کو بلایا ہے، عورتوں کو نہیں بلایا۔ میں نے کہا: بلاشبہ میں بھی لوگوں میں سے ہوں۔ تو رسول اکرم ﷺ نے یوں فرمایا:

[إِنِّي لَكُمْ فَرَطٌ عَلَى الْحَوْضِ، فَإِيَّايَ، لَا يَأْتِيَنَّ أَحَدُكُمْ فَيُذَبُّ عَنِّي كَمَا يُذَبُّ الْبَعِيرُ الضَّالُّ فَأَقُولُ فِيمَ هٰذَا؟ إِنَّكَ لَاتَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا]

''میں حوض پر تم سب کا پیش رو ہوں گا، یعنی تم سب سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا، لہٰذا میری اس بات کا بخوبی خیال رکھنا، تم میں سے کوئی اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اسے مجھ سے اس طرح دور ہٹا دیا جائے جس طرح بھٹکے اونٹ کو دور ہٹایا جاتا ہے، پھر میں کہوں گا کس وجہ سے ایسا کیا جا رہا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئے کام شروع کر لیے تھے، تو میں کہوں گا: دوری ہو۔''[1]

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں الفاظ بھی ہیں:

[فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي]

''تو میں کہوں گا: اس کے لیے دوری ہو دوری ہو جس نے میرے بعد (دین میں) تبدیلی کر دی۔''[2]

عورت اور مرد اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے حکم کی اتباع کرنے میں اور اس کی نہی سے اجتناب کرنے میں مساوی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان خاتون حکم الٰہی کو بجا لائے گی اور جن کاموں سے اللہ نے روکا ہے ان سے رکے گی، اس بات کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اس

---

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب حوض نبينا ﷺ وصفته، حديث: 2295. [2] صحيح مسلم، الفضائل: باب حوض نبينا ﷺ وصفته، حديث: 2295.

سے ان اعمال کی باز پرس ہوگی جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیجے ہوں گے، اگر خیر کے ہوئے تو خیر ہوگی اور اگر شر والے ہوئے تو شر ہوگی۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں ایسے کئی صاف شفاف اور روشن واقعات ہیں جو عورتوں کے لیے راہ نجات اور دستور حیات متعین کرتے ہیں۔ جنھوں نے حکم الٰہی کو اپنے پیش نظر رکھا، وہ اس سے الگ ہوئیں اور نہ ہی انھوں نے اس سے سرمو انحراف کیا۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ جسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ مجادلہ کے آغاز میں سیدہ خولہ بنت ثعلبہ اور ان کے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے۔

خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میرے بارے میں اور اوس بن صامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا۔ کہتی ہیں: میں ان کے عقد میں تھی، اور وہ ایک بوڑھے آدمی تھے، جن کا مزاج سخت بن چکا تھا۔ پھر کہتی ہیں: ایک دن میرے پاس آئے تو میں نے ترکی بترکی جواب دیا جس پر وہ ناراض ہوگئے، تو انھوں نے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔ پھر کہتی ہیں: باہر جا کر اپنی قوم کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھ کر واپس میرے پاس آئے اور ازدواجی تعلق کا تقاضا کرنے لگے۔ کہتی ہیں: میں نے جواب دیا: ہرگز نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے! اب آپ میرے ساتھ خلوت نہیں کر سکتے، کیونکہ آپ نے قبل ازیں مجھ سے جو بات کہہ دی ہے وہی آپ کے اور میرے مابین مانع ہوگئی ہے۔ حتی کہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے متعلق اپنا فیصلہ دے دیں۔ پھر فرماتی ہیں: وہ مجھ پر کود پڑے، اور میں نے انھیں اپنے سے دور ہٹائے رکھا جس طرح کوئی عورت بوڑھے آدمی پر غلبہ پا سکتی ہے۔ حتی کہ میں نے انھیں اپنے سے دور کر دیا۔ کہتی ہیں: پھر میں اپنی ایک پڑوسن کے پاس چلی گئی، اس سے کپڑے مستعار لیے اور سیدھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ بیٹھی۔ میں نے آپ کے سامنے وہ بیان کیا جو کچھ میرے ساتھ گزرا تھا، اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی طرف سے ملنے والی بداخلاقی کی شکایت کرنے لگی۔ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے جا رہے تھے: اے خویلہ!

تیرا بردار عم زاد بوڑھا فانی ہو چکا ہے۔اس کے معاملے میں اللہ سے ڈر کہتی ہیں: میں بھی مسلسل ادھر ہی بیٹھی رہی حتی کہ میرے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو کیفیت وحی ڈھانپ رہی تھی، پھر آپ سے کیفیت وحی ختم ہوئی تو آپ نے مجھ سے یوں فرمایا:

[يَا خُوَيْلَةُ! قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيكِ وَفِي صَاحِبِكِ قُرْآناً]

''اے خویلہ! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن اتارا ہے۔''

پھر مجھے سنایا:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی تک سنایا:

﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

''اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کہو کہ ایک غلام آزاد کرے۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان کے پاس آزاد کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اسے چاہیے کہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے گزارش کی اللہ کی قسم! وہ تو انتہائی بوڑھے ہیں، وہ روزے نہیں رکھ سکیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چاہیے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھجوروں کا ایک وسق[2] کھلائے۔'' کہتی

---

① المجادلة 58: 1-4.

② وسق: کھجور کا وزن، ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ۔

ہیں۔تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہم کھجوروں کے ایک ٹوکرے کے ساتھ اس کی اعانت کردیں گے۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! میں بھی ایک ٹوکرے کے ساتھ ان کی معاونت کردوں گی، آپ نے فرمایا: ''تو نے اچھا کیا، جاؤ اور اس کی جانب سے وہ خیرات کردو، پھر اپنے چچا کے بیٹے کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو۔'' پھر کہتی ہیں، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔''[1]

سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ایک لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کی طاقت نہ رکھتی تھیں کیونکہ انھوں نے ظہار کے وہ الفاظ منہ سے نکالے تھے جو کہ زمانہ جاہلیت کے مطابق طلاق تھی، بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پہنچتی ہیں تاکہ اپنے متعلق اور اپنے خاوند کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم جان لیں، حالانکہ ان کے پاس ایسے کپڑے بھی نہ تھے جو پہن کر باہر نکلنے کے قابل ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوسکتیں، چنانچہ انھوں نے اپنی کسی ہمسائی سے کپڑے مستعار لیے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئیں تاکہ اپنے متعلق حکم ربانی سن کر اس کی تعمیل کریں۔ بلاشبہ اس عظیم المرتبت خاتون کا بلند مقام ہوگا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جو ان کے ہمعصر تھے اور جنھوں نے ان کا فضل و مرتبہ پہچانا تھا، اور ان میں سے سرفہرست سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ ایک دن آپ سے ملیں جب آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے اور آپ کے ہمراہ جارود عبدی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر ''السلام علیکم'' کہا، حالانکہ آپ امیر المومنین تھے، وہ آپ سے یوں عرض پرداز ہوئیں۔اے عمر! میں تجھے وصیت کرتی ہوں اور تو وہی ہے جسے عکاظ کی منڈی میں عمیر کہا جاتا تھا اور تو اپنی لاٹھی سے بھیڑوں کو ہانکا کرتا تھا، لہٰذا تو رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈر کر رہ اور یہ بات بھی جان لے کہ جو وعید سے ڈرتا ہے تو بعید امر بھی اس پر قریب ہوجاتا ہے اور جو موت سے ڈرتا ہے وہ (وقت اور نیکی کا موقع) ضائع کرنے سے بھی ڈرتا ہے۔ جارود بولے: اری خاتون! تو نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو بڑی باتیں کہ

---

[1] مسند أحمد:6/410-413، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في الظهار، حديث : 2214.

دی ہیں، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انھیں کچھ نہ کہو، چھوڑ دو کیا تو انھیں جانتا نہیں ہے، یہ وہ خولہ ہیں جن کی باتیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنیں اور اللہ کی قسم! عمر اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ بھی اس کی باتیں سنے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص نے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس خاتون کی عزت افزائی کرتے ہوئے دیکھا تو بول اٹھا: آپ رضی اللہ عنہ نے اس بڑھیا کی خاطر قریش کے مردوں کو روک رکھا ہے، تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو غمزدہ نہ ہو، تو جانتا ہے یہ کون ہے؟ بولا: نہیں، فرمایا یہ وہ خاتون ہیں جن کے شکوے کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا تھا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں، اللہ کی قسم! اگر یہ رات تک بھی مجھ سے نہ پلٹیں گی تو میں ان سے بالکل نہ پھروں گا حتی کہ وہ بات کو مکمل کر لیں، سوائے اس کے کہ نماز کا وقت ہو اور نماز پڑھ لوں، پھر اس کے پاس حاضر ہو جاؤں تاکہ وہ اپنی بات پوری کر لے۔[1]

بلاشبہ ایک سمجھدار ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل کو پیش نظر رکھتی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

''اور کسی مسلمان مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''[2]

کسی اجنبی کے ساتھ خلوت میں نہیں بیٹھتی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گزاری تو صرف ان کے امر و حکم کو ماننے اور ان کے منع و نہی سے اجتناب کرنے سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ص: 1316. [2] الأحزاب 33:36 .

کی اطاعت شعاری میں سے یہ امر بھی ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت نشین نہ ہو، کیونکہ کسی غیرمحرم اجنبی مرد کے ساتھ خلوت گزین ہونا علمائے کرام کے متفق علیہ موقف کے مطابق حرام ہے، رسول مکرم ﷺ کے فرمان اقدس کی روشنی میں:

[لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ]

''کوئی مرد کسی خاتون کے ساتھ خلوت نشین نہ ہو مگر اس خاتون کے ساتھ کوئی محرم ہونا چاہیے اور نہ کوئی عورت تنہا سفر کرے مگر کسی محرم کے ساتھ۔''

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری بیوی تو سفر حج پر روانہ ہو چکی ہے اور مجھے فلاں فلاں غزوے میں لکھ لیا گیا ہے۔ فرمایا:

[انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ]

''تم جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔''[1]

اور محرم ہر وہ شخص ہے جس کے ساتھ عورت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو جیسے کہ باپ، بھائی، چچا اور ماموں وغیرہ اور اجنبی ہر وہ شخص ہے جس کا اصلاً اس عورت سے کبھی بھی نکاح ہو سکتا ہو، اگرچہ وہ قریب ترین رشتہ داروں میں سے ہو، بالخصوص خاوند کے بھائی وغیرہ قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں، تو ان سبھی سے فرمان رسول مقبول ﷺ کی بنیاد پر خلوت میں بیٹھنا حرام ہے:

[إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ]

''تم عورتوں کے پاس داخل ہونے سے بچو۔''

تو ایک انصاری صحابی بولے، اے اللہ کے رسول! دیور کے متعلق کیا خیال ہے؟

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب من اكتتب في جيش فخرجت امرأته، حديث: 3006، وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، حديث: 1341 .

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیور تو موت ہے۔''[1]

عربی لفظ اَلْحَمُوُ خاوند کے بھائی اور دیگر قریبی عزیزوں سبھی کے لیے بولا جاتا ہے، اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان گرامی: اَلْحَمُوُ الْمَوْتُ کا معنی یہ ہے کہ غیر کی نسبت اس سے برائی کا خدشہ زیادہ ہے، کیونکہ بھائی کے گھر میں یہ بآسانی داخل ہوسکتا ہے، اسی طرح اس معاملے کی شدت سے ڈراتے ہوئے اور خبردار کرتے ہوئے اسے موت سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا کہ خاوند کے قریبیوں سے خلوت اختیار کرنا بالکل ایسے ہی فساد، تباہی اور دینی ہلاکت میں ڈالنے والا ہے جس طرح کہ موت کی ہلاکت ہے۔

اور سمجھدار پرہیز گار خاتون شرع کی ایسی مخالفت میں نہیں پڑتی جس میں آج کل تساہل پسند لوگوں کی اکثریت پڑ چکی ہے۔

شرعی پردے کی پابند رہتی ہے

وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرعی حجاب کی پابندی اختیار کرتی ہے۔ اس سے مراد ایسا امتیازی اسلامی لباس ہے جس کی کتاب و سنت کی قطعی نصوص نے نشاندہی اور حد بندی فرمائی ہے۔ وہ اس کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتی اور نہ ہی عطر لگائے ہوئے اور اپنی زیب و زینت کو نمایاں کرتے ہوئے غیر محرم مردوں کے سامنے آتی ہے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ قرآن کریم کی نص قطعی کے ساتھ اس کے اوپر یہ حرام ہے:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾

''مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة، حديث: 5232، صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية، حديث: 2172. [2] النور 24:31 .

ہوش مند مسلمان خاتون ان عورتوں میں سے نہیں ہوتی جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہی ہوتی ہیں، جن سے اللہ کی ہدایت اور اطاعت شعاری سے باغی موجودہ سوسائٹیاں بھرپور نظر آتی ہیں، بلکہ مسلمان خاتون تو اس خطرناک منظر کشی سے ہی لرزاں رہتی ہے جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایسی اظہار زینت کرنے والی گمراہ اور راہ راست سے بھٹکی ہوئی اور فساد پیدا کرنے والی عورتوں کے لیے بیان فرمائی ہے:

[صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَّعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ، مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا]

''دو گروہ اہل دوزخ میں سے ہوں گے جنہیں میں نے ابھی نہیں دیکھا۔ ایسی قوم جن کے پاس گائے کی دم کی مثل کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اور ایسی عورتیں جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی، دوسروں کو مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف میلان رکھنے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی مانند جھکنے والے ہوں گے، وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی اور اس کی خوشبو تک نہ پا سکیں گی، جبکہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے پائی جا رہی ہوگی۔''[1]

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون تو وہ ہے جس نے اسلام کے صاف شفاف چشمے سے پانی پیا ہے اور اس نے اس کی پھیلی ہوئی گھنی چھاؤں میں پرورش پائی ہے، وہ شرعی حجاب کو رسماً اور تقلیداً اختیار نہیں کیے ہوئی کہ اس کی دادیوں اور نانیوں نے اسے اختیار کیا تھا اور اسے ان سے وراثت میں ملا ہے جس طرح کہ بعض فارغ البال مرد اور عورتیں حجاب کو یہی شکل دیے ہوئے ہیں، بلکہ مسلمان خاتون کا دل اس ایمان پر مطمئن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے

---

① صحيح مسلم، اللباس، باب النساء الكاسيات العاريات، حديث: 2128 .

ایک حکم ہے، اور اس کا نفس پردہ کے متعلق اس حقیقت سے بھرپور ہے کہ یہ تو دین الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان خاتون کی حفاظت و نگہداشت کرنے کے لیے اور اس کی شخصیت کو ممتاز بنانے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی لیے وہ اسے نفس کی رضا مندی سے قلبی اطمینان سے اور مضبوط قناعت پسندی سے قبول کرنے والی ہے جس طرح مہاجرین و انصار کی خواتین نے اسے اس روز ہی قبول فرمالیا تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے اپنا قطعی فیصلہ اور محکم امر نازل فرمایا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں:

[يَرْحَمُ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ، لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ شَقَقْنَ مُرُوطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا]

''اللہ تعالیٰ پہلے ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے فرمان ذیل نازل فرمایا: '' ﴿﴾ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں۔ تو انھوں نے اپنی بڑی بڑی چادروں کو پھاڑ کر ان سے اپنے حجاب بنالیے تھے۔''

اور صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے:

[أَخَذْنَ أُزُرَهُنَّ فَشَقَقْنَهَا مِنْ قِبَلِ الْحَوَاشِي فَاخْتَمَرْنَ بِهَا]

''انھوں نے اپنی تہبندوں کو کناروں سے پھاڑ لیا تھا اور ان سے اوڑھنیاں بنا لی تھیں۔''[1]

سیدہ صفیہ بنت شیبہ رحمہا اللہ کی روایت میں یوں آتا ہے ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مجلس میں بیٹھی تھیں کہ ہم نے قریشی خاندان کی عورتوں کا اور ان کی فضیلت وعظمت کا تذکرہ شروع کردیا، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں، یقیناً خاندان قریش کی عورتوں کی فضیلت بجا ہے،

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: وليضربن بخمرهن على جيوبهن، حديث: 4758، 4759.

لیکن اللہ کی قسم! میں نے انصار کی عورتوں سے بڑھ کر کسی کی فضیلت نہیں دیکھی، اور نہ ہی کتاب اللہ کی تصدیق کرنے میں کسی کو ان سے بڑھ کر پایا اور نہ ہی نازل شدہ حکم پر ایمان رکھنے میں بڑھ کر دیکھا ہے، یقیناً جب سورۂ نور کی درج ذیل آیات کا نزول ہوا۔

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾

''اور وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں۔''[1]

چنانچہ جب ان کے مردان کے پاس گھروں میں لوٹ کر گئے، وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات تلاوت کرنے لگے، تو جو بھی آدمی اپنی بیوی، اپنی صاحبزادی، بہن یا اپنی کسی بھی قرابت والی پر تلاوت کرتا تھا تو ان میں سے کوئی بھی عورت ایسی نہ تھی مگر وہ اپنی منقش چادر کی طرف اٹھتی گئی اور اس سے اپنے آپ کو ڈھانپتی گئی، اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب میں نازل فرمایا تھا اس پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اپنی اوڑھنیوں کے ساتھ لپٹے ہوئے صبح کی تھی گویا کہ ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوئے ہیں۔[2]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر سچا ایمان رکھنے والی ہر مومنہ خاتون کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ انھی صاحب فضیلت خواتین کی پیروی اختیار کرے، اور اپنے اوپر یہی اسلامی امتیازی حجاب کو لازم قرار دے لے، کسی بھی طرح کی عریانی، اعضاء کھولنے اور اظہار زینت جیسی حرکتوں کو کچھ اہمیت نہ دے۔

مجھے ایک باپردہ بچی مسلمان دوشیزہ کا جواب یاد آرہا ہے، شان وشوکت میں انصار و مہاجرین کی خواتین کے موقف سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ یہ جواب اس نے ایک اخباری نامہ نگار کو دیا تھا جو دمشق یونیورسٹی دیکھنے آیا تھا۔ اس نے شدید گرمی والے دن بھی پردے کی پابندی کرنے پر اس سے سوال کیا تھا، تو اس کا جواب تھا:

---

[1] النور 31:24 . [2] فتح الباري، التفسير: باب: وليضربن بخمرهن على جيوبهن، حديث: 4758، 4759.

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾

''کہہ دیجیے! کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔''[1]

ایسی ہی باکردار پرہیزگار پاکیزہ نوجوان لڑکیاں ہی مسلمان گھرانوں کو آباد رکھ سکتی ہیں اورنسل نو کی اعلیٰ کردار پر تربیت کرسکتی ہیں اور پھر معاشرہ سپوتوں، ہونہاروں اور تعمیر ملت کرنے والوں کے ساتھ پروان چڑھ سکتا ہے اور یقیناً آج بھی اس کردار کی حامل خواتین بکثرت موجود ہیں۔ الحمد للہ!

یہ شرعی حجاب شریعت اسلام ہی میں کوئی نیا حکم تو نہیں ہے بلکہ قبل از اسلام بھی تمام شریعتوں میں موجود رہا ہے، ان تحریف شدہ کتابوں کی باقیات اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہیں، ہم آج بھی ان نصرانیوں کی جو ہمارے بلاد اسلامیہ میں یا باقی دیار مغرب میں رہائش پذیر ہیں کی راہبات کے باوقار لباس میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ کتابیہ عورت اپنے گرجے میں داخل ہونے سے قبل اپنے سر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

آج اس سوچ اور فکر کو جو عورت اور اس کے وقار کو ڈھانپ سکتی ہے، عام کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہی ہے کہ تمام اسلامی شریعتوں، یعنی ملت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ﷩ کی طرف اس آسان ترین راستے کی جانب لوگوں کو لایا جائے جو دین اسلام لایا ہے اور اس ایک اللہ کے دین سے خود کو آراستہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے تا قیام قیامت بھیجا ہے، جسے وقفے وقفے سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لاتے رہے ہیں۔

دور حاضر کی انسانی سوسائٹیوں کا عورت کی عریانی، بے پردگی اور چھچھورے پن کی جانب اصرار کرنا، ان کی کجی، طغیانی، سرکشی اور ہدایت الٰہی سے دوری کی دلیل ہے۔ صرف عالم اسلام ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم کے ممالک میں ہے، اور جب اہل مغرب اس انحراف و کجی پر کوئی پروا نہیں کر رہے بلکہ وہ تو عریانی فحاشی اور گمراہی کی نئی نئی راہیں ایجاد کرنے میں پیش پیش ہیں، اور اپنی تحریف شدہ کتابوں میں کوئی ممانعت اور رکاوٹ نہیں پا رہے، تو یقیناً

[1] التوبہ 9:81.

مسلمان تو ایسے ہیں جو اپنے پروردگار کی ثابت محکم، اور محفوظ کتاب کی شب روز کی ساعتوں میں تلاوت کر کے عبادت کر رہے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اس انحراف اور کجی پر رضا مند رہیں، خواہ وہ اپنے دینی معاملات میں کمزوری کاہلی اور غفلت کے کیسے ہی درجے میں ہیں، کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی قطعی نصوص ان کے کانوں سے مسلسل ٹکرا رہی ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرا رہی ہیں، دنیاوی زندگی میں انھیں کسی فتنے سے دو چار ہونے اور اخروی زندگی میں عذاب الیم میں گرفتار ہونے کی دھمکی دے رہی ہیں:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

''جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انھیں دردناک عذاب پہنچے۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ عورت کو بے پردگی اور عریانی کی طرف زور شور سے بلانے والوں اور بلانے والیوں کے دعوے اطراف عالم میں پھیلے ہوئے اسلامی بیداری کے متوالوں کی پامردی اور ثابت قدمی کے سامنے بدترین ناکامی اور پسپائی کے ساتھ پلٹ آئے ہیں۔ اور باہوش تعلیم یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون دنیا کے بے شمار اسلامی خطوں میں اپنے اسلامی ممتاز لباس کی جانب، اپنے شرعی حفاظت کنندہ حجاب کی جانب اور اپنی محفوظ و مستحکم اور پسندیدہ جاہ وحشمت کی طرف پلٹ آئی ہے، بالخصوص ان خطوں میں جہاں عورت کو حجاب اتارنے اور اپنی پاکدامنی، حشمت اور پردہ داری کو چھوڑتے ہوئے اسے مغربی خاتون بننے کی دعوت دی جا رہی تھی اور یہ اس مغربی ذہنیت اور شر و فساد کے داعیوں کی سرعام رسوائی ہے۔ بطور مثال ترکی میں اتاترک کے پیروکار ہیں۔ ایران میں رضا شاہ پہلوی، افغانستان میں محمد امان ہے۔ البانیہ میں احمد زوغو اور انور خوجا ہیں۔ مصر میں مرقص فہمی، قاسم امین اور ہدی شعراوی

[1] النور 63:24.

کے پیروکار ہیں۔ عورتوں کو حجاب کی پابندی سے ''آزادی'' دلانے والوں کی اکثریت اب اپنی قدیم آراء سے رجوع کر چکی ہے جن میں عورت کی عریانی، بے پردگی پر چھچھورے پن اور مردوں کے ساتھ بے ہنگم اختلاط کی دعوت تھی۔

تو دیکھئے یہ ڈاکٹر نوال سعداوی ہے جو پی ایچ ڈی کی حامل ہے جو عرصہ دراز تک حجاب اور حجاب اوڑھنے والیوں کے پر کرتی رہی ہے بلکہ پورے شدومد اور اصرار کے ساتھ حجاب اتار دینے کی داعیہ بھی رہی ہے، لیجیے تو دیکھئے کہ اب وہی مغرب میں عورت کی بے قدری اور اس کی شرمناک بے پردگی پر تنقید کر رہی ہے اور یوں کہتی ہے:

''میں لندن کی سڑکوں پر ہوں، میں عورتوں کو دیکھ رہی ہوں جیسے کہ بالکل برہنہ ہیں، یہ اپنے جسموں کو یوں پیش کر رہی ہیں جیسے سامان تجارت ہو، کپڑے تو ایک مقصد کے لیے ہوتے ہیں اور یہ مقصد ہے جسم کو طبعی عوامل سے بچائے رکھنا لہٰذا یہ ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ ترغیب اور اکساہٹ کے پیغامات ہی پیش کرتے رہیں، اگر عورت اپنے وجود کو صرف اسی نقطہ نظر سے دیکھے کہ وہ ایک انسان ہے کوئی سامان برائے فروخت تو نہیں ہے تو اسے عریاں اور برہنہ پھرنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔''[1]

مزید دیکھیں کہ یہ ہے مشہور و معروف ناول نگار احسان عبدالقدوس جس نے ادبی مارکیٹ کو اپنے ناولوں کی کثرت و بہتات سے بھرپور کر دیا ہے جن میں وہ عورت کو گھروں سے باہر نکلنے مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے اور محافل و مجالس اور شب بیداریوں میں ایک ساتھ رقص کرنے کی دعوتیں ہی پیش کرتا رہا ہے۔ وہ ایک انٹرویو میں جسے کویت کے جریدہ ''الأنباء'' نے اپنے 1989/1/18ء کے شمارے میں شائع کیا تھا، کہتا ہے: ''میں خیال کرتا ہوں کہ کسی بھی خاتون کی اصل ذمہ داری صرف گھر اور اولاد ہے۔ اور یہ خیال سب سے زیادہ مجھ ہی پر چسپاں ہوتا ہے، اگر میری بیوی نہ ہوتی تو میں خاندان، امن و امان اور کامیابی

---

[1] محلة المحتمع الكويتية شماره نمبر: 932.

کو پانے کی طاقت نہ پاتا، کیونکہ میری بیوی نے خود کو گھر اور اولاد کے لیے وقف کر دیا ہے۔''
اسی انٹرویو میں وہ یہ بھی کہتا ہے: ''مجھے اپنی زندگی میں مطلق طور پر بالکل یہ تمنا نہ تھی کہ میں کسی کام کرنے والی خاتون سے شادی کروں گا کیونکہ میں ابتدا ہی سے اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ گھر اور گھریلو ذمہ داری عورت کے لیے انتہائی اہم ہے۔''

وہ آزادانہ اختلاط نہیں کرتی

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنی استطاعت کے مطابق مردوں سے آزادانہ اختلاط کرنے سے اجتناب کرتی ہے، ایسی کوئی کوشش کرتی ہے نہ اس کی جرأت کرتی ہے، وہ اس سلسلے میں سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، امہات المومنین، سلف صالحین، تابعین عظام اور ان کی پیروی کرنے والوں کے راستے پر گامزن رہنے والوں کی بیویوں کی سیرت پر چلتی ہے۔

دانشمند مسلمان خاتون پر اس آزادانہ اختلاط کے دونوں جنسوں پر لاحق ہونے والے خطرناک نقصانات مخفی نہیں ہیں، ان اہل مغرب نے ان نقصانات کا مشاہدہ کیا ہے جو وسیع پیمانے پر سطح تعلیم کی درجہ بندی کرنے میں باقاعدہ تجربات کرتے رہے ہیں، تو انھوں نے بہت سی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں لڑکیوں کو نوجوان لڑکوں سے الگ رکھنے کا پروگرام بنایا۔ بہت سے بڑے بڑے تربیت دینے والے مسلمان سکالرز نے اس علیحدگی کا بچشم خود مشاہدہ بھی کیا ہے جو یورپ، امریکہ اور اس کی ریاستوں کا دورہ کر کے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک ماہر تعلیم و تربیت پروفیسر احمد مظہر العظمہ ہیں جنہیں ملک شام کی وزارت تعلیم و تربیت نے بلجیم میں ایک معلوماتی اور علمی سفر کے لیے ایک وفد میں روانہ کیا تھا۔ وہاں انھوں نے بلجیم کے مدارس اور سکولز کا وزٹ (VISIT) کیا، ایک پرائمری سطح کے لڑکیوں کے سکول کے معائنے کے دوران میں انھوں نے سکول کی پرنسپل سے سوال کیا آپ اس مرحلہ میں لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کو مخلوط کیوں نہیں کر رہے؟ تو اس نے یوں جواب دیا تھا: ہم نے

بچوں کے اس ابتدائی اسٹیج پر اختلاط کے خطرناک اثرات کا مشاہدہ کرلیا ہے۔

روس میں اس نظریے کے سلسلے میں خبریں یہاں تک آ رہی ہیں کہ انھوں نے الگ یونیورسٹیاں اور ان کی ذیلی شاخیں قائم کر لی ہیں، جن میں طلبہ و طالبات کو ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ علیحدہ تعلیم دی جاتی ہے۔

جبکہ امریکہ میں 170 سے زائد یونیورسٹی کی ایسی ذیلی شاخیں قائم کردی گئی ہیں جن میں طلباء و طالبات سے مل جل نہیں سکتے، کیونکہ ان یونیورسٹیوں کے نگرانوں اور تربیت دینے والوں نے اس مخلوط تعلیم کے تباہ کن نتائج معاشرتی سطح پر دیکھ لیے ہیں۔

پورے عالم میں اس آزادانہ اختلاط کے مضرات ونقصانات کے شواہد اس قدر بکثرت ہیں جو احاطہ شمار میں نہیں لائے جاسکتے۔ لیکن یہ ساری باتیں اسلام کی حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ جس نے آزادانہ اختلاط کو ختم کر کے مسلم معاشرے کو اسلامی ہدایات کا پابند بنا کر ہر قسم کے تخریبی اور مضر اثرات سے محفوظ کر دیا ہے۔

غیر محرموں سے مصافحہ نہیں کرتی

یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسلمان خاتون کو غیر محرم مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے کی اجازت نہیں، تو وہ کسی غیر محرم مرد سے مصافحہ بھی نہیں کرے گی۔ اس ضمن میں وہ رسول اکرم ﷺ کے قول وفعل کی پیروی کرنے کو اختیار کرے گی، جس طرح کہ امام بخاری ؒ نے ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ مومن عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوتیں تو آپ فرمان باری تعالیٰ:

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو......۔"[1]

کے ساتھ ان کا امتحان لیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں، ایمان دار خواتین میں سے جونسی عورت اس شرط کا اقرار کرلیتی، وہ شرعی بیعت کا اقرار کرلیتی تھی۔ جب عورتیں اپنی

---

[1] الممتحنة 10:60 .

زبان سے ان باتوں کا اقرار کر لیتیں تو آپ انھیں یوں فرماتے:

[اِنْطَلِقْنَ فَقَدْ بَایَعْتُکُنَّ]

''چلی جاؤ، بلاشبہ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے۔''

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، آپ تو صرف ان سے کلام و گفتگو کے ذریعے سے بیعت لیتے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے صرف وہی اقرار لیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔ جب آپ ان سے یہ قول و قرار لے لیتے تو آپ ان سے یہ فرمایا کرتے:

[قَدْ بَایَعْتُکُنَّ کَلَامًا]

''میں نے تم سے بذریعہ گفتگو بیعت لے لی ہے۔''[1]

وہ بغیر محرم کے سفر نہیں کرتی

اسلامی احکام کی رُو سے مسلمان خاتون کسی محرم کی معیت کے بغیر سفر اختیار نہ کرے، یہ اس لیے کہ سفر مشقت سے خالی نہیں ہے بلکہ یہ خطرات اور مشکلات سے گھرا اور بھرا ہوتا ہے اور عورت کے لیے اس طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہونا مناسب نہیں ہوتا جبکہ محرم کی موجودگی اس کی مشکلات اور صعوبتوں کا بوجھ ہلکا کر دیتی ہے اور پیش آمدہ خطرات سے بچاتی ہے۔ اسی لیے نبوی ہدایت اسے محرم کے بغیر اکیلے سفر کرنے سے روک رہی ہے، اور یہ بات متواتر، اور متعدد الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

[لَاتُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ]

''عورت تین دنوں کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔''[2]

---

① صحیح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشرکة أو النصرانیة تحت......، حدیث: 5288، وصحیح مسلم، الإمارة، باب کیفیة بیعة النساء، حدیث: 1866. ② صحیح البخاري، تقصیر الصلاة، باب في کم یقصر الصلاة، حدیث: 1086، وصحیح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلی الحج و غیره، حدیث: 1338.

اور صحیح مسلم میں ہے:

[لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ]

''اس عورت کے لیے حلال نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین راتوں کا سفر کرے مگر اس کے ہمراہ کوئی محرم ہو۔''[1]

قضاء وقدر پر راضی رہتی ہے

یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے کہ مسلمان خاتون اپنے رب کے امر کی اطاعت شعار قضاء و قدر پر مکمل اظہار رضا مندی کرنے والی ہو اور یہ اس لیے کہ قضاء وقدر پر رضا مند رہنا انسان میں صلاح تقویٰ اطاعت اور ایمان کی بڑی بڑی علامات میں سے ہے، بنابریں سمجھدار اپنے دین کی راہنمائی میں چلنے والی مسلمان خاتون اپنی زندگی میں وارد ہونے والی ہر خیر وشر میں ہمیشہ رضا مندی پر قائم رہتی ہے، جس میں اس کے لیے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، جس طرح کہ رسول رحمت ﷺ نے اسے بیان فرمایا ہے:

[عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُسْلِمِ ! إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ]

''مسلمان کا معاملہ بھی عجیب تر ہے! اس کا معاملہ تو سراسر خیر ہی خیر ہے، اور یہ سوائے مومن کے کسی دوسرے کے لیے نہیں ہے، اگر اسے خوشی پہنچے تو وہ شکر بجا لاتا ہے، تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے، اور اگر اسے تکلیف اور گزند پہنچے تو اظہار صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم، حديث :(414)-1338 . [2] صحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث : 2999 .

بلاشبہ مسلمان خاتون اپنے دل کی گہرائی سے یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ اس زندگی میں اسے جو بھی مصیبت لاحق ہو رہی ہے وہ اس سے کسی صورت بھی خطا نہیں ہو سکتی اور جو اس سے خطا ہو رہی ہے وہ اسے کبھی لاحق نہیں ہو سکتی اور ہر چیز فیصلے اور اندازے کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سبھی امور و معاملات خیر ہی خیر ہیں، اگر اسے کوئی خوشی ملتی ہے تو اس کی زبان عطا کنندہ منعم حقیقی کے لیے شکریے میں مگن ہو جاتی ہے تو اس طرح وہ شکر گزار بندیوں اور اطاعت گزار خواتین میں سے بن جاتی ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف لاحق ہوتی تو وہ صبر کرتی ہے تو اس طرح وہ صبر کا دامن تھامنے والیوں اور کامیاب و کامران ہونے والیوں میں سے ہو جاتی ہے۔

اس گہرے مضبوط ایمان کی بدولت ہی مسلمان خاتون صدموں پریشانیوں اور ہولناک واقعات کو برداشت کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی رہتے ہوئے خندہ پیشانی سے انھیں قبول کر لیتی ہے اور صبر و صلاۃ اور حصول ثواب کی نیت سے مدد الٰہی حاصل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر اس کی زبان شکر الٰہی کے کلمات ادا کرتی ہے جس طرح سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے چار جگر گوشوں کی شہادت کی خبر سن کر یوں کہا تھا:

[اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِي شَرَّفَنِي بِاسْتِشْهَادِهِمْ وَأَرْجُو أَنْ يَّجْمَعَنِيَ اللّٰهُ بِهِمْ فِي مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِهِ]

''سب ستائش وتعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے انھیں شہادت کے مرتبے پر فائز فرمایا ہے اور میں اس امر کی امیدوار ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ اپنے سایۂ رحمت میں جمع فرمائے گا۔''[1]

یا وہ اپنی جائے نماز کی جانب لپکتی ہے کیونکہ وہ صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد الٰہی طلب کرتی ہے جس طرح کہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے مصیبتوں پریشانیوں اور اندوہناک واقعات کے پیہم آنے پر کیا تھا، انھوں نے اپنے پہلے خاوند جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو گم پایا،

---

[1] الإصابة: 8/66، 67، وأسد الغابة: 5/442 .

پھر انھوں نے اپنے دوسرے خاوند سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا صدمہ برداشت کیا، پھر محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنے جگر گوشے کی جدائی کا غم بھی سہا۔

خنساء اور اسماء جیسی مستورات مسلمان اور ایمان دار خاتون کی تاریخ میں جو ثواب کی نیت رکھنے والی اور صبر کا دامن تھام کر رکھنے والی ہیں، بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان کا اجر کثیر بلا حساب عطا فرمائے:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔''[1]

وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھتی ہے

کبھی کبھار مسلمان خاتون کے دل پر غفلت کا کوئی پردہ بھی آ جاتا ہے، جس کے باعث اس کا قدم پھسل جاتا ہے یا اپنے پروردگار کے حکم کی بجا آوری میں کبھی کوئی سستی، کوتاہی اور تاخیر اسے لاحق ہو جاتی ہے، جو کسی طور بھی ایک بیدار مغز سمجھدار مسلمان خاتون کے شایان شان نہیں ہوتی، تو پھر وہ اپنی اس غفلت اور مدہوشی میں پڑی نہیں رہتی بلکہ وہ بہت جلد خبر دار ہو جاتی اور اپنی غفلت سے بیدار ہو جاتی ہے، اور اپنی کوتاہی اور تقصیر پر معافی کی طلب گار بنتی ہے، پھر سے وہ اپنی ایمانی چمک دمک نفس کی دھلائی اور اپنی دینی حرارت کی جانب پلٹ آتی ہے۔ استغفار کرتی توبہ کا دامن تھامتی اور اپنے امن دینے والے پروردگار کی حمایت کی طرف لوٹ کر آنے والی بن جاتی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾

''یقیناً جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ لیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر یکا یک سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں۔''[2]

---

[1] الزمر 39:10۔ [2] الأعراف 7:201۔

غفلت اس دل کو زنگ آلود نہیں کر سکتی جس میں ایمان کی چمک جذب ہوتی ہے بلکہ صرف ان دلوں کو زنگ آلود کرتی ہے جن میں غفلت، لغزش، فسق اور نافرمانی کے اثرات سرایت شدہ ہوتے ہیں۔ بیدار اور حاضر باش مسلمان خاتون کا دل تو ہمیشہ ہدایت، اطاعت اور انابت کو پانے کے لیے بے تاب رہتا ہے اور توبہ اور معافی کی بادِ نسیم سے تروتازہ رہتا ہے۔

اپنے افراد خانہ کی بابت اپنی ذمہ داری کو سمجھتی ہے

اللہ تعالیٰ کے حضور مسلمان خاتون کی مسئولیت مرد کی مسئولیت سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے، بلکہ مرد کی نسبت عورت کی مسئولیت تو بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے ان بچوں کی زندگی کے مخفی گوشوں کو بھی اچھی طرح جانتی ہوتی ہے جو طویل عرصے تک اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور بسا اوقات وہ ان امور مخفیہ سے بھی واقف کار ہوتی ہیں جنھیں باپ بالکل نہیں جانتا ہوتا۔ اور مسلمان خاتون اپنی اس مسئولیت کو اس وقت بڑی اچھی طرح سمجھ لیتی ہے جب مندرجہ ذیل فرمان اس کے کانوں سے ٹکراتا ہے:

> ”تم سبھی نگران ہو، اور تم سبھی اپنی اپنی رعیت کی بابت مسئول ہو۔ امام نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے متعلق جواب دہ ہے، اور آدمی (خاوند) اپنے اہل خانہ کا نگران ہے اور اپنی رعیت کی بابت مسئول ہے اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کے متعلق پوچھی جائے گی اور خادم اپنے مالک کے مال میں نگران ہے اور اپنی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا، (قصہ مختصر) تم سبھی نگران ہو اور سبھی اپنی اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔“[1]

اگر اس کے افراد خاندان میں سے کسی فرد کی سیرت و کردار میں کوئی انحراف پایا جائے تو وہ اس کی تلافی کر لیتی ہے جو کسی فرد کی طرف سے اسے لاحق ہوتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث: 893، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل، حديث: 1829.

ہے کہ کوئی بھی عورت کسی انحراف یا کمی یا کوتاہی یا سستی پر خاموش نہیں رہتی جسے وہ اپنے گھر یا خاندان میں پاتی ہے وگرنہ اس کے دین میں کمی اس کی شخصیت میں ضعف اور اس کی سمجھداری میں قصور ہوگا۔

اس کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے

راست باز مسلمان خاتون ہمیشہ اپنے اعمال میں رضائے الٰہی ہی کی مشتاق رہتی ہے اور اپنے اعمال کو اسی ترازو سے تولتی رہتی ہے۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہوا سے بجالاتی ہے۔ اور جس کام سے وہ ناراض ہوتا ہو اس سے اعراض کرتی اور اسے ناپسند کرتی ہے۔ اور جس وقت لوگوں کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے درمیان تعارض رونما ہوجائے تو وہ بلا تردد، بلا تامل اور بغیر کسی جھگڑے کے رضائے الٰہی کی جانب کو اختیار کر لیتی ہے، خواہ لوگ اس پر خفا ہی ہوتے ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی گہری اسلامی سوچ اور اپنی لطیف حساسیت سے اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ لوگوں کی رضا مندی ایک ایسی غایت ہے جو پائی نہیں جاسکتی، البتہ اس کے چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی تک ضرور لے جائے گی، اس پوری صورت حال میں وہ رسول حکیم ﷺ کی سیرت سے فیض یاب ہوتی ہے:

[مَنِ الْتَمَسَ رِضَآءَ اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَآءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ]

''جو شخص لوگوں کی ناراضی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا متلاشی رہے گا، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکلیف سے کافی ہوجائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ لوگوں کی رضا مندی کا جو یا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد ہی کر دے گا۔''[1]

بلاشبہ وہ خواتین جنھیں ہم جائے نماز میں خشوع کرنے والیاں دیکھتے ہیں لیکن اپنی نفسانی

---

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب: 64، حديث: 2414 .

خواہشوں کے سامنے اکثر مقامات میں وہ من مانی کرتی رہتی ہیں، وہ حق سے ہٹ جاتی ہیں، ان کی زبانیں مجلسوں میں غیبت چغلی اور لوگوں پر جرح کرنے میں روانی سے چلتی ہیں۔ اور جن لوگوں کو وہ ناپسند کرتی ہیں ان کے خلاف خفیہ تدابیر اور حیلے سازیاں کرتی ہیں۔ ان کے بارے میں زبان طعن اور زبان غیبت جاری رکھنے کے لیے خودساختہ تاویلیں کرتی رہتی ہیں، تو ایسی خواتین اپنے دین میں خلل اور شگاف، اپنے عقیدے میں ضعف اور اپنے تصور میں قصور والی ہوتی ہیں اور وہ اس طریق عمل سے اس کامل اور اکمل دین کی حقیقت و صداقت میں، جسے اللہ تعالیٰ نے تمام جہتوں سے انسانی شخصیت کی مکمل نگہداشت کرنے کے لیے اتارا ہے۔ نقائص و عیوب کی موجودگی کا اشارہ دینے والی ہوتی ہیں وہ اس طرح کہ اس دین کے خصوصی اور عمومی تمام پہلو اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے رکھے گئے ہیں اور انسان کی شخصیت کو اس اسلام کی ہدایت سے مطابق رکھنے کے لیے اور اس کے سلوک و کردار کو اس نہج پر چلانے کے لیے ہیں جنھیں اسلام نے انسان کو اپنی اس زندگی میں اپنانے کی ترغیب دی ہے۔ رہی وہ عورتیں جو ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار بنتی ہیں اور ایک کام میں اس کی نافرمانی کرتی ہیں اور وہ اپنے تصرفات و معمولات کو یا اپنے کچھ امور کو اپنے خواہش نفسانی کے ترازو سے تولتی ہیں، تو ایسی خواتین آدھی مسلمان بنتی ہیں اور یہ وہ دوہرا معیار ہے جس میں اپنے دین کی ہدایت اور عقیدے کی رہنمائی سے پیچھے رہنے والی خاتون مبتلا ہے اور یہ کردار اخلاق کی بیماریوں میں سے سب سے خطرناک بیماری ہے جس میں دور حاضر کا انسان مبتلا ہے۔

وہ عبودیت کی حقیقت سمجھتی ہے

مسلمان خاتون جو اسلامی تعلیمات کو سمجھنے والی ہے وہ اس امر پر پختہ ایمان رکھتی ہے کہ اسے اس دنیوی زندگی میں ایک عظیم مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہے، جسے اللہ رب العزت نے اپنے اس فرمان اقدس میں یوں محدود کر دیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''[1]

تو ایک ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کی نظر میں زندگی صرف روزمرہ کے مروجہ اور مانوس اعمال کی انجام دہی میں وقت گزارنے کا اور زندگی کی اچھائیوں اور زینتوں سے لطف اندوز ہونے کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی تو ایک پیغام ہے، جو ہر ایک ایمان والے کے ذمے ہے کہ اسے اس حالت میں گزارے کہ جس میں اس کی عبادت فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت رہے۔ اور یہی وہ حالت اور صورت ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں یہ نیت برقرار رکھے کیونکہ اسلام میں تمام اعمال نیتوں پر ہی محصور اور موقوف ہیں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اسے تاکیداً بیان کیا ہے:

''بلاشبہ اعمال نیتوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور ہر مرد کے لیے وہی کچھ ہوگا جس کی اس نے نیت کی ہوگی جس آدمی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہو کہ وہ اسے پا لے یا کسی خاتون کے لیے ہو کہ وہ اس سے نکاح کر لے، تو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔''[2]

مسلمان خاتون یہ استطاعت پاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی عبادت الٰہی میں رہے، وہ اپنے سب کام کاج یوں کرے گویا کہ وہ کسی سفری عبادت خانے میں مسلسل محو عبادت ہے وہ اس طرح کہ جب تک وہ اپنی نیت کے ساتھ اپنی زندگی کے مقصد کو ادا کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے گی جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رہنے کا ارادہ فرمایا ہے بلاشبہ وہ عمل عبادت میں ہوگی جبکہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنے والی رہے گی اور اپنے

---

[1] الذاريات 51:56. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كانت بدء الوحي، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: (إنما الأعمال بالنية، حديث: 1907.

خاوند کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی رہے گی اور اپنی اولاد کی نگہداشت کرتی ہوگی اور اپنے گھریلو امور کو سرانجام دیتی ہوگی اور صلہ رحمی کرتی ہوگی...... جب تک وہ اپنے سب معاملات کو حکم الٰہی سمجھ کر پورا کرتے ہوئے کرنے والی ہوگی اور ان کی انجام دہی میں اپنی عبادت کی نیت رکھتی ہوگی۔

دین الٰہی کی نصرت میں کوشاں رہتی ہے

بلاشبہ عبادت گزاری کے اعمال میں سے سب سے اہم ترین عمل جس کا مسلمان خاتون اہتمام کرتی ہے وہ ہے عملی زندگی میں دین الٰہی کی نصرت کرنا اور انفرادی، خاندانی معاشرتی، اور ملکی زندگی میں اس عمل کی صحیح تطبیق پیدا کرنا۔

دور اول کی مسلمان خاتون نے اس حقیقت کا کامل وعمیق ادارک کر لیا تھا جو اس کے نفس کے رگ وریشے میں سرایت کیے ہوئے نظر آتا ہے اور وہ فی سبیل اللہ جرأت دکھانے، ایثار قربانی پیش کرنے اور دفاع کا جذبہ دکھانے میں مردوں سے کسی طور پیچھے نظر نہیں آتی بلکہ اس امت کی سلف صالحات میں بعض خواتین تو ایسی بھی دکھائی دیتی ہیں جو مذکورہ میدانوں میں مردوں سے بھی فائق ہیں۔

یہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں جو اپنے خاوند کے ہمراہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے میں تیز رفتار نظر آتی ہیں۔ اسلام کے ان ابتدائی ایام میں جو شدت وکرب اور تنگی وابتلاء کے ایام تھے، اور وہ اپنے شوہر کی معیت میں ہجرت حبشہ کے لیے کمر بستہ ہو جاتی ہے جبکہ اس ہجرت میں صعوبتیں مشقتیں اور خطرات ہی خطرات تھے، لیکن اس خاتون نے ان تمام مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں فی سبیل اللہ جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے اور دین الٰہی کی نصرت وتائید میں برداشت کیا تھا۔ ایک بار جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ سے ازراہ مذاح یوں کہا: اری حبشن! ہم تم سے ہجرت کرنے میں سبقت لے گئے ہیں تو اس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے بجا فرمایا ہے۔ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکے کو کھلاتے اور تمہارے جاہل کو

سکھاتے تھے جبکہ ہم دور دراز اور جلاوطن ہی تھے۔ البتہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہو کر یہ ضرور عرض کروں گی۔ چنانچہ وہ نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں عرض پرداز ہوئیں: اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلکہ تمہاری تو دو ہجرتیں ہیں، تم نے سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت کی ہے جبکہ ہم مکہ ہی میں رہے تھے، پھر تم نے بعد ازاں میری طرف (مدینہ میں) ہجرت کی۔[1]

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی جانب اول اول ہجرت کرنے والوں کی فضیلت پر حجت قائم کر کے بڑا احسن اقدام کر دیا ہے اور انھوں نے اس باعزت و باوقار گروہ کے لیے رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے دو ہجرتوں کی فضیلت والا بلند مرتبہ حاصل کر لیا ہے، بلاشبہ رسول کریم ﷺ کی نصرت و حمایت میں اور راہ پروردگار میں اپنے اہل و عیال، گھر بار اور وطن کو چھوڑنے میں پیش قدمی کرنے اور سبقت لے جانے میں ان کے لیے یہ بڑا ہی بلند ترین مرتبہ اور عالی شان اعزاز ہے۔

اور اس بیعت عقبہ میں جو رات کی تاریکی کے پردوں میں بڑی راز داری سے پوری ہوئی تھی، اور نصرت رسول ﷺ میں اس بیعت کا نہایت ہی زبردست اثر ہے کوئی بھی مسلمان خاتون اس سے غائب نہ تھی، اس موقع پر انصار کے وفد میں دو صاحب رائے اور صاحب فضل خواتین موجود تھیں: ایک نسیبہ بنت کعب مازنیہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ام منیع اسماء بنت عمرو سلیمہ رضی اللہ عنہا یعنی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی والدہ[2] جو غزوہ بدر میں رسول مکرم ﷺ کے ساتھ موجود تھیں۔

تو جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا علانیہ اظہار کیا، توحید خالص کی دعوت پیش فرمائی، بتوں کی پرستش کو چھوڑنے کا اظہار کیا تو مشرکین نے دلوں میں گھٹن محسوس کی، چنانچہ

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4230، 4231 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن أبي طالب واسماء بنت عميس رضي الله عنهما حديث: 2502، 2503. ② مسند أحمد: 3/460-462.

انھوں نے آپ ﷺ کو آپ کے اندرون خانہ قتل کرنے کا مشورہ پاس کیا۔ ان سازشیوں نے اس مشورے کو باہم چھپائے رکھنے پر معاہدے کیے، قول اقرار لیے کہ قتل نبی کا مشورہ صرف انہی میں راز رہے۔ اس سازش کی ماسوائے ایک مسلمان خاتون کے کسی نے بھی کوئی جانچ پڑتال نہ کی جس نے سیکڑوں لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا اور وہ تھی ''رقیقہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا'' اس کے بڑھاپے اور اس کی ضعیفی نے اسے بیٹھنے نہ دیا، کہیں ان کی سازش رسول اللہ ﷺ پر کارگر ہونے میں سبقت لے نہ جائے۔ اس خاتون نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا اور نبی مکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قوم کی گفتگو سے آپ کو آگاہ فرمایا، تب نبی کریم ﷺ نے فی الفور ہجرت کے لیے رخت سفر باندھا اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے اپنے محبوب ترین شہر کو چھوڑنے کا ارادہ فرمالیا، اپنے برادرِ عم زاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سوتے چھوڑ کر جانے کا قصد فرمالیا تاکہ سازشیوں، گھات میں بیٹھنے والوں اور گھر کا محاصرہ کرنے والوں کو یہ وہم وخیال ہو کہ آپ گھر ہی میں ہیں، تاکہ آپ انھیں اپنی تلاش سے روک سکیں اور راستے میں بے خبری سے گرفت کرنے سے باز رکھ سکیں۔[1]

تو اس عظیم خاتون نے اسلام اور مسلمانوں کی کس قدر عظیم خدمت سرانجام دی ہے؟ اور کتنا عظیم جہاد کیا ہے؟ اس خاتون مسلم نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کو بچانے کے لیے کتنے کھٹن حالات میں یہ خدمت سرانجام دی ہے۔ کتنے خطرناک حالات میں اس نے اپنی جان کو ڈال دیا ہے، جن کا اس بہادر خاتون نے کچھ بھی خیال نہیں کیا، اسی خاتون کی خدمت کی بنا پر آپ ﷺ کی دعوت مبارکہ آئندہ جاری و ساری رہی ہے۔

تو جونہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفیق سفر نے مکہ خیر باد کہا اور جبلِ ثور کی چوٹی پر موجود غار میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بیٹھے تو آپ کی خورونوش کا سامان مہیا کرنے والی اور گھات میں چلنے پھرنے والوں کی خبروں کو آپ تک پہنچانے والی ایک نوخیز بچی ہی تھی اور وہ تھی سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا۔

---

[1] الطبقات لابن سعد: 35/7، والإصابة: 83/8.

یہ نوجوان مسلمان بچی مکہ مکرمہ اور جبل ثور کے درمیانی سفر کو ظلمت شب میں تن تنہا طے کرتی تھی، راستے کی دہشت، راہ کی دشواری اور دشمنوں کی گھات نشینی اس کو اپنے مشن سے بالکل نہ ہٹا سکی، کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفیق سفر کو بچانے میں، انھیں مقصد میں کامیاب کرانے میں اور انھیں دار الہجرت تک پہنچانے میں دین الٰہی کی نصرت اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی اور لشکر حق کی خدمت گزاری ہے، اسی لیے تو وہ روزانہ اس مشکل ترین مشن کو سرانجام دیتی رہی ہے، انتہائی حاضر دماغی اور ہوشیاری سے چھپتے چھپاتے پیدل سفر کیا کرتی رہی، پہاڑ کی چوٹی پر جاتی رہی ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے یار غار تک خورد ونوش کا سامان اور قوم کی خبریں پہنچا کر دم لیتی، پھر رات کی اتھاہ ظلمتوں میں مکہ مکرمہ کی جانب بھی پلٹ کر آتی رہی۔ ①

جس مشن کو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اس جانفشانی سے پورا کیا ہے ایسا مشن ہے کہ جس سے بڑے بڑے حوصلہ مند مرد حضرات بھی عاجز رہ جاتے اور انھوں نے فقط اپنے دینی جذبے سے اور اس دین کے رسول نصرت وحمایت میں اس خدمت کو دل وجان سے قبول کیا بلکہ اس کٹھن راستے میں بہت سے مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، جس میں آپ نے بلند ترین پہاڑوں کی سی استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ذرا وہ دن بھی تصور میں لایئے جس دن مشرکین مکہ نے آپ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور وہ آپ سے آپ کے والد بزرگوار کی بابت پوچھ گچھ کر رہے تھے لیکن آپ نے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور خود کو پورے واقعے سے بے خبر اور ناآشنا بتایا تھا، لیکن انھوں نے آپ سے انتہا کی سختی اور درشتی کا معاملہ کیا۔ ابوجہل نے آپ کے رخ انور پر ایسا طمانچہ مارا کہ آپ کے کان سے بالی ہی اڑ گئی تھی۔ ②

لیکن اس کے باوجود آپ کی عزیمت وپامردی میں کوئی کمی رونما نہ ہوئی تھی اور اس مخفی راز کی نگہداشت کرنے میں آپ کے عزم میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہ ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا اس

① سیرت ابن ھشام، باب مدینہ کی جانب ہجرت. ② سیرة ابن هشام، ص: 225.

مشن کی تکمیل میں اس وقت تک بدستور ثابت قدم رہیں جب تک کہ رسول مکرم ﷺ اور آپ کے رفیق سفر ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کو چھوڑ کر مقررہ دن میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ نہ ہو گئے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہی کو ''ذات النطاقین'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے والد محترم کے لیے غار ثور کی طرف سفر کرنے والی رات کو کھانا تیار کیا تھا، تو جب آپ نے کھانے کے سامان کو باندھنا چاہا تو باندھنے کے لیے سوائے اپنے کمر بند کے اور کچھ نہ پایا، تو آپ نے اپنے ابا جان سے عرض کی، تو انھوں نے فرمایا تھا اس کو دو حصوں میں تقسیم کر لے، ایک حصے سے زاد راہ کو باندھ دے اور دوسرے سے مشکیزے کو باندھ دے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا تھا، اس بنا پر آپ کا نام ''ذات النطاقین'' یعنی دو کمر بندوں اور دو پیٹیوں والی رکھا گیا۔ [1]

ابتدائے اسلام میں مسلمان خاتون کی عادت اور انداز یہی تھا کہ دین الٰہی کی نصرت کرتی اور اس کے قافلہ دعوت میں شرکت کرتی تھی۔ کیونکہ مسلمان خاتون کے قلب کو فقط ایمان ہی تر و تازگی اور جوش و روانی بخشتا تھا۔ وہ اسلام کی بشاشت، اس کی چمک دمک اس کی عالی ظرفی اور اس کی نورانیت سے دور رہتے ہوئے دیار کفر میں قیام پذیر رہنے کی طاقت نہ پاتی تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ...... اگر ان کے خاوند ہوتے تو...... ہجرت کر کے آ جاتی تھیں، اور بغرض ہجرت ان کا گھر بار چھوڑنا بالکل مردوں کی ہی مثل تھا وہ یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے اور اس کے دین کی نصرت کرتے ہوئے کیا کرتی تھیں۔

ادھر ایک ایسا مشترکہ مسئلہ تھا جس پر عورتیں مردوں کی مثل ایمان رکھتی تھیں اور اس راستے میں اسی طرح قربانیاں پیش کرتی تھیں جس طرح مرد حضرات قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ اور یہ ایمان ہی فقط ایسا واحد مسئلہ تھا جس نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کو تن تنہا صلح حدیبیہ کی مدت میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے پر ابھارا تھا، اور یہی وہ مدت

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3905-3907.

تھی جس میں رسول اکرم ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین معاہدہ طے پایا تھا کہ اگر کوئی اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے گا تو آپ اسے مشرکین کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ اور رسول مکرم ﷺ نے اپنے اس معاہدے کو پورا فرماتے ہوئے دو مردوں کو ان کی طرف واپس بھیج دیا تھا۔ لیکن ام کلثوم رضی اللہ عنہا جب مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو رسول اللہ ﷺ سے یوں عرض پرداز ہوئیں: میں اپنے دین کو بچا کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ مجھے اپنے پاس ہی رکھ لیں اور مجھے ان کے پاس واپس نہ بھیجیں۔ وہ مجھے آزمائش میں مبتلا کر دیں گے اور مجھے طرح طرح کی سزائیں دیں گے اور میں ان سزاؤں کو برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ میں تو صنف نازک ہوں اور صنف نازک کی کمزوری کو آپ بخوبی جانتے ہیں جبکہ میں دیکھ چکی ہوں کہ آپ نے دو مردوں کو واپس بھیج دیا ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ نَقَضَ الْعَهْدَ فِي النِّسَآءِ]

''اللہ عزوجل نے عورتوں کے معاملے میں اس معاہدے کو ختم فرما دیا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کو ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اور دیگر مہاجرات صحابیات کا ایمان معلوم تھا جنہیں محبت الٰہی، حُبّ رسول اور محبت اسلام کے سوا کسی دوسری چیز نے گھروں سے نہ نکالا تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی انھی کے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے جو تا قیام قیامت تلاوت کیا جاتا رہے گا اور جو اس معاہدے کو جو رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین تھا بالخصوص عورتوں کے متعلق اسے توڑ رہا ہے اور ایسی مہاجرات کو ان کا امتحان لینے کے بعد مشرکین کی طرف واپس بھیجنے سے منع کر رہا ہے اور اس حقیقت کو پرزور الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ یہ خواتین کسی شوہر، کسی مالی لالچ یا حصول دنیا کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکلی ہیں:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ

---

[1] أحكام النساء لابن الجوزي: 439، وصحيح البخاري، الشروط، باب مايجوز الشروط في الإسلام، حديث: 2711، 2712 مختصرًا، وسيرة ابن هشام، ص: 508.

أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لے لیا کرو۔ دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمھیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں۔''[1]

ایسی ہی صاحب فضیلت خواتین میں سے جو اسلام اور رسول کی نصرت میں سبقت لے جانے والی ہیں ایک ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں جو ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی دوسری خاتون ہیں کیونکہ یہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائی تھیں اور آپ رسول الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کی مددگار سہارا دینے والی اور آپ سے انس رکھنے والی تھیں۔

اور آپ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب کے بالکل بالمقابل کھڑی نظر آتی ہیں، یہ تو ایندھن اٹھانے والی تھی جس طرح کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسّی ہوگی۔ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی شدت کو ظاہر کر رہی ہیں، جبکہ سیدہ لبابہ ام الفضل رضی اللہ عنہا انھی مشقت اور تنگی کے ایام میں، جن سے اول اول مسلمان ہونے والوں کا گزر ہوا تھا، آپ کے دین کی نصرت میں آپ کے مددگاروں تائید کرنے والوں اور قربانیاں پیش کرنے والوں کی جماعت میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔

یہ خود ان کے خاوند سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اور ایک سوچے سمجھے پُر از حکمت پروگرام کے تحت اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے تاکہ

[1] الممتحنة 10:60 .

مشرکین کے رازوں سے شناسائی اور واقفیت حاصل کرتے رہیں اور انھیں رسول اکرم ﷺ تک پہنچاتے رہیں۔ جس وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معرکہ بدر ہوا اور قریش کی شکست خوردگی ہونے والی خوشی و مسرت کو چھپائے رکھنے کی تلقین فرمائی تھی، تا کہ مشرکین کے شر سے بچے رہیں بالخصوص ابولہب کے شر سے جو سیدنا محمد ﷺ کے متعلق اور آپ کے رفقاء واصحاب اور آپ کی دعوت و تبلیغ کے متعلق بغض، مکر اور ناپسندیدگی سے بھرپور رہتا تھا لیکن آپ کا غلام ابو رافع ابولہب کی گرفت سے نہ بچ سکا جب اس نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی پر اپنی معمولی سی فرحت و مسرت کا اظہار کر دیا تھا، تب ابولہب جوش غضب سے اچھلا اور اس نے اپنے جام غضب کو اس بیچارے غلام پر انڈیل دیا اور اس کی مالکہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے اسے مارنا شروع کر دیا۔

اس موقع پر ام الفضل رضی اللہ عنہا ایک شیرنی کی طرح جھپٹیں اور یوں بآواز بلند چلاتی ہوئی ابولہب پر پل پڑیں، کیا تو نے اسے بالکل کمزور سمجھتے ہوئے اپنی گرفت میں لے لیا ہے جبکہ اس کا آقا پاس موجود نہیں ہے؟ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے گھر سے ایک لٹھ پکڑ کر اس زور سے ابولہب کے سر پر دے ماری کہ ایک جان لیوا گہرا زخم پڑ گیا، جس کے بعد ابولہب سات راتوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔[1]

اسلام کی طرف سبقت لے جانے والی خواتین اور اسلام کی راہ میں طرح طرح کے آلام و مصائب کو برداشت کرنے والی اور اپنے تن من دھن کو اس کی راہ میں نچھاور کرنے والی خواتین میں سے ایک سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ جس وقت دھوپ میں تیزی اور شدت آجاتی اور صحرائے عرب کی ریت تپنے لگتی تو بنو مخزوم آپ کو آپ کے صاحبزادے اور آپ کے شوہر کو باہر کھلے چٹیل میدان میں لے آتے اور تپتی ہوئی ریت کو ان پر پورے زور سے ڈالتے اور گرم زرہیں انھیں پہناتے اور انھیں سخت ترین پتھروں پر پٹختے حتی کہ آپ کا صاحبزادہ اور آپ کا خاوندان کے عذاب شدید سے ایسے کلمہ کو

---

① سیرة ابن هشام، ص : 310 .

فدیہ بنا لیتے جو مشرکین سے موافقت پاتا ہوتا، یہ بات وہ اکراہ و مجبوری کے ساتھ بولتے تھے ان دونوں اور ان جیسے دیگر حضرات کے بارے ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا تھا:

﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾

''بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔''[1]

لیکن سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا نے صبر کا دامن تھام کر رکھا اور آپ نے مشرکین کو کسی بھی بات سے راضی کرنے سے انکار کیا بالآخر ابو جہل کی کمینگی کا نشانہ بنیں کہ اس نے آپ کے ایک نیزہ مارا جس سے آپ کی روح پرواز کر گئی، آپ کو تاریخ نے اسلام کی ''اول شہید'' کے طور پر سنہرے حروف سے رقم کیا ہے۔[2]

تاریخ اسلام میں سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ایسی بہت سی خواتین بھی ہیں جنہوں نے نصرت اسلام میں آپ سے بھی بڑھ کر مصائب و آلام کو برداشت کیا ہے، ان کا عزم و حوصلہ کم ہوا اور نہ ہی کوئی سزا ان کے صبر و استقامت کی تیزی کو کند کر سکی بلکہ انھوں نے پیش آمدہ تمام تکالیف وصعوبتوں کو صبر کا دامن تھامتے ہوئے، راضی برضا رہتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کیا، بلکہ مسلمان خواتین میں سے اس منفرد قسم میں ایسی عورتیں بھی ملتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کی نصرت میں عذاب کو نہایت خوشگوار سمجھا کرتی تھیں اور وہ مسلسل دعوت اسلام میں مصروف و مشغول رہا کرتی تھیں اور اپنی دعوت کی راہ میں وارد ہونے والے کانٹوں دکھوں اور آزمائشوں کو کسی خاطر میں نہ لایا کرتی تھیں۔

سیدہ ام شریک القرشیہ العامریہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت فرمایا ہے، ان مستورات کے دل میں شعلۂ ایمان کی چمک دمک پر دعوت الی اللہ کی راہ میں ان کی تیز روی پر اور اس راہ میں لاحق ہونے والے عذاب، تکلیف اور تھکاوٹ پر

---

① النحل 106:16. ② سيرة ابن هشام، ص: 147، وطبقات ابن سعد: (264/8) ودلائل النبوة للبيهقي: 282/2.

ان کے دامن صبر تھامے رکھنے پر ایک زبردست شاہد موجود ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے دل میں جب اسلام سمایا تو اس وقت آپ مکہ مکرمہ میں تھیں، چنانچہ وہ مشرف بہ اسلام ہوگئیں، پھر آپ نے خفیہ طریق سے قریش کی خواتین کے پاس جانا شروع کر دیا۔ انھیں دعوت اسلام پیش کرنی اور انھیں دین اسلام کی ترغیب دینی شروع کر دی حتی کہ اہل مکہ کے سامنے ان کا یہ معاملہ ظاہر ہوگیا، انھوں نے آپ کو گرفتار کر لیا اور یوں کہنے لگے اگر تیری قوم برادری نہ ہوتی تو ہم تیرا یوں یوں حشر کر دیتے لیکن ہم اتنا ضرور کریں گے کہ تجھے تیری قوم کی طرف بھیج دیں گے۔''

سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ان لوگوں نے مجھے ایک اونٹ پر سوار کیا کہ میرے نیچے سوائے اونٹ کے کوئی دوسری چیز نہ تھی، پھر انھوں نے تین راتوں تک مجھے یونہی رکھا، نہ کچھ کھانے کو دیتے اور نہ ہی کوئی چیز پینے کو دیتے۔''

مزید فرماتی ہیں: ''مجھ پر یہ تین راتیں ایسی گزریں کہ میں زمین پر موجود کسی بھی چیز کے بارے میں کچھ نہ سنتی تھی۔ وہ لوگ ایسے تھے کہ جب کہیں پڑاؤ کرتے تو مجھے باندھ کر دھوپ میں پھینک دیتے اور خود سائے میں بیٹھتے اور کھانے پینے کی تمام چیزیں مجھ سے دور رکھتے حتی کہ وہاں سے کوچ کرتے......''

نصرت اسلام اور اس کی راہ میں ایثار و قربانی پیش کرنے میں مسلمان خاتون کی مذکورہ سچی مشارکت پر ہی بس نہیں بلکہ وہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ بہت سی لڑائیوں میں بھی شمولیت فرما چکی ہے۔ جب اسلامی سپاہ اور کفر کی فوجوں میں مسلح ٹکراؤ شروع ہوا تھا اس نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں، مثلاً: مشکیزوں کی تیاری، ان میں پانی بھرنا اور ڈھونا، غازیوں مجاہدوں کو پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور مقتولوں کو زمین معرکہ سے دور لے جانا وغیرہ۔ ان خواتین نے مشکل کی ان گھڑیوں میں اسلحہ اٹھانے اور جنگ کی ہولناکی میں کودنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ہمراہ کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی متعدد احادیث وارد ہیں جن سے خیر القرون میں مسلمان خاتون کی روشن اور صحیح تصویر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، جب مسلمان خاتون کے دل میں اسلام اپنی پوری آب و تاب، شگفتگی اور تازگی کے ساتھ اور اس کے رسول محبوب ﷺ کی محبت اور اس دین کے غلبے کے ساتھ موجزن تھا۔

ان احادیث مبارکہ میں سے ایک جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات غزوات میں شمولیت کی ہے، میں ان کے پیچھے خیموں میں رہتی تھی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کو دوا دارو دیتی اور بیماروں کی نگہداشت کرتی تھی۔''[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر غزوہ فرمایا کرتے اور جب آپ سفر جہاد پر روانہ ہوتے تو انصار کی کئی عورتیں بھی آپ کی ہمرکاب ہوتیں وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں: ''بلاشبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں کے درمیان اونی اور ریشمی چادریں تقسیم فرمائیں تو آخر میں ایک نہایت عمدہ ریشمی چادر بچ گئی، ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! یہ رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی کو عطا فرمادیں جو آپ کے پاس ہے...... اس کی مراد ام کلثوم بنت علی تھی۔[3]

تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ام سلیط اس کی سب سے زیادہ حقدار ہے اور ام سلیط رضی اللہ عنہا تو ان انصاری خواتین میں سے ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ سیدنا

---

① صحيح مسلم، الجهاد، باب النساء الغازيات، حديث : 1812. ② صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة النساء، حديث : 1810.

③ یعنی رسول اللہ ﷺ کی نواسی، اور یہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں، اس لیے تو انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کہا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے تب یہ بھی فرمایا تھا: ''یہ احد کے دن ہمارے لیے مشکیزے سلائی کرتی تھیں۔'' [1]

غزوۂ احد میں رسول کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا تھا اور آپ کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، آپ کا رخسار انور اور بالائی ہونٹ بھی زخمی ہوگیا، تب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے زخم کو دھوتی تھیں جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پانی بہاتے تھے۔ جس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی بہانے سے تو خون اور زیادہ بہہ رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلایا اور پھر اسے زخم پر چپکایا تو پھر خون تھما۔ [2]

اور ان خواتین میں سے جو غزوہ احد کے کٹھن وقت میں ثابت قدم رہی تھیں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی ہیں، جب آپ ایک نیزہ لیے کھڑی تھیں اور لوگوں کے چہروں پر مار رہی تھیں اور زبان سے یہ کہتی جا رہی تھیں تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کدھر بھاگے جا رہے ہو! تو جب رسول اکرم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کے صاحبزادے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ انھیں واپس بھیج دے، تاکہ وہ اپنے حقیقی بھائی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کہ نہ دیکھ لیں جن کا مثلہ ہو چکا تھا، تو وہ بولیں: کیوں؟ یقیناً مجھے قبل ازیں ہی اپنے بھائی کے مثلہ کیے جانے کی خبر مل چکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انتہائی قلیل عمل ہے، وہ ہم سے کس قدر چھوٹے سے عمل پر ہی راضی ہوگیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں بھی صبر کا دامن تھام کر رکھوں گی اور ضرور بالضرور اس سے ثواب کی امید رکھوں گی۔

غزوۂ احد کے روز نمایاں مجاہد خواتین میں سے بلکہ پوری مجاہدات کی جماعت میں سے سرفہرست سیدہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا ہیں معرکہ کی ابتدا میں یہ بھی دیگر خواتین کی طرح پیاسوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہی تھیں، جبکہ مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا لیکن جونہی تیر اندازوں کی رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت واقع ہوئی تو اس سے ان کی فتح

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزو، حديث:2881، والمغازي، باب ذكر أم سليط، حديث: 4071. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب ماأصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث: 4075، وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث: 1790 .

شکست میں بدل گئی تو وہ اس طرح ہو گئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ہے:

﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ ﴾

"جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمھیں تمھارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے......"[1]

سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا نے پیش قدمی کی اپنی تلوار سونتی، اپنی کمان سنبھالی اور اس مختصر سی جماعت میں جا شامل ہوئی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم تھی، جو کہ بمنزلہ ایک انسانی دیوار تھی جو مشرکین کے تیروں سے رسول الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا رہی تھی۔ جونہی کوئی خطرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھتا تو یہ بڑی سرعت کے ساتھ اس کو ہٹانے کے لیے اس طرف بڑھ جاتیں حتی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کی توجہ حاصل کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

"میں دائیں مڑا اور نہ بائیں مگر میں نے اسے اپنے سامنے لڑتے ہوئے ہی پایا۔"

مزید ایک وہ بات جو ان کے صاحبزادے سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ نے اس کٹھن مرحلے کی بابت بیان کی ہے: "اس روز میرا بایاں بازو زخمی ہو گیا۔ ایک ایسے آدمی نے مجھے مارا گویا کہ وہ کھجور کا لمبا درخت ہے، وہ مجھے مار کر آگے چل دیا اور میرے قریب ٹھہرا نہیں، میرا خون رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے زخم پر پٹی باندھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک میری ماں میرے پاس آ پہنچی، اس کی کمر اور پیٹ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، جو اس نے مرہم پٹی کرنے کے لیے تیار کر رکھی تھیں، چنانچہ اس نے میرے زخم کو باندھ دیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے، پھر میری ماں بولی "بیٹے اٹھو! اور قوم سے لڑو۔" نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

[وَمَنْ يُطِيقُ مَا تُطِيقِينَ يَا أُمَّ عُمَارَةَ؟]

"اے ام عمارہ! جتنی طاقت و حوصلہ تو رکھتی ہے اس قدر طاقت اور حوصلہ کون رکھتا ہے؟"

[1] آل عمران 153:3 .

فرماتی ہیں: پھر وہی آدمی آ نکلا جس نے میرے بیٹے کو مارا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے تیرے بیٹے کو مارا ہے۔ فرماتی ہیں: میں اس کے سامنے آ گئی اور میں نے اس کی پنڈلی پر وار کیا چنانچہ وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ فرماتی ہیں: تب میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے ہوئے دیکھا حتی کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں بھی دیکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ام عمارہ! تو نے انتقام لے لیا ہے۔''

فرماتی ہیں: پھر ہم اس کو مسلسل ہتھیاروں سے مارنے لگے حتی کہ ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھے کامیاب بنایا، جس نے تیری آنکھ کو تیرے دشمن سے ٹھنڈا کیا اور جس نے تیرے انتقام کو تیری آنکھوں کے سامنے ہی دکھلا دیا۔''

اس ہولناک دن میں سیدہ ام عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کا جسم زخموں سے چور ہو گیا لیکن پھر بھی وہ دشمنوں سے شمشیر زنی کر رہی اور ان کے سینوں پر وار کر رہی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کے صاحبزادے کو پکار کر کہا: اپنی ماں کی طرف جاؤ، اپنی ماں کی طرف جاؤ، اس کے زخم پر پٹی باندھو، تم اہل خانہ پر اللہ تعالیٰ برکت فرمائے، تیری ماں کا مقام و مرتبہ فلاں فلاں سے کہیں بہتر ہے۔ جونہی ان کی ماں نے زبان رسالت ﷺ سے یہ ارشاد سنا تو فوراً عرض پرداز ہوئیں: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرما دے، تب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

[اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ]

''الٰہی! انھیں جنت میں میرے رفیق بنا دے۔''

تو وہ کہنے لگیں: مجھے ان دنیاوی مصیبتوں اور زخموں پر چنداں پروا نہیں ہے۔[1]

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا سچا جہاد اور آپ کی بہترین کوششیں صرف غزوۂ احد تک ہی محدود

[1] غزوۂ احد کے واقعات، سیرت ابن ہشام، ص: 387 طبقات ابن سعد، الإصابة اور أسد الغابة وغیرہ کتابوں میں ہیں۔

نہیں ہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بیشتر معرکوں اور مقابلوں میں شمولیت کی ہے۔وہ آپ ﷺ کے ہمراہ بیعت عقبہ، حدیبیہ، خیبر اور حنین میں بھی شمولیت کر چکی ہیں، اور پھر غزوۂ حنین میں آپ کی بہادری اور جرأت و بسالت کارنامے شان وشوکت میں غزوہ احد سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہا نے عہد صدیقی میں جنگ یمامہ میں بھی شرکت کی تھی اور یہاں آپ نے بہترین جہادی کارنامے رقم کیے تھے، آپ کو گیارہ زخم آئے تھے اور آپ کا ایک ہاتھ بھی کٹ گیا تھا۔

اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ جسے رسول اللہ ﷺ جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاں کس درجہ عزت واحترام والی ہوں گی اور خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں کس مرتبہ وتکریم کی حامل ہوں گی۔ [1]

مسلمان مجاہد خاتون کی تاریخ کے اس حسین وجمیل دور میں ایک ایسی خاتون بھی موجود ہے جو عظمت مقام میں سیدہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے اور وہ ہیں سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا۔ہم اس عظیم خاتون کو سابقہ واقعات میں سیدہ ام عمارہ، ام المومنین سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ اور دیگر خواتین کے ہمراہ تو دیکھ چکے ہیں تو آیئے اب ہم اسے ایک دوسرے واقعہ میں دیکھتے ہیں۔ مسلمان رسول مکرم ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے لیے چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے، اور ان میں ان کے خاوند سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان ایام میں سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے حمل کے آخری مہینوں میں تھیں، لیکن آپ کے حمل نے آپ کو اپنے خاوند کے ہمراہ سفر کرنے کی رغبت اور اس پر مصمم ارادہ رکھنے سے بالکل نہیں روکا تاکہ آپ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف وفضل کو حاصل کر لیں، اس ضمن میں سفر کی مشقت، چلنے کی تھکاوٹ، راستے کی صعوبت، سواری کی تکلیف اور زندگی کی سختی کی آپ کو کچھ پروا نہیں تھی۔ جبکہ آپ کے خاوند کو مذکورہ تمام چیزوں کا آپ کے متعلق

[1] سير أعلام النبلاء: 281/2 .

خطرہ تھا، انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے اجازت لینے کو ضروری خیال کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں اجازت عطا فرمادی تو اس طرح سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے پیارے خاوند کی رفاقت میں سفر کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر پائیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح کی خوشیوں میں بھی شامل رہیں، انھوں نے دیکھا کہ شرک کے قلعے اور وثن پرستی کی بڑی بڑی پناہ گاہیں جزیرۂ عرب میں اس حال میں منہدم ہو رہی ہیں جو پھر کبھی لوٹ نہ سکیں گی، انھوں نے بتوں کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے زمین بوس ہو رہے تھے اور آپ ﷺ یوں پڑھتے جا رہے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾

''حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا، یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔''[1]

ان واقعات و مشاہدات نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے نفس کو ایمان سے معمور کر دیا تھا، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ میں ان کی پیش قدمی اور رغبت کو مزید فروزاں کر دیا تھا۔ ابھی صرف چند ایام ہی گزرنے پائے تھے کہ حنین کا وہ دن بھی پیش آ گیا جس میں مسلمان سختی سے ہلا دیے گئے تھے اور مسلمان پشتیں دکھاتے ہوئے پیچھے جا سمٹے تھے اور وہ کسی چیز کی طرف بھی نہیں مڑ رہے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ بھی دائیں طرف سمٹ چکے تھے۔ وہاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! کدھر؟ ادھر میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں'' رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مہاجرین و انصار اور آپ کے اہل بیت کے چند افراد کے سوا کوئی ثابت قدم نہ رہا تھا، اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر نامدار سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس گروہ میں شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا کہ اپنے وسطی بدن کو اپنی دھاری دار چادر سے باندھے ہوئے ہیں، اس وقت وہ اپنے بیٹے عبداللہ بن طلحہ سے حالت امید میں تھیں، اس وقت ان کے پاس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا، آپ کو اس امر کا اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اونٹ اس پر غالب ہی نہ آ جائے، اسی لیے آپ نے اس کے سر کو اپنے قریب تر کر رکھا تھا، آپ

[1] بني إسرآئيل 81:17.

نے اپنے ہاتھ کو اس کی لگام کے ساتھ بندھے ہوئے بالوں کو بھی مضبوطی سے تھاما ہوا تھا تاکہ وہ اونٹ ٹھہرا رہے اور بھاگنے والے اونٹوں میں شامل نہ ہو سکے، اس وقت رسول اللہ ﷺ اسے بآواز بلند پکار رہے تھے: اری ام سلیم! اور وہ یوں جواب میں عرض کر رہی تھیں: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔

اور صحیح مسلم میں یہ بھی موجود ہے: ''سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے غزوہ حنین کے دن ایک دن ایک خنجر پکڑا ہوا تھا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول! دیکھیں یہ ام سلیم ہیں اور ان کے پاس خنجر ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: یہ خنجر کیسا ہے؟ تو عرض پرداز ہوئیں: میں نے یہ اس لیے پکڑ رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر مسکرانے لگے۔ عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے رسول! یہ جو ہمارے بعد ایمان لانے والے نو مسلم ہیں جنہوں نے آپ کو شکست کا منہ دکھایا ہے انھیں بھی قتل کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: ''ام سلیم! اللہ تعالیٰ نے کام سنوار دیا ہے اور انجام بہتر بنا دیا ہے۔''①

یقیناً ام سلیم رضی اللہ عنہا اس شدت سختی اور تنگی کے عالم میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ثابت قدم رہیں جبکہ جنگ زوروں پر تھی اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور مردوں میں سے جنگجو اور بڑے بڑے زور آور بھی ہل چکے تھے۔ اس جری خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو میدان میں چھوڑ کر شکست خوردہ لوگوں کو دیکھنے کی طاقت بھی نہ پائی بلکہ آپ سے یوں عرض کرتی ہیں: آپ ان کو قتل کر دیں جنہوں نے آپ کو شکست سے دوچار کر دیا ہے...... لہٰذا اس امر پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں جسے امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں، فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''میں نے دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں رمیصاء

① صحیح مسلم، الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث: 1809

بنت ملحان۔ [1] یعنی ابوطلحہ کی بیوی کو دیکھ رہا ہوں......۔''[2]

رسول اللہ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر جایا کرتے تھے اور اسی طرح ان کی حقیقی بہن سیدہ ام حرام بنت ملحان کے گھر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جس طرح آپ ﷺ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو جنت کی بشارت دی ہے بالکل اسی طرح آپ ﷺ نے ان کی بہن سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے سمندر کے درمیان سواری کرنے کی بشارت دی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ بنت ملحان (یعنی ام حرام) رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ وہاں آپ نے ٹیک لگائی اور سو گئے۔ آپ مسکراتے ہوئے اٹھے، وہ دریافت کرتی ہیں: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ تب آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ فی سبیل اللہ سفر کرتے ہوئے بحر اخضر پر سوار ہوں گے ان کی مثال ایسے ہے جیسے تختوں پر بادشاہ ہوں۔ عرض کرتی ہیں: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان میں شامل کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا مِنْهُمْ]

''الٰہی اسے ان میں سے بنا دے۔''

پھر نبی اکرم ﷺ دوبارہ لیٹ گئے۔ پھر مسکراتے ہوئے اٹھے تو انھوں نے آپ سے ویسے ہی عرض کی تو نبی اکرم ﷺ نے بھی اسی طرح ہی جواب دیا، کہتی ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان میں سے بھی بنا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پہلے لوگوں میں سے ہے اور پچھلے سواروں میں سے نہیں ہے۔''

---

[1] رمیصاء یہ اسم تصغیر ہے جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کی صفت ہے کیونکہ ان کی آنکھ میں رمص یعنی سفید میل تھی۔

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حديث: 3679، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث: 2394.

رسول اللہ ﷺ کی یہ بشارت پوری ہو چکی ہے جس طرح کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انھوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے شادی کی، پھر ان کے ہمراہ سفر جہاد پہ روانہ ہوئیں، آپ بنت قرظہ (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی) کے ساتھ سمندری سفر پر روانہ ہوئیں۔ واپسی پر آپ کی سواری نے آپ کو اس طرح نیچے گرایا کہ آپ کی گردن ہی ٹوٹ گئی اور شہید ہو گئیں۔ ①

آپ کی قبر قبرص میں آج تک ایک منارہ کی حیثیت سے قائم ہے، جو ایک مسلمان خاتون کے جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کر رہی ہے۔ لوگ پاس کھڑے ہو کر یوں کہتے ہیں یہ ایک صالح خاتون کی قبر ہے اللہ تعالیٰ اس پر بارانِ رحمت فرمائے۔'' ②

اور ان خواتین میں سے جنھوں نے نصرتِ اسلام اور اس کی راہ میں جہاد میں شرکت کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوات میں پیش قدمی کی ہے۔ ایک رسول اللہ ﷺ کی پرورش کرنے والی سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں یہ احد، خیبر، مؤتہ اور حنین کی لڑائیوں میں شریک ہوئی ہیں۔ انھوں نے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔ ③

ان خواتین میں سے ایک سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ماں سیدہ کبشہ بنت رافع انصاریہ بھی ہیں۔ یہ غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی جانب دوڑتی ہوئی آئیں جبکہ آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر سوار تھے جس کی لگام سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پکڑے ہوئے تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری ماں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے خوش آمدید، پھر آپ ان کے لیے کھڑے ہو گئے حتی کہ وہ آپ کے قریب آ گئیں، تب آپ ﷺ نے اس کے بیٹے عمرو بن معاذ کی تعزیت کی اور اس خاتون کو اور اس کے اہل والوں

---

① صحيح البخاري، الجهاد، باب غزو المرأة في البحر، حديث: 2877، 2878، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الغزو في البحر، حديث: 1912. ② الحلية: 62/2 وصفة الصفوة: 70/2. ③ المغازي: 278/1 أنساب الأشراف: 326/1، ودلائل النبوة للبيهقي: 311/3.

میں سے تمام شہداء کو جنت کی خوشخبری دی اور سب کے لیے دعا فرمائی۔ ①

اور ان میں سے فریعہ بنت مالک اور ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا بھی ہیں، یہ دونوں خواتین ان عورتوں میں سے ہیں جنھوں نے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت رضوان کی تھی جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین مکہ نے اہل ایمان کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، خود بلایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریشیوں کے پاس روانہ کیا تھا، لیکن انھوں نے آپ کو کچھ زیادہ ہی اپنے ہاں روکے رکھا جس پر مسلمانوں نے یہ گمان کر لیا کہ قریش نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور آپ کو قتل کر دیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہر اس شخص پر جو وہاں موجود تھا اس مبارک بیعت کے ساتھ کرم فرمایا تھا، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ رضامندیاں اور مہربانیاں فرمائی تھیں جن کی موجودگی میں تمام رشتے ہیچ اور تمام شیریں آرزوئیں کم مرتبہ ہو جاتی ہیں، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی بقا تک تلاوت کیا جانے والا قرآن نازل فرمایا جو اس طرح ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انھیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔'' ②

ان میں سے ایک خاتون سیدہ ام منذر سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھیں اور اس سے قبل وہ ایمان دار عورتوں کی بیعت میں بھی شریک تھیں اسی وجہ سے انھیں دو بیعتیں کرنے والی کہا جاتا تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بنو قریظہ کے

---

① المغازي: 1/301- 315، 316، وتاريخ الإسلام للذهبي: 2/201، والسيرة الحلبية: 2/545، 546. ② الفتح 48:18.

قلعے کا محاصرہ کرنے کے لیے اٹھے تھے تو یہ عظیم المرتبت صحابیہ بھی ساتھ گئی تھیں۔ اور انھوں نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا تھا۔

خلاصہ کلام، مسلمان خاتون کی تاریخ سے یہ چند روشن صفحات ہیں جنھیں ان صاحب فضیلت خواتین نے اپنے ایمان کی صداقت اپنے شعور کی گہرائی اور مسلمان خاتون کے پیغام زندگی اور اپنے رب کے حوالے سے اور اپنے دین کے حوالے سے عائد ہونے والے فرائض کے وسیع ادارک کی بدولت رقم کیا ہے۔ یہ تو اس ضخیم قیمتی رجسٹر میں سے معدودے چند صفحات ہیں جو بلند درجہ عادات، نادر ایثار، شاندار واقعات، خوشبودار صبر و استقلال کے کارنامے، بے مثل صلاحیتیں اور گہرے ایمان سے بھرپور ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک سمجھدار مسلمان خاتون آج ان جیسے روشن و منور صفحات میں جو ان صاحب فضیلت مسلمان خواتین کی زندگیوں سے ماخوذ ہیں ایک بہترین نمونہ ہے جس کی پیروی کی جا سکتی ہے، ایک قندیل ہے جس سے روشنی لی جا سکتی ہے اور ایک زندہ منہ بولتی مثال ہے جس کے مطابق آج کی مسلمان خاتون اپنی شخصیت کو ڈھالنے کی کوشش کر سکتی ہے۔

اسلامی شخصیت کو برقرار رکھتی ہے

یہ امر قابل تعجب نہیں ہے کہ مسلمان سمجھدار خاتون اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ سر بلند رہتی اور اپنے اس اونچے مقام پر فخر کرتی رہتی ہے جس پر اسے اسلام نے بہت عرصہ قبل فائز کر دیا تھا، قبل اس سے کہ دوسری امتوں میں سے کوئی عورت اس بلند مقام میں سے کچھ حصہ حاصل کر سکتی۔ تاریخ عالم میں پہلی بار اسلام نے تقریباً پندرہ صدیاں قبل ''حقوق نسوانیت'' کا اعلان کر دیا تھا اور مسلمان عورت نے انسانی حقوق سے بہت عرصہ پیشتر ہی مستفید ہونا شروع کر دیا تھا جبکہ دنیا کی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور انسانی حقوق کے چارٹر ان سے آشنا بھی نہ ہوئے تھے۔

اسلام نے کافی عرصہ قبل ہی اس امر کا اعلان کر دیا تھا کہ عورتیں مردوں کی مثل ہیں جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں آیا ہے جسے امام ابوداود امام ترمذی، دارمی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم نے

روایت کیا ہے۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب عالم عیسائیت میں معاشرتی حلقے عورت کی انسانیت اور اس کی روحانی طبیعت میں شک وشبہ کا شکار تھے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں یوں اعلان کر دیا تھا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ﴾

''پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہو.......''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اسلام سمع اور طاعت پر عورتوں سے بالکل اسی طرح ہی بیعت لی ہے جس طرح مردوں سے بیعت لی ہے، ان کی بیعت ان کے مردوں سے بالکل الگ اور علیحدہ تھی، یہ بیعت ان مردوں کی تابع نہ تھی۔ ان تمام امور میں اس بات کی زبردست تاکید موجود ہے کہ مسلمان خاتون کی شخصیت بالکل الگ اور مستقل ہے اور اس حقیقت کی واضح نشان دہی ہے کہ عورت میں بیعت کرنے، معاہدہ کرنے اور اللہ و رسول کو اپنی محبت عطا کرنے میں وہ ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کا اعلان کئی صدیاں پیشتر ہو چکا تھا، جسے دور حاضر کی عورت کی مستقل اور الگ رائے کی اہمیت کو حق رائے شماری اور حق انتخاب کے ذریعے سے تسلیم کیا گیا ہے۔ عورت کے بہت سارے حقوق میں سے بطور مثال چند یہ ہیں: وہ اپنے مال کی مستقل مالک ہے۔ اس کی ملکیت کا حق تسلیم شدہ ہے، وہ اگرچہ مال دار ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی خاوند سے نان ونفقہ لینے کا حق رکھتی ہے۔ وہ انسانی کرامت تربیت تہذیب اور عام شرعی احکام میں مرد کے ہم پلہ مقام رکھتی ہے، اگر ہم اسلام کے عورت کو عطا کردہ حقوق کی بحث چھیڑ لیں اور اس کی عنایت کردہ عظمت وعزت کی بات شروع کر لیں تو ان کا احاطہ ناممکن ہو جائے گا۔

---

[1] آل عمران 195:3 .

مسلمان خاتون عزت وتکریم، حقوق کے استحقاق اور اہلیت کے اس مقام رفیع تک پہنچ چکی ہے جس نے مغربی خواتین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس موقع پر مجھے امریکہ میں ایک لیکچر کے دوران میں کہی ہوئی ایک امریکی میڈم کی وہ بات یاد آرہی ہے جو لیکچر ملک شام کے علماء میں سے ایک عالم دین پروفیسر الشیخ بھجتہ البیطار اسلام میں حقوق نسواں کے عنوان پر دے رہے تھے۔ دوران لیکچر وہ امریکی میڈم ان حقوق سے اور ان شرعی مفادات سے جو مسلمان خاتون پندرہ صدیاں قبل حاصل کر چکی ہے تعجب کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی اور لیکچر دینے والے شیخ سے یوں کہنے لگی: کیا یہ باتیں جو آپ مسلمان خاتون کے اور اس کے حقوق کے بارے میں فرمارہے ہیں حقیقت پر مبنی ہیں یا فقط پراپیکنڈہ ہے؟ اگر تو یہ حقائق ہیں تو مجھے یہیں سے پکڑ کر لے جاؤ تاکہ میں تمہارے ہاں کچھ دیر تو ان مفادات وحقوق سے لطف اندوز ہوسکوں، پھر بعد میں مجھے وہیں مرنے دینا!!

ایک مسلمان خاتون کے مقام ومرتبہ کے بارے میں مغربی خواتین کی حیرت واستعجاب کو بیان کرنے والی باتیں اور شہادتیں بہت ہی زیادہ اور زبان زد عام ہیں۔

اس کے علم میں یہ بات بھی آنی چاہیے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں فرانسیسی انقلاب کے دور میں جب انھوں نے حقوق انسانی کے معاہدے اور چارٹر کا اعلان کیا تھا تو اس کا عنوان یوں تھا ''آدمی کے حقوق۔'' اس چارٹر کا ابتدائی مضمون کچھ اس طرح تھا: ''آدمی پیدائشی طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اسے غلام بنانا ناجائز ہے۔'' پھر اس عبارت میں ایک لفظ کا اضافہ کرنے کی انتھک کوششیں کی گئیں لیکن بے سود۔ اور وہ لفظ یہ تھا ''اور عورت'' لیکن آزادی کے انقلابی اعلان کی یہی عبارت منظر عام پر لائی گئی: ''آدمی پیدائشی طور پر آزاد پیدا ہوا ہے اسے غلام بنانا ناجائز ہے۔'' یعنی اس میں عورت کے لفظ کو شامل نہیں کیا جا سکا۔

ایک صدی بعد انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ایک بہت بڑا فرانسیسی عالم ''غوستاف لوبون'' آتا ہے اور وہ اپنی کتاب ''روح الاجتماع'' میں یہ اعلان کرتا ہے کہ علاوہ دور انحطاط کے عورت کبھی بھی مرد کے مساوی نہیں ہوئی۔'' اس نے یہ بات ایسے

شخص کے جواب میں کہی ہے جو مردوں کی مثل عورتوں کو بھی انتخاب کرنے کا حق دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہی چلتا رہا حتی کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد ملکوں کے باہمی تعلقات کو فروغ دینے کا دور آ گیا، پھر دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کی تنظیم سازی کا زمانہ آ گیا، تو کہیں جا کر انتہائی مشقت اور مسلسل جدوجہد کے بعد حقوق نسواں کی بات کرنے والے عورت کو مرد کے مساوی لانے میں کامیاب ہو سکے کیونکہ وہ نیم رسم و رواج کو اپنی راہ میں چٹان کی شکل میں کھڑے، پا رہے تھے، اور ان کے پاس مقامی سطح پر یا بین الاقوامی سطح پر کوئی ایسے قوانین ہی نہیں تھے، جو عورت کو انصاف دلا سکتے تا کہ وہ انھیں عورت کو ان گزشتہ بھاری اور وزنی ناکامیوں سے آزادی دلوانے کے لیے اور راستے میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کے طور پر استعمال کر سکتے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں اسلام پندرہ صدیاں قبل کتاب وسنت میں ایسی قطعی نصوص بیان کر چکا ہے جو مرد اور عورت کو ثواب، عقاب، ذمہ داری، جزاء، عبادت، انسانی کرامت اور تمام انسانی حقوق میں برابر برابر قرار دیتی ہیں۔

بلاشبہ اپنی دینی ہدایت سے واقف کار مسلمان خاتون اپنے اس بلند و بالا مقام کو سمجھنے والی جس پر اسلام نے اسے پندرہ صدیاں پیشتر فائز کر دیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے بلکہ اسلام سے قبل پورے عالم کی اقوام میں پرانے قوانین والے ملکوں میں بالخصوص ہندوستان اور روم میں، اور قرون وسطی میں دور عیسائیت میں، اسلام کی آمد سے قبل بلاد عرب میں عورت کا درجہ برائی کے نچلے گڑھے میں تھا۔ اس حقیقت سے آشنائی کے بعد مسلمان خاتون کی شخصیت، اپنے اسلامی تشخص، اپنے دین برحق اور اپنے بلند ترین انسانی مرتبے سے مزید شرف وعظمت کی حقدار بن جاتی ہے۔

"سابقہ قوانین میں عورت کی حالت کو ہندو لیڈر" جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب ڈسکوری آف انڈیا) "ہندوستان کی دریافت" میں اس طرح اختصار سے بیان کیا ہے:

''رہی عورت کی قانونی حیثیت ''منو'' کے کہنے کے مطابق تو بلاشبہ انتہائی بری تھی، وہ عورتیں ہمیشہ باپ اور خاوند یا بیٹے پر بھروسا کرتی تھیں'' اور یہ بات تو بالکل معلوم ہی ہے کہ ان کی میتوں کی وراثت صرف مرد ہی لے جاتے تھے عورتوں کو کچھ نہ دیتے تھے۔''

اس کے بعد ''نہرو'' نے یوں لکھا ہے: ''بہرحال پرانے ہندوستان میں عورت کی حالت قدیم یونان یا روم عیسائیت کے ابتدائی دور کے مقابلہ میں قدرے اچھی تھی۔

قدیم رومی قانون میں خاتون شہری حقوق سے مکمل طور پر محروم تھی اور یہ تصور تھا کہ چونکہ یہ عورت زاد ہے، خواہ یہ کم عمر ہے یا سن رشد کی پہنچی ہوئی بالغہ خاتون ہے۔ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی کی سرپرستی میں رہے گی۔ یہ لازماً باپ یا خاوند کی سرپرستی میں رہے گی، اور اپنے تصرفات و معاملات میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ آزادی کی بھی مالک نہیں تھی اور فی الجملہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد تقسیم تو ہوسکتی تھی لیکن یہ خود کسی کی وارث نہ بن سکتی تھی۔

رومن قانون میں عورت مرد کی ماتحت اور ذیلی اشیاء میں سے ایک چیز کی حیثیت رکھتی تھی، اس کی شخصیت نام کی کوئی چیز نہ تھی، وہ اپنی آزادی اور تصرف سے قطعی محروم تھی، آج بیسویں صدی تک اس قانون کے باقی ماندہ اثرات موجود ہیں، دور حاضر کی بڑی بڑی سلطنتوں میں انھی رومن قوانین اور حقوق کی کچھ اثر انگیزی نظر آتی ہے۔''

انھی رومن قوانین کی پیروی میں اور ان کی اثر پذیری کی بنا پر نصرانیت کے ابتدائی دور میں عورت کی حالت اس برے درجے تک پہنچ چکی تھی جس کی طرف ''نہرو'' نے اشارہ کیا ہے، حتی کہ بعض دینی تنظیموں نے عورت کی انسانیت اور اس کی روحانی حیثیت میں شک کا اظہار بھی کر دیا تھا، اور روما میں عورت اور اس کی روحانیت کے موضوع پر کئی کانفرنسیں بھی منعقد ہوئی تھیں کہ کیا یہ روحانی طور پر ایسے ہی لطف اندوز ہوسکتی ہے جیسے کہ مرد روحانی طور پر متمتع ہوتا ہے؟ یا اس کی روح فقط حیوانات کی روح کی مثل ہے جیسے کہ سانپوں اور کتوں کی روحانیت ہے...... بلکہ روما میں منعقد ہونے والے اجتماعات میں سے ایک اجتماع میں تو یہ

قرارداد بھی پاس ہو چکی تھی:

”مطلق طور پر اس میں کوئی روح نہیں ہے اور بلاشبہ اسے دوسری زندگی میں دوبارہ بھی ہرگز اٹھایا نہیں جائے گا۔“

پروفیسر جاسم محمد المطوع نے اپنی کتاب زوجات النبی ﷺ فی واقعنا المعاصر میں یوں تحریر کیا ہے:

”اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے 1567ء میں یہ قانون جاری کیا تھا، جس کا ماحصل یہ ہے کہ ”عورت کو کسی بھی چیز کا مالک بنانا اور اسے کوئی چیز ملکیت میں دینا ناجائز ہے۔“

برطانیہ میں مرد اپنی بیویوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے حتی کہ 1930ء میں ایک قانون جاری ہوا جس کی رو سے یہ عمل حرام ٹھہرایا گیا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کے دور میں انگریزی پارلیمنٹ نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے عورت ”عہد جدید“ کی کتاب کو نہیں پڑھ سکتی جسے سیدنا مسیح علیہ السلام لائے ہیں۔

رہی بات جزیرۂ عرب کی تو اکثر قبائل میں اسلام سے کچھ عرصہ قبل عورت ذلت اور نفرت کی جگہ میں تھی، بلکہ یہ تو ایک عار تھی اس کے اولیاء کی اکثریت اس امر کی حریص رہتی تھی کہ یہ عار انھیں نہ ملے، اس لیے وہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اسلامی دعوت اور آواز نے عورت کی اس المناک اور ذلت آمیز حالت کی کئی ایک مقامات میں مذمت بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ نے جاہلیت میں عورت کے حوالے سے شعور و احساس کی اہانت، بدنامی اور ناگواری کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

”ان میں سے جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے تھے؟“[1]

---

[1] النحل 16:58، 59۔

اللہ تعالیٰ نے اس زندہ بے گناہ اور پاکیزہ جان کو دفن کرنے کے جرم کی قباحت وکراہت کی یوں تصورکشی فرمائی ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔''[1]

بلاشبہ یہ حالت انسانیت کی ذلت آمیز، الم ناک اور حقارت سے بھرپور حالت ہے، اور بلادِعرب میں اسلام کی آمد سے قبل تو عورت کی انسانیت کی بالخصوص یہی حالت تھی۔ اس طرح اس زمانے کی تہذیب یافتہ بڑی بڑی حکومتوں میں یہ ناگفتہ بہ حالت تھی، خاص طور پر روما کی سلطنت میں، اور نصرانیت کے ابتدائی دور میں، پھر ان تمام جدید اہم حکومتوں میں جو رومن قوانین سے متاثر ہیں، اور یہ بات حقوق انسانی کے ماہرین بخوبی جانتے ہیں۔[2]

بلاشبہ ایک سمجھدار مسلمان خاتون اس عظیم وکثیر نعمت کو حاصل کرلیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دن ہی اس پر کامل فرمادی تھی جس دن اس کا سورج روشن ہوا تھا اور جس نے دنیائے عرب کو اپنی تیز ترین روشنی کے ساتھ ڈھانپ لیا تھا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کردیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا۔''[3]

بلکہ جو چیز مسلمان خاتون کے دل کو سعادت مندی، طمانیت، رضا مندی اور سربلندی سے بھرپور بنادیتی اور اس کی قدرومنزلت کو مزید بڑھادیتی ہے وہ ممتا کے مقام کو پدری مقام پر فائق بنانا ہے۔ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا: اے اللہ کے

---

[1] التکویر 81:8،9۔ [2] ڈاکٹر معروف الدوالیبی کی کتاب '' المرأة في الإسلام '' ص: 23۔
[3] المائدة 5:3۔

رسول! سب لوگوں میں سے کون میرے احسن سلوک کا زیادہ حقدار ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے جواب دیا: ''تیری ماں'' وہ پوچھنے لگا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیری ماں'' وہ بولا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''تیری ماں۔'' وہ عرض پرداز ہوا: ''پھر کون؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ۔''①

یہ اس لیے کہ عورت اپنی خلقت کے سبب، اور جنین کو اٹھانے کے سبب، پھر اسے دودھ پلانے اور اسے پرورش کرنے کے باعث اس مقام بلند کی حقدار ہے، بلاشبہ یہ انتہائی مشقت والا اور بہت بڑا عظیم عمل ہے۔ قرآن کریم نے اس عمل کو یوں سراہا ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری کے باوجود اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ دو برس میں چھڑانا ہے یہ کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر کہ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''②

اس عظیم اور حامل مشقت عمل کے بالمقابل جو عورت کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے مرد پر خاندان کی کفالت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ وہ کمانے اور خرچ کرنے کی ذمہ داری کو نبھاتا ہے لیکن وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کے باوجود بھی ممتا کے مقام کو پا نہیں سکتا، جس طرح کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی اس شخص کی رہنمائی کرنے میں دیکھ ہی لیا ہے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اس کے حسن سلوک کا سب لوگوں میں کون زیادہ حقدار ہے۔

جس طرح اسلام نے عورت کے مقام و مرتبے اور مادرانہ مقام کو، پدرانہ مقام پر بلند تر رکھا ہے، اسی طرح اس نے عورت کے مقام و مرتبے کو خاوند کے ساتھ ملانے کے بعد بھی بلند

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حديث: 5971، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين، حديث: 2541. ② لقمٰن 14:31.

ہی رکھا ہے وہ ایسے کہ وہ عورت اپنی شادی کے بعد اپنے خاندان اور قبیلے کے نام کی حفاظت کرنے والی ہی رہتی ہے یا مسلمان خاتون کا شادی کر لینے کے بعد بھی اپنے نسب اور اپنے کنبے کے نام کو باقی رکھنا اس کا حق ہے۔ اس کا نام خاوند کے کنبے اور نسب کے نام میں مدغم نہیں ہوتا اور نہ کالعدم اور معطل ہی قرار پاتا ہے، جس طرح کہ مغربی معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں پر عورت شادی کے بعد اپنے خاوند سے ملنے کے بعد ''فلاں کی میڈم'' بن جاتی ہے، اس کے خاندان کنبے کا نام اور اس کے نسب کا رشتہ سول قوانین کے رجسٹروں اور شناختی کارڈ سے حذف اور ختم کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اسلام نے شادی کر لینے کے بعد بھی عورت کی شخصیت کی حفاظت کی ہے باوجود اس کے کہ اسلام نے عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت گزاری، وفا شعاری، توقیر، تعظیم، اور ازدواجی حیات کو باحسن طریق گزارنے کی بار بار تلقین کی ہے لیکن اس نے عورت سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ مکمل طور پر مرد کی شخصیت ہی میں ضم ہو جائے۔

جب ہم ان مذکورہ انسانی حقوق کی عورت کو ادائیگی کے ساتھ یہ امر بھی شامل کر لیں گے کہ اسلام نے عورت کو اپنے مال میں کامل تصرف کا حق بھی عطا فرمایا ہے اور اسے کسی طرح کے نفقہ وخرچہ کا مکلّف بھی نہیں ٹھہرایا تو ہم اس بلند ترین مرتبے اور رفیع تر مقام کو پوری وضاحت اور روشنی سے پالیں گے جس پر اسلام نے ایک مسلمان خاتون کو فائز کیا ہے اور ہمارے سامنے یہ امر بھی پوری طرح عیاں ہو جائے گا کہ اسلام کی کتنی بڑی خواہش ہے کہ وہ عورت کی شخصیت کو مکمل آزاد، عزت مند، مرتبہ کی حامل، کشادہ ذہن، ہنر مند اور بااختیار دیکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرنے والی بن سکے۔

اس کی محبت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوتی ہے

مسلمان خاتون کی اپنی اسلامی شخصیت کے باعث صاحب عزت ہونے کے ثمرات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس کی جاں نثاری اور محبت فقط اللہ واحد لاشریک کے لیے ہوتی ہے،

کسی دوسرے کے لیے نہیں ہوتی، خواہ اس کا خاوند یا باپ ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ یہ دونوں رشتے باقی لوگوں کی نسبت قریب ترین ہوتے ہیں۔ ہم اس جاں نثاری اور محبت کی بلندی ام المومنین ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کی بلند ہمتی میں پاتے ہیں جو ابوسفیان، سردار مکہ اور مشرکین کے قائد و سالار کی بیٹی تھی۔ اول یہ خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عبیداللہ بن جحش کی زوجہ تھی جو کہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا برادر تھا۔ آپ کا خاوند عبیداللہ مسلمان ہوا تو سیدہ ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ ہی مشرف باسلام ہوگئیں، جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کا باپ ابوسفیان بدستور کفر پر قائم رہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے ہمراہ ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ ملک حبشہ کی جانب ہجرت بھی کی اور آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو مکہ میں اپنے غیظ وغضب میں کھولتے ہوئے چھوڑ دیا کہ اس کی صاحبزادی مسلمان ہوگئی ہے اور اس کا اس پر کوئی اختیار نہیں چل رہا۔

لیکن زندگی نے اس مسلمان صابرہ مہاجرہ خاتون کو بہار نہ دکھائی کہ اس کا شوہر عبیداللہ اسلام سے مرتد ہوکر اور حبشیوں کے دین نصرانیت کو اختیار کر کے اس کی تکلیف کا باعث بن گیا۔ پھر اس نے اسے بھی اس کے دین سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن اس نے انکار کیا اور دین حقہ پر ڈٹی رہی اور صبر کا دامن تھامے رکھا۔ اس دوران میں یہ خاتون اپنی صاحبزادی ''حبیبہ'' کو جنم دے چکی تھی جس کی وجہ سے آپ کی یہ کنیت رکھی گئی ہے۔ یہ لوگوں سے الگ تھلگ ہوگئی۔ لگتا تھا کہ یہ خاتون غم والم اور حسرت ویاس سے ہلاک ہی ہو جائے گی کیونکہ اس پر غموں نے یورش کردی تھی۔ بڑے بڑے مصائب پیہم اس پر حملے کر رہے تھے اور غموں نے اس کی زندگی کو شب تاریک بناڈالا تھا، جبکہ وہ خود اور اس کی اکلوتی صاحبزادی غریب الدیار اور دارالہجرت میں تھے۔ اس کے درمیان اور اس کے خاوند اور باپ کے درمیان رشتے منقطع ہو چکے تھے۔ اس کی کم سن بیٹی کا باپ تو نصرانی تھا اور اس کا نانا اس دن مشرک اور اسلام کا دشمن تھا، جو اس نبی کے خلاف کہ اس کی صاحبزادی جس کی تصدیق کر چکی تھی اور اس دین کے خلاف جس پر وہ ایمان لا چکی تھی عمومی لڑائی کا اعلان کر رہا تھا۔

اس خاتون کو مذکورہ حیرت، ضیاع، غم اور کرب سے بجز رسول کریم ﷺ کی اس آنکھ کے کسی نے نہ بچایا جو آنکھ اہل ایمان مہاجرین کے لیے جاگتی رہتی تھی اور ان کے امور و احوال کا جائزہ لیتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی شادی آپ سے کردے۔ جو کہ اس کے ملک میں ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ایک ہے۔ اس واقعے کی مکمل تفصیلات سیرت، تراجم اور تاریخ کی کتب میں موجود ہیں۔ اس طرح سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان ''ام المومنین'' بن گئیں۔

وہ نیکی کا حکم کرتی اور برائی سے روکتی ہے

سمجھدار اور اپنے دین کی پابند مسلمان خاتون یہ فرمان الٰہی پڑھتی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون اور دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا، حکمت والا ہے۔''[1]

جسے اللہ تعالیٰ نے پندرہ صدیاں پیشتر نازل فرمایا ہے، وہ اپنے نفس کو اجتماعی فکر کی اعلیٰ سطح پر فائز رکھتی ہے بلکہ وہ اعلیٰ ترین معاشرتی منازل پر براجمان رہتی ہے جنھیں مختلف قوموں، ذاتوں اور رنگوں کے اعتبار سے عورت جانتی پہچانتی ہے۔

یقیناً اسلام نے عورت کی مکمل انسانیت اور اس کی کرامت کا اقرار کیا ہے۔ مزید اس کی قانونی حیثیت اور اس مکمل آزادی کا بھی اقرار کیا ہے۔ مذکورہ تمام امور میں مرد و عورت کے

① التوبة 9:71.

مابین ملکیت میں، خرید و فروخت میں اور شادی کرنے میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور ایسی عظمت اسلام سے قبل کسی دوسری امت میں متداول نہ تھی بلکہ عورت تو محض مرد کے تابع فرمان اور اس کے حکم کے ماتحت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان اقدس:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ...... ﴾

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد معاون اور دوست ہیں۔''

میں عورت کو مرد و عورت کے درمیان باہمی ولایت اور بایک دیگر معاونت کے مقام تک بلند کیا جا رہا ہے اور خاتون کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضوں کی ادائیگی میں مرد کا شریک و مددگار بنایا جا رہا ہے، ذمہ داری اور بار امانت کو اٹھانے میں عورت مرد کے ہم مرتبہ کہی جا رہی ہے، یعنی دونوں ہی زمین کی آبادکاری اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجا آوری کے لیے مکمل پابند ہیں۔

اور جب اس نے عورت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے تو اس نے اسے اجتماعیت اور بلند انسانیت کے مقام پر فائز کر دیا ہے، کیونکہ اسلام نے خاتون کو تاریخ عالم میں سب سے پہلی بار ''حکم دینے والی'' بنایا ہے جبکہ وہ دنیائے اسلام کے علاوہ باقی دنیا میں ''ماموره''، یعنی حکم کی غلام ہی تھی۔

پھر اسلام نے اللہ تعالیٰ کے روبرو دونوں جنسوں، یعنی مرد و عورت کو عبادت الٰہی کا شرف پانے کا اہل ہونے کا اعلان بھی کیا ہے اور وہ دونوں ہی اس کی رحمت کے حقدار بن سکتے ہیں۔ اس موضوع پر کتاب الٰہی اور سنت سید المرسلین ﷺ میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

تاریخ اسلام میں اس بلند مقام کو ظاہر کرنے کے لیے جو مسلمان خاتون کی شخصیت کو بھی مشتمل ہے ایسی بہت سی بلند پایہ تابندہ پائندہ خواتین نظر آتی ہیں جو اپنے اقوال، افعال اور کردار کے اعتبار سے انتہائی نمایاں ہیں، جو حق کا بانگ دہل اعلان کرتی ہیں۔ ایسے ہی زندۂ جاوید کرداروں میں سے وہ مثال جو مسلمان خاتون کی شخصیت کی قوت، پختگی اور تنقیدی انداز اختیار کرنے میں آزادی کی حامل اور اظہار رائے میں حریت کی پیکر ہونے کو بیان کرتی ہے

قابل ذکر ہے جو اس خاتون کی زبان حق بیان پر جاری ہوئی تھی، جو امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حق مہر میں غلو پسندی اور مبالغہ آمیزی کے رجحان کی تردید کرتے ہوئے اسے ایک حد معین میں محدود کرنے کے ضمن میں سنتے ہوئے بول اٹھی تھی: اے عمر! یہ آپ کو حق نہیں پہنچتا! آپ بولے: کیوں؟ وہ بولی: کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے حق مہر کا خزانہ دے رکھا ہو، تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو، کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔''[1]

تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عورت نے درست کہا، اور تجھ جیسے آدمی سے خطا ہوگئی ہے۔''[2]

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی بات کو غور سے سنا، اور جونہی اس کی بات میں حق ظاہر ہوا تو فوراً مان گئے کہ واقعی وہی حق ہے اور وہ خود غلطی پر ہیں۔[3]

اس کے ساتھ مسلمان خاتون نے سربراہ مملکت پر تنقید کر کے اولین تاریخی کردار رقم کیا اور دیکھیے کون سے سربراہ مملکت؟ وہ تو مسلمانوں کے خلیفہ راشد تھے۔ اپنے دور کے عظیم ترین حکمران تھے، پر ہیبت اور طاقت ور نوجوان تھے اور فارس و روم کی سلطنتوں کو زیر نگیں لانے والے تھے۔ یہ خاتون آپ رضی اللہ عنہ سے معارضہ کرنے اور آپ کی بات پر تنقید کرنے کی جرأت نہ پا سکتی تھی اگر اس کی دینی سمجھداری اور بیداری نہ ہوتی جو اسے اسلام نے اظہار رائے کی آزادی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مسئولیت عطا کی ہوئی تھی۔

قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو اپنا معمول رکھتی ہے

مسلمان عورت کو اس اطاعت شعاری، صلاح کاری، پرہیز گاری، بیداری، سمجھداری اور پختگی کی مذکورہ منزل تک رسائی پانے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ کتاب الٰہی کی عطر بیز فضاؤں سے معطر رہے۔ روزانہ بلاناغہ اس کے گھنے اور دراز سایوں میں استراحت حاصل

---

① النسآء 4:20. ② مسند أبي يعلى (مجمع الزوائد) : 4/272. ③ فتح الباري ، النكاح ، باب الصداق.

کرے۔اس کا قرآنی ورد و ظیفہ دائمی ہو۔اس دوران وہ قرآن کریم آیات بینات پر پوری توجہ مبذول رکھے، پوری گہرائی، حاضر دماغی، بصیرت اور تدبر کے ساتھ اس کی تلاوت میں مگن رہے تاکہ ان آیات بینات کے معانی اس کی عقل وشعور اور احساسات وخیالات میں سرایت کرتے جائیں اور اس کا دل اس کی صاف وشفاف نورانیت کو جذب اور اس کی روشن ومنور ہدایت سے مستفید ہوتا جائے۔

تو اس ضمن میں مسلمان خاتون کو یہ جان لینا کافی ہوگا کہ ایک قاری قرآن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ومرتبہ ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی متعدد احادیث کریمہ میں اسے بیان فرمایا ہے تاکہ مسلمان خاتون کو جب بھی کوئی فرصت میسر آئے وہ اس کی تلاوت کی حریص بن جائے بلکہ وہ اپنے دنوں کی روشنی اور اپنی راتوں کی تاریکی کو اس کی تلاوت، ترتیل اور تدبر معانی سے معمور ہی رکھے۔

رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

[اِقْرَأُو الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِّأَصْحَابِهِ]

''تم قرآن کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ روز قیامت اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا۔''[1]

نبی کریم ﷺ مزید یوں ارشاد فرماتے ہیں:

[اَلَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ]

''جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے جبکہ وہ اس میں مہارت بھی رکھنے والا ہے، وہ نیکو کار معزز لکھنے والوں، یعنی فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص قرآن کریم پڑھتا ہے جبکہ وہ اس میں اٹکتا بھی ہے، یعنی قرآن پڑھنا اس کے لیے قدرے

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن، حديث : 804

محنت طلب ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر و ثواب ہوگا۔''[1]

تو کیا ایک بیدار مغز سمجھدار پرہیز گار مسلمان خاتون ان باتوں کے جاننے کے بعد بھی تلاوتِ قرآن مجید سے سستی و غفلت برتے گی، خواہ اس پر مصروفیات کا ہجوم بھی سوار ہو، خواہ اس کے ناتواں کندھوں پر اس وقت زوجیت اور گھر کا بارگراں بھی ہو؟

اور کیا وہ تلاوت قرآن کریم کی جانب توجہ مبذول کرنے اور اس کی معطر ربانی فضاؤں میں زندگی گزارنے پر کوئی عذر معقول پیش کرسکتی ہے کہ جس کے باعث اس کا نفس ان ربانی نعمتوں اور اس انتہائی عظیم اجر و ثواب سے محروم ہو جائے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت کرنے والے کے لیے اہتمام فرمایا ہوا ہے؟

تو یہ رہی ایک مسلمان خاتون کی تعلق داری اپنے رب کریم کے ساتھ، یعنی اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان، اس کی قضاء و قدر پر سر تسلیم خم، اس کی عبادت گزاری پر قلب صادق سے توجہ، اس کے اوامر و احکام کی مطلق بجا آوری، اس کی نواہی سے مکمل اجتناب، اللہ تعالیٰ کی خاطر معنی عبودیت کے اعتبار سے اپنی مکمل اطاعت گزاری، اس کے دین کی نصرت و حمایت کرنا اور اس کے کلمہ کو ثابت و مستحکم کرنا اور اپنی مسلمان شخصیت سے سر بلند ہونا جو اس کی قوت ایمان اور اس کے ایمان کی صفائی سے موجزن ہو اور اس زندگی میں انسانی وجود کی آمد کے اصل مقصد کو باحسن طریق سمجھنا جسے اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''[2]

① صحیح البخاري، التفسیر، سورة عبس، حدیث: 4937، وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل الماھر بالقرآن، حدیث: 798. ② الذّٰریٰت 56:51.

باب: 2

مسلمان عورت اپنی ذات کے آئینے میں

بلاشبہ اسلام نے مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ وہ لوگوں میں ممتاز اور نمایاں بن کر رہیں۔ وہ اپنے ملبوسات، اپنے تصرفات، اور اپنے اعمال میں امتیازی حیثیت میں رہیں، تا کہ وہ باقی لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بن سکیں۔ صحابی جلیل سیدنا ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب وہ اپنے بھائیوں کی طرف سے واپس آ رہے تھے:

[إِنَّكُمْ قَادِمُونَ عَلَى إِخْوَانِكُمْ فَأَصْلِحُوا رِحَالَكُمْ وَأَحْسِنُوا لِبَاسَكُمْ، حَتّٰى تَكُونُوا كَأَنَّكُمْ شَامَةٌ فِي النَّاسِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ]

''تم لوگ اپنے بھائیوں کے پاس جانے والے ہو، چنانچہ اپنی اپنی زین کو درست کر لو اور اپنے لباس کو اچھا بنا لو، تا کہ تم لوگوں میں سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش کو پسند نہیں کرتا ہے اور نہ ہی عمداً ایسا کرنے کو پسند فرماتا ہے۔''[1]

''فحش اور عمداً ایسا کرنے کو'' سے مراد ہر وہ حالت ہے جس کی برائی اور قباحت شدید ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتر حالت کو، پریشان کن کیفیت کو ظاہری حالت سے بے پروائی اور بے اعتنائی برتنے کو اور لباس و دیگر ضروری ساز و سامان میں غفلت برتنے کو فحش اور عمداً

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في الإزار، حديث: 4089 .

ایسا کرنے کو میں شمار فرمایا ہے، اور یہ ان امور میں سے ہے جن کو اسلام نے ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور جس سے منع فرمایا ہے۔

جب اسلام نے عمومی طور پر سب اہل اسلام کو لوگوں میں نمایاں رہنے کی ترغیب دی ہے تو بلاشبہ اس نے خصوصی طور پر مسلمان خاتون کو اپنی شکل وصورت اور اپنی ظاہری ہیئت میں نمایاں، ممتاز اور واضح تر رہنے کی ترغیب دی ہوئی ہے کیونکہ یہ بات اس کی اپنی زندگی پر، اس کے خاوند کی زندگی پر، اس کے گھر پر اور اس کی اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

تو آیئے دیکھیں ایک مسلمان خاتون اپنے جسم، اپنی عقل اور اپنی روح کے درمیان اس توازن کو کس طرح برقرار رکھ سکتی ہے؟

اس کا جسم

وہ اپنے کھانے پینے میں میانہ رو ہوتی ہے

عورت اس بات کی انتہائی خواہشمند ہوتی ہے کہ وہ تندرست بدن، مضبوط ڈھانچے اور چست وچالاک جسم کی مالک ہو، ڈھیلے گوشت اور بھاری بھرکم وجود والی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کھانے کی طرف ندیدی ہو کر، انتہائی للچائی ہوئی نظروں سے اور اسراف کے ساتھ نہیں لپکتی، بلکہ وہ صرف اتنی مقدار پر بھی قناعت کر لیتی ہے جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکے۔ یعنی قوت لایموت کے معنوں کو پیش نظر رکھتی ہے، وہ اپنی صحت، اپنی چستی، اپنی قوت اور جسمانی لیاقت کا انتہائی زیادہ خیال رکھتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کو مدنظر رکھتی ہے جو اس نے اپنی کتاب محکم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾

''اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

---

[1] الأعراف 7:31.

اوراس کے ساتھ ساتھ وہ خور ونوش میں اعتدال کی راہ اختیار کیے رکھنے میں رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان گرامی اور آپ کی سیرت کو پیش نظر رکھتی ہے:

''آدمی نے اپنے شکم سے بڑھ کر کوئی برابرتن نہیں بھرا، اگرتو وہ لامحالہ ہی ایسا کرنے والا ہے تو پھر ایک تہائی اپنے طعام کے لیے اور ایک تہائی اپنے پینے کے لیے رکھ لے اور ایک تہائی اپنے سانس کے لیے چھوڑ لے۔''[1]

اور مسلمان عورت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان گرامی سے رہنمائی لیتی ہے:

''تم بالخصوص خور ونوش میں بسیار خوری سے بچے رہو، کیونکہ یہ جسم کو خراب کرنے والی، بیماریوں کو جنم دینے والی اور نماز سے کاہل بنانے والی چیز ہے اور تم ان دونوں کاموں میں اعتدال کی راہ اختیار کرو، بلاشبہ یہ جسم کو درست وصحت مند رکھنے والی اور فضول خرچی سے انتہائی بعید رکھنے والی عادت ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بھی بھاری بھرکم تن آسان کو ناپسند رکھتے ہیں اور یقیناً آدمی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو اپنے دین پر ترجیح نہ دے لے۔''[2]

اس امر میں بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ مسلمان خاتون منشیات اور بیدار رکھنے والی اشیاء کو استعمال کرنے سے مکمل طور پر دور رہتی ہے بالخصوص ان میں سے محرمات سے تو مکمل اجتناب کرتی ہے، اس طرح ان آفتوں سے بھی دور ہی رہتی ہے جن میں وہ عورتیں دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں پڑی ہوئی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کی ہدایت سے سرکشی اختیار کیے ہوئے ہیں اور مسلمان خاتون اسلامی معاشرے اور مسلمان ممالک میں گھس آنے والی بری عادات سے بھی، مثلاً: رات کو تا دیر جاگتے رہنا، بے مقصد کھیل تماشوں میں وقت گزارنا اور وقت کو ضائع کرنا وغیرہ سے بھی کنارہ کش ہی رہتی ہے، بلکہ وہ تو جلد سوتی اور جلد بیدار ہوتی ہے تا کہ دن بھر اس کی چستی برقرار رہے اور وہ اپنے گھریلو کام کاج اور اپنی ذمہ داریوں

---

[1] مسند أحمد : 4/132، وجامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في كراهية كثرة الأكل، حديث : 3280. [2] كنز العمال: 15/433.

کو پوری تندہی، گرمجوشی اور دل کی خوشی سے سرانجام دیتی رہے۔ راتوں کو تادیر جاگتے رہنا اس کے شعلہ نشاط کو درہم نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی بری عادت اس کے قوائے جسمانی کو ناتواں وضعیف ہی بناتی ہے۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ چاق و چوبند، سرگرم اور امور کو بروقت ادا کرنے والی رہتی ہے۔ امور خانہ داری اسے تھکاتے نہیں ہیں، کیونکہ اس نے اپنے نفس وجسم کو صحت مند اور طبعی نظام کا پابند بنا رکھا ہے اور وہ اپنے جسم و بدن کو ہمیشہ قوت ونشاط کا خوگر رکھتی ہے۔

اور وہ اس حقیقت کا ادراک بھی رکھتی ہے کہ قوی اور طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کو کمزور و ضعیف مومن سے زیادہ محبوب ہے جیسے کہ سیرت رسول ﷺ میں یہ بات موجود ہے، اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے جسم کی قوت و طاقت کو بحال و برقرار رکھنے کے لیے اپنی زندگی میں صحت مندانہ اور فطری قانون کو اپنائے رکھتی ہے۔

جسمانی ورزش کو اپنے معمولات میں شامل کرتی ہے

باہوش مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی مخفی نہیں رہتا کہ اس کی مکمل نگہداشت صرف اس کی جسمانی لیاقت اور بدنی پھرتی کے ساتھ ہے اور اس کا اپنی عمومی صحت کا خیال رکھنا ان امور میں سے ہے جن پر اسلام نے انتہائی زیادہ رغبت دلائی ہے، وہ صرف صحت مندانہ اور فطری قانون کو اپنانے پر ہی اکتفا نہیں کرتی جن کی طرف ابھی میں نے سطور بالا میں اشارہ کیا ہے بلکہ وہ اپنے بدن، اپنے وزن، اپنی عمر اور اپنے معاشرتی ماحول کی مناسبت سے جسمانی ورزش کا بھی مسلسل اہتمام کرتی رہتی ہے جو کہ محدود اوقات میں اور مقررہ مقامات میں کرتی ہے۔ ان سے پیچھے نہیں رہتی تاکہ ایسی بدنی ریاضتیں اس کے جسم کو خوش نمائی، لچکداری اور حسن و جمال میں بڑھوتری ودیعت کریں اور اس کے بدن کو بیماریوں کے مقابلے میں قوت مدافعت عطا کریں۔ مزید اسے ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بھرپور قوت دیں اور زندگی کے مشن کو ادا کرنے کے لیے بہترین صلاحیت پیدا کریں۔ یہ جسمانی ورزشیں اور بدنی ریاضتیں تمام عورتوں کے لیے مفید اور یکساں ہیں، خواہ وہ بیوی ہے یا ماں، چھوٹی بچی ہے یا بڑی عمر والی خاتون جس نے اپنی عمر کی بیشتر بہاریں دیکھ لی ہوں۔

اپنے جسم اور کپڑوں کو صاف رکھتی ہے

سمجھ دار اور اپنے دین کی ہدایات پر غور وفکر کرنے والی مسلمان خاتون اپنے جسم اور کپڑوں کو بھی صاف ستھرا رکھتی ہے۔ قریب قریب وقفوں سے غسل کرتی رہتی اور اپنے بدن ولباس کی نظافت وستھرائی کا انتہائی زیادہ خیال رکھتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں نبوی ہدایات پر کار بند رہتی ہے جو غسل کرنے اور خوشبو لگانے پر، بالخصوص جمعۃ المبارک کے دن، رغبت دلا رہی ہیں:

[اِغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَاغْسِلُوا رُؤُسَكُمْ، وَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا جُنُبًا، وَأَصِيبُوا مِنَ الطِّيبِ]

''جمعہ کے دن غسل کرو، اپنے سروں کو دھولو اگر چہ تم حالت جنابت میں نہ بھی ہو اور خوشبو بھی لگایا کرو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے غسل کے ذریعے سے حصولِ نظافت پر اس قدر زیادہ ترغیب دلائی ہے کہ بعض ائمہ اس کے پیش نظر نمازِ جمعہ کے لیے غسل کرنے کو واجب خیال کرتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَّغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا، يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ]

''ہر مسلمان پر لازم وواجب ہے کہ وہ سات دنوں میں ایک دن ضرور غسل کرے جس میں وہ اپنے سر اور بدن کو دھوئے۔''[2]

مذکورہ بالا حکم اس لیے ہے کہ نظافت وصفائی انسان کی لازمی صفات میں سے ہے، خاص طور پر عورت کے لیے تو انتہائی لازمی ہے کیونکہ یہ اس کی صحت مند، ذہین اور دل پسند شخصیت

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الدهن للجمعة، حديث : 884. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل......، حديث : 897، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث : 749.

پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے، اس عمل کے ذریعے سے وہ صرف اپنے شریک حیات ہی کی محبوب نہیں بنے گی بلکہ اپنی جان پہچان والی خواتین اور اپنے رشتہ دار محرم مردوں کے ہاں بھی پیاری بن جائے گی۔

تو جب مردوں کے لیے نبوی ہدایت اس قدر ہے تو یہ عورتوں کے اعتبار سے کس قدر لائق توجہ ہوگی کیونکہ ان سے نظافت و صفائی کی زیادہ توقع ہوتی ہے، وہ توانس و محبت کی آماجگاہ اور لطف اندوزی کا مصدر اور گھر کا سکون ہوتی ہیں۔ اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ عورت کا نظافت کے متعلق گہرا احساس، اس کے گھر، خاوند اور بچوں پر گہرے اثرات ڈالتا ہے۔ اس کی صفائی ستھرائی کے باعث سبھی گھر والے صاف ستھرے، باسلیقہ، خوبصورت نظر آئیں گے، جن کے کپڑوں پر خوشبو لگی ہوگی اور جن کے پاکیزہ اور صاف ستھرے بدنوں سے عطر کی بھینی بھینی خوشبوئیں اٹھ رہی ہوں گی۔

جو چیز محققین کی نگاہوں کو اپنی طرف التفات کے لیے اور ان کی عقل و دانش کو دنگ کرتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمان و مکان سے تعلق رکھتے ہوں، وہ یہ کہ آج سے پندرہ صدیاں قبل ہدایات نبوی نے نظافت اور غسل کرنے کی اہمیت پر جو زور دیا ہے یہ تب کی بات ہے جب دنیا غسل کرنے اور حفظانِ صحت کے اصولوں سے بالکل نا آشنا تھی، بلکہ غیر مسلم دنیا تو ایک ہزار سال کے بعد بھی نظافت کی اس سطح تک نہیں پہنچ سکی جہاں مسلمان دور نبوت کے زمانے سے پہنچ چکے تھے۔

ترکی کی ایک ریسرچ آفیسر ''سامحہ آی ویردی'' اپنی کتاب ''غلامی سے سیادت تک'' میں رقم طراز ہیں: ''ہمیں اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یورپ کی تہذیبی سطح سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے صلیبی جنگوں کے ایام تک واپس جائیں۔ ہمیں تو چند صدیاں قبل خلافت عثمانیہ کے دور تک پیچھے جانے اور اہل یورپ کی تہذیب سے ان کا موازنہ کر لینا ہی کافی ہوگا، تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ دولت عثمانیہ میں مسلمانوں کی تہذیبی برتری کیسی تھی۔'' 1624ء میں شہزادہ برانڈ بو (Brande Boug) نے ایک ولیمے کے دعوت

نامے میں شرفاء اور عمائد سلطنت کو یہ تحریر کیا تھا: ''مہمانانِ گرامی سے امید کی جاتی ہے کہ وہ کھانے کی رکابیوں میں کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو داخل نہ کریں گے، کھانے پینے کی اشیاء کو اپنے پیچھے نہ پھینکیں گے، اپنی انگلیوں کو چاٹیں گے، پلیٹوں میں نہ تھوکیں گے اور دستر خوانوں کے کناروں سے اپنی ناک صاف نہ کریں گے۔''

مؤلفہ مزید کہتی ہیں: ''مندرجہ بالا عبارات اہل یورپ کی تہذیبی، تمدنی اور اخلاقی حالت کی سطح کو بڑے واضح انداز سے بیان کر رہی ہیں۔ ٹھیک اسی زمانے میں، یورپ کے دیگر علاقوں میں بھی صورت حال اس سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ انگلستان کے بادشاہ ''جاک اوّل'' کے شاہی محلات میں رہائش پذیر بادشاہ، اس کے امراء اور اس کے شہزادوں شہزادیوں کے ملبوسات سے انتہائی ناپسندیدہ بو اُٹھتی تھی، حالانکہ انھوں نے انتہائی قیمتی ریشمی فرانسیسی ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھے۔ یہ تھی یورپ کی حالت زار، جبکہ دوسری طرف استنبول کے دارالخلافہ میں یہ طریقہ متداول تھا کہ یورپی سفیروں اور دیگر معتمدین کو خلافت عثمانیہ کے سلطان سے ملاقات کرنے سے قبل غسل خانے بھیجا جاتا تھا۔''

اسلام کی ہمہ گیر ربانی تہذیب کے درمیان اور انسانوں کی محدود و قاصر تہذیبوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے!

وہ بلا ناغہ اپنے منہ اور دانتوں کو صاف کرتی ہے

ذہین مسلمان عورت اپنے منہ کا بھی خیال رکھتی ہے۔ اس کے منہ سے کسی کو بھی بدبو نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر کھانے کے بعد مسواک اور ٹوتھ برش میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اپنے دانتوں کو صاف کرتی ہے۔ وہ اپنے دانتوں کو چیک کرواتی ہے اور سال میں کم از کم ایک بار تو ضرور کسی ڈینٹل ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کا معائنہ کرواتی ہے، خواہ اسے کوئی درد وغیرہ بھی نہ ہو۔ وہ یہ کام اس لیے کرواتی ہے تاکہ اپنے دانتوں کی صحت، نظافت اور ان کی چمک دمک کو قائم رکھ سکے بلکہ وہ تو کان، ناک اور گلے کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے بھی بوقت ضرورت مشورہ کرتی رہتی ہے۔ اس میں بھی کوئی شک وشبہ والی بات

نہیں ہے کہ ایسا کرنا ایک عورت کے لیے انتہائی لائق، زیادہ مناسب اور حسن و جمال کو دوبالا کرنے والا عمل ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دانتوں کا انتہائی زیادہ خیال رکھا کرتی تھیں، مسواک کے ذریعے انھیں صاف اور چمک دار بنانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس سلسلے میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ صحیح بخاری میں مجاھد عن عروۃ ایک روایت ان الفاظ میں ہے:

''ہم نے حجرے میں امّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آواز سنی۔''[1]

صحیح مسلم میں ایک روایت یوں ہے:

''ہم آپ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آوازیں سنتے تھے......''[2]

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بذات خود بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن یا رات کو سو کر اٹھتے تو وضو کرنے سے قبل مسواک ضرور فرماتے تھے۔[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے دہن مبارک کی صفائی اور نظافت کا اس قدر اہتمام کیا کرتے تھے کہ آپ یوں فرماتے ہیں:

[لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ]

''اگر میں اپنی امت پر یہ بات گراں نہ سمجھتا تو انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔''[4]

یہ بات انتہائی تعجب انگیز ہے کہ ہم بعض مسلمان خواتین کو ان پہلوؤں میں سستی اور

---

[1] صحيح البخاري، العمرة، باب كم اعتمر النبي ﷺ، حديث : 1776، و صحيح مسلم، الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حديث : 1255. [2] صحيح مسلم، الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حديث : 1255. [3] حديث حسن، رواه أحمد: 160/6، حديث 25787، وسنن أبي داود، الطهارة، باب السواك، حديث: 47 [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث :887، وصحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، حديث: 252.

غفلت کا شکار دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ پہلو مسلمان عورت کی شخصیت کے لازمی امور میں سے ہیں علاوہ ازیں یہ امور تو اسلام کی عقلمندی اور پختگی میں سے ہیں۔

وہ اپنے بالوں کو سنوار کر رکھتی ہے

رسول عظیم ﷺ کی ہدایت و رہنمائی میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپ نے بالوں کی نگہداشت، صلاح اور ان کی آرائش کا شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے خیال رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے امام ابوداود نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ]

''جس کے بال ہوں اسے چاہیے کہ ان کا اکرام کرے۔'' یعنی ان کی مناسب دیکھ بھال کرے۔[1]

ذوق اسلامی میں، بالوں کا اکرام کرنے سے مراد ان کی نظافت رکھنے، انہیں کنگھی کرنے، خوشبو لگانے اور ان کی ظاہری شکل وصورت کو خوشنما بنائے رکھنے سے عبارت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ کوئی انسان اپنے بالوں کو بکھری حالت میں چھوڑے رکھے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو اسے قبیح منظر کی وجہ سے شیطان سے تشبیہ دی ہے۔

اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے، عطاء بن یسار سے اپنی مؤطا میں روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ مسجد میں موجود تھے کہ ایک ایسا آدمی داخل ہوا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سمجھایا کہ وہ اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی اصلاح کرے، وہ آدمی ایسا کرنے کے بعد واپس آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[أَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدُكُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ؟!]

---

[1] سنن أبي داود، الترجل، باب في إصلاح الشعر، حديث: 4163، وإسناده حسن.

’’کیا یہ بات اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی پراگندہ سر کے ساتھ آئے گویا کہ وہ شیطان ہے۔‘‘ ①

رسول اللہ ﷺ کے بکھرے بالوں والے آدمی کو شیطان سے تشبیہ دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے ظاہری ہیئت، حسن منظر اور تزئین و آرائش کا کس قدر خیال کیا ہے اور قبیح منظر بنانے اور اپنی ذات سے بے اعتنائی برتنے پر کس درجہ حرف گیری کی ہے۔

جب رسول اکرم ﷺ کی مردوں کے لیے ایسی ہدایات ہیں تو پھر خواتین کے لیے آپ کی ہدایات کیسی ہوں گی؟ اور وہ جیسا کہ اشارہ گزر چکا ہے، زیبائش، زینت اور جمال کا پیکر ہیں جن سے ان کے شوہر دلی سکون پاتے ہیں، جن کی صحبت سے وہ زندگی کی مسرت، سرور، انس اور لطف اندوزی حاصل کرتے ہیں۔ ایک حساس طبیعت والی مسلمان خاتون پر یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ عورت کے بالوں کی خوبصورتی اس کے حسن و جمال کو دوبالا کرنے والی اور اس کے پرکشش اندازوں میں سب سے نمایاں ترین عمل ہے۔

ظاہری شکل وصورت میں بہترین بنتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون، اپنے لباس اور اپنے ظاہری حال میں، اچھی وضع قطع اور ظاہری ہیئت میں خوبصورتی کا اہتمام کرتی ہے اور اس سلسلے میں فضول خرچی، اسراف، نمائش اور آرائش دکھانے سے بچ کر بھی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک:

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾

’’آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں) کو جس کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟‘‘ ②

① الموطأ، الشعر، باب إصلاح الشعر: 949/2. ② الأعراف 7: 32.

کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''مکحول نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمان روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ حضرات دروازے پر آپ کا انتظار فرما رہے تھے، جب آپ ان سے ملنے کے لیے باہر تشریف لے جانے لگے تو گھر میں موجود پانی کے ایک کوزے میں دیکھنے لگے اور پھر اپنی ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو درست کرنے لگے، میں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی ایسا کر رہے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، جب آدمی اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے باہر نکلے تو اسے اپنی حالت کو سنوار لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔''[1]

اور ایک مسلمان اپنے تمام معاملات میں یہ سب کچھ اسلام کے نظریہ اعتدال کی موافقت میں سرانجام دیتا ہے۔ اور یہ ایسا معتدل نظریہ ہے جس میں افراط و تفریط نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان اقدس کی تصویر کشی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾

''جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''[2]

طبقات ابن سعد میں ہے: سیدنا جندب بن مکیث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی وفد حاضر خدمت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین لباس زیب تن فرماتے اور اپنے اکابر و بزرگ صحابہ کو بھی یہی حکم دیتے، جس روز کندہ کا وفد آیا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے بدن پر یمنی جبہ تھا۔ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اس طرح کے جبوں میں نظر آ رہے تھے۔''[3]

ابن مبارک، طبرانی، حاکم اور بیہقی وغیرہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے کپڑے منگوائے انھیں زیب تن فرمایا اور جب وہ آپ کی ہنسلی تک آ گئے تو فرمایا:

---

① تفسير القرطبي: 197/7. ② الفرقان 67:25. ③ طبقات لابن سعد: 346/4.

[اَلحَمدُلِلّٰہِ الّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهٖ عَورَتِي وَأَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي حَيَاتِي]

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے جن سے میں اپنے ستر کو ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔''[1]

جب تک حسن و جمال کا اظہار، افراط کی حدوں کو نہ چھونے لگے تو وہ اس جائز اور پاکیزہ زیبائش میں سے ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح رکھا ہے اور جس کی اس نے رغبت بھی دلائی ہے:

﴿ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾

''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔''[2]

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

[لَا يَدخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلبِهٖ مِثقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ]

''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

ایک صحابی بولا: آدمی تو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں، اس کی مراد یہ تھی کیا یہ بھی تکبر میں شمار ہوگا؟ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. اَلْكِبْرُ: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ]

''بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال ہی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''[3]

اور یہی وہ معنی مراد ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیکی میں ان کے پیروکار حضرات نے

---

① جامع الترمذي، الدعوات، باب (107)، حديث: 3560، وسنن ابن ماجة، اللباس، باب مايقول الرجل إذا لبس ثوبا جديدا، حديث: 3557. ② الأعراف 7/ 31. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، حديث: 91.

سمجھا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اپنی ہیئت اور اپنے لباس کی خوبصورتی کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے ملبوسات کی خوشنمائی کا خیال رکھا کرتے، آپ کی خوشنمائی اور خوبصورتی کا اہتمام کرنے کی خواہش اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آپ لوگوں کو بھی اس پر ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے اپنے ایک رفیق مجلس کو خستہ حال لباس میں دیکھا۔ آپ اسے ایک جانب لے گئے اور اسے ایک ہزار درہم دیے تاکہ ان سے اپنی ظاہری ہیئت کو درست کرلے۔ وہ آدمی بولا: میں تو آسودہ حال اور نعمتوں والا ہوں، مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ تب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: کیا تجھے یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی؟

[إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ]

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔''[1]

لہٰذا تجھے اپنی حالت کو ایسا بدلنا چاہیے کہ تیرے دوست تجھ سے گھن نہ کھائیں۔ انسانی فطرت کی خوبصورتی کا خیال رکھنا ان چیزوں میں سے ہے جنھیں یہ دین محبوب رکھتا اور ہر ترقی پسند طبیعت اور ہر ذوق سلیم جن کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

نمود و نمائش نہیں کرتی

اپنی ظاہری ہیئت کا اس قدر خیال رکھنے کے باوجود مسلمان خاتون اپنی زیب و زینت کا اظہار نہیں کرتی کہ وہ خاوند اور محرم رشتہ داروں کے علاوہ دوسروں کے سامنے سج دھج کا اظہار کرتی پھرے بلکہ وہ تو مبالغہ کی حدوں کو چھونے والے میک اپ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف اسلام کی حد توازن اور حد اعتدال پر ہی قائم رہتی ہے۔ صرف زیبائش کے معاملے ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اس اصول کو مدنظر رکھتی ہے، تاکہ اس

[1] حديث حسن، جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الله تعالىٰ يحب......، حديث: 2819.

کی زندگی کا کوئی پہلو بھی دوسرے پہلو پر غالب نہ آنے پائے۔

اس کے دل و دماغ سے یہ بات اوجھل نہیں ہوتی کہ جس اسلام نے حلال زینت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے بالکل اسی اسلام ہی نے اس معاملے میں مبالغہ آرائی اور حدوں سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے، کہیں عورت زندگی میں انھی امور ہی کی غلام بن کر نہ رہ جائے کہ اس کی زندگی کا سب سے اہم ترین کام میک اپ ہی بن جائے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے، جو کچھ اس طرح ہے:

[تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ]

''درہم و دینار کا بندہ تباہ ہو جائے، ریشمی دھاری دار چادروں کا بندہ برباد ہو جائے، جب اسے کچھ مل جائے تو راضی ہو جائے اور اگر نہ ملے تو راضی نہ ہو۔''[1]

بلاشبہ آج ہماری خواتین کی کثیر تعداد ایسی ہے جو بیوٹی پارلروں کے پھندے اور جال میں جکڑی ہوئی اور ان کے بین الاقوامی ایجنٹوں کے زیر اثر آ چکی ہیں، حتی کہ نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ ایک مالدار عورت جس قیمتی پوشاک کو ایک بار پہن لیتی ہے اسے دوبارہ نہیں پہنتی بلکہ اسے دوبارہ پہننے کو اپنی کسر شان سمجھتی ہے، تو ایسی خواتین رسول اکرم ﷺ کی مذکورۃ الصدر حدیث مبارکہ کی زد میں آ رہی ہیں، وہ اس غلامی میں واقع ہو چکی ہیں جس سے آپ نے خبردار کیا تھا، وہ ذہنی غلامی کی اسی دلدل میں جا پڑی ہیں اور قیمتی ملبوسات اور سامان تعیش کے معاملے میں بے اعتدالی اور بے راہ روی کا شکار ہو چکی ہیں، ایسی خواتین اپنے اس مقصد حیات سے بہت دور جا پڑی ہیں جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا تھا۔

اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ایک سمجھ دار مسلمان خاتون جو اپنے دین کی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ ہے، وہ ان فضول اور احمقانہ رسومات سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتی ہے اور اپنے روشن و منور دین کی اعتدال اور میانہ روی کی تعلیمات پر سختی سے کاربند رہتی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الحراسة في الغزو، حديث : 2886.

اس کی عقل

وہ اپنی عقل کو علم سے مزین کرتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہ اسی طرح اپنی عقل پر بھی توجہ مبذول کرے جس طرح اس نے اپنے جسم پر توجہ دی ہے، وہ اس لیے کہ عقل پر دھیان دینا جسم کی طرف دھیان دینے سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہے۔

مسلمان خاتون بھی مرد کی مانند مکلّف ہے اور اس کے ذمے بھی اس علم کا حصول واجب ہے جو اس کی دین و دنیا کے لیے مفید ہو، وہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان اقدس

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾

''اور کہہ دیجیے اے میرے پروردگار! میرا علم بڑھا۔''①

پڑھتی ہے، اور رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان سنتی ہے:

[طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ]

''طلب علم ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔''②

تو وہ بخوبی اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ قرآن و سنت کی ہدایت مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ہے اور بلاشبہ وہ بھی معاشرے میں پائے جانے والے فرض عین علوم اور فرض کفایہ علوم کو حاصل کرنے میں مرد کے برابر ہے۔

یقیناً اسلام کے ابتدائی ایام ہی سے اس ربانی معاشرے میں مسلمان خاتون نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا۔ خواتین انصار نے رسول کریم ﷺ سے بایں الفاظ درخواست کی تھی:

''آپ ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی ایک دن متعین فرما دیں جس میں ہم سیکھا

---

① طٰہٰ 114:20. ② سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، حدیث : 224.

کریں کیونکہ مرد حضرات نے آپ کا سارا وقت لے رکھا ہے۔''

تب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یوں جواب ارشاد فرمایا تھا:

''تمہارے لیے فلاں خاتون کا گھر وعدہ گاہ ہے۔''

تو نبی اکرم ﷺ اس گھر میں عورتوں کے پاس تشریف لے جایا کرتے، انھیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے اور انھیں تعلیم دیا کرتے تھے۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ رضی اللہ عنہا [2] نے نبی اکرم ﷺ سے غسل حیض کے متعلق سوال کیا، تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے ایک پانی اور بیری کے پتوں کو لے کر طہارت حاصل کرے، پھر خوب اچھی طرح طہارت کرے، پھر اپنے بدن پر پانی بہائے، پھر کسی روئی وغیرہ کے پھنبے کو خوشبو سے لبریز کر کے اس سے پاکی حاصل کرے۔''

اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کی: وہ اس سے کس طرح طہارت حاصل کرے گی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ اس کے ساتھ طہارت حاصل کرے۔ تب عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا گویا کہ مخفی آواز میں کہہ رہی ہیں: ''وہ اسے خون کے پیچھے لگائے۔''

اور انھی نے غسل جنابت کے بارے میں بھی آپ ﷺ سے استفسار کیا تھا تو آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

''تو اپنا پانی لے، پھر اس سے طہارت حاصل کر، تب خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرلے، بلکہ حصول طہارت میں مبالغے سے کام لے، پھر اپنے سر پر پانی ڈال، اسے اچھی طرح مل لے، حتی کہ پانی سر کی تہوں تک پہنچ جائے، اس کے بعد اپنے اوپر پانی بہالے۔'' [3]

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، حديث: 101.
[2] فتح الباري: 1/827، 828 بحواله الخطيب في المبهمات. [3] صحيح البخاري، الحيض، باب دلك المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض، حديث: 314، وصحيح مسلم، الحيض، باب استحباب استعمال المغتسلة، حديث: 332.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

[نِعْمَ النِّسَآءُ نِسَآءُ الْأَنْصَارِ! لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ]

''انصار کی خواتین بھی کیا ہی خوب خواتین تھیں! دین کو سمجھنے میں حیا داری ان کے آڑے نہیں آئی۔''[1]

اسلام نے عورت پر بھی طلب علم کو اسی طرح واجب قرار دیا ہے جس طرح اس نے مرد پر واجب قرار دیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

[طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ]

''علم کی طلب ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔''[2]

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمان و مکان میں مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو سمجھنے والی ہے وہ علم نافع سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی اہمیت سے اور پھر اپنی شخصیت، اپنی اولاد، اپنے خاندان اور اپنے معاشرے میں اس کی تاثیر رکھنے سے مکمل آشنا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنی دنیا میں نفع دینے والے علوم کو حاصل کرنے میں پورے اطمینان اور پوری رغبت کے ساتھ علم کی پیاسی بن کر لپکتی نظر آتی ہے۔

علمی میدان میں مسلمان خاتون کے کارنامے

مسلمان خاتون پر علم وحکمت کے تمام دروازے کشادہ ہیں جس دروازے میں وہ چاہے داخل ہوسکتی ہے اور قیمتی ترین زیور علم سے آراستہ ہوسکتی ہے اور یہ چیز اس کی نسوانیت اور طبیعت پر چنداں اثر انداز نہیں ہوگی بلکہ اس کی عقل کو مزید جلا بخشے گی اور اس کے احساسات

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب الحياء في العلم، تعليقاً في ترجمة الباب، و صحيح مسلم، حديث : (60) 332. [2] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، حديث : 224.

وخیالات کو ذکاوت عطا کرے گی اور اس کی شخصیت میں چمک اور نمو کو جنم دے گی۔ وہ عظیم مسلمان خواتین کی تاریخ میں علم کی جانب پیش قدمی کرنے میں اس کے خزانوں میں غوطہ زن ہونے میں اور اس سے شکم سیری کرنے میں نادر و نفیس نمونے پالے گی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو حدیث اور سنت مطہرہ میں مرجع اول تھیں، اور آپ اسلام میں فقیہہ اولین بھی تھیں جبکہ آپ عنفوان شباب میں تھیں اور آپ کی عمر مبارک انیس برس سے زیادہ بھی نہ ہوئی تھی۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کے سامنے تمام ازواج النبی کا علم اور باقی تمام خواتین کا علم رکھا جائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم افضل و برتر رہے گا۔''[1]

اور کتنی بار ایسا ہوا ہے کہ کبار صحابہ کرام نے آپ کی طرف رجوع کیا ہے کہ وہ اصول دین میں اور کتاب مبین کی باریکیوں کے سلسلے میں آپ کے قول فیصل کو سنتے رہے ہیں۔

آپ کی رائے کی درستی اور عقل کی پختگی صرف دینی فیصلوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ شعرو ادب اور تاریخ وطب وغیرہ اور اس زمانے میں متداول علوم وفنون میں بھی آپ کا یہ مقام برتر و بلند ہی نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں فقیہ المسلمین عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول بطور شہادت پیش کیا جا سکتا ہے جسے ان کے صاحبزادے ہشام نے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

[مَارَأَیْتُ أَحَدًا أَعْلَمَ بِفِقْهٍ وَّلَا بِطِبٍّ وَّلَا بِشِعْرٍ مِّنْ عَائِشَةَ]

''میں نے فقہ، طب اور شعر و شاعری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر علم والا کسی کو نہیں دیکھا۔''[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس وقت کوئی غلط بات سنی جب کہ وہ اپنے چچیرے بھائی سے آپ کی موجودگی میں محو گفتگو تھا تو

---

① الاستیعاب: 1883/4، والإصابة: 140/8. ② تاریخ الطبری: حوادث سنة : 58 والسمط الثمین: 82، والا ستیعاب: 1885/4.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قواعد کی غلطی پر اس کو ٹوکا:

''ابن ابی عتیق سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں اور قاسم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بات چیت کررہے تھے اور قاسم اپنی گفتگو میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا تھا (یعنی عربی بولنے میں) کیونکہ وہ ام ولد (لونڈی) کا بیٹا تھا، اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا: تجھے کیا ہے کہ تو ایسے گفتگو نہیں کرتا جیسے میرا بھتیجا گفتگو کرتا ہے؟ ہاں میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تجھے یہ چیز کہاں سے ملی ہے۔ اسے تو اس کی ماں نے ادب سکھایا ہے اور تم کو تمہاری ماں نے ادب سکھایا ہے......۔''[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انتہائی اطلاعات رکھنے والی اور باتوں کی تہہ تک پہنچنے والی خاتون تھیں۔ آپ کے وجود مبارک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اپنے آپ کو مجسمہ علم و حکمت بنا لیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی ایسی بات سنتیں، جس کے متعلق زیادہ نہ جانتی ہوتیں تو آپ سے اس بارے میں پوچھتیں اور بار بار پوچھتیں حتی کہ اس کے بارے میں معرفت حاصل کر لیتیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ]

''جس کا حساب لیا گیا وہ عذاب کیا گیا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کی، کیا اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرماتا ہے:

﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾

''اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔''[2]

آپ فرماتی ہیں: تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[إِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ، وَلٰكِنْ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ]

''وہ تو صرف پیشی ہوگی، لیکن جس کا کرید سے حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب كراهية الصلاة بحضرة الطعام......، حديث: 560.

[2] الانشقاق 8:84. [3] صحيح البخاري، العلم، باب من سمع شيئا فراجع حتىٰ يعرفه، ◄◄

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان تمام علوم میں مہارت رکھنے کے علاوہ فصیح اللسان اور بلیغ القال بھی تھیں۔ جب گفتگو فرماتیں تو لوگوں کے کانوں اور دلوں پر قبضہ کر لیتی تھیں۔ یہی وہ دعویٰ ہے جس کا احنف بن قیس رحمہ اللہ نے بایں الفاظ دعویٰ پیش کیا ہے: ''میں نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی اوران کے بعد کے خلفاء کے خطبات سنے ہیں لیکن میں نے جتنے جاندار اور حسین الفاظ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے سنے ہیں کسی کے منہ سے نہیں سنے۔''

موسیٰ بن طلحہ نے یوں کہا ہے: ''میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح اللسان کسی کو بھی نہیں دیکھا۔''[1]

علم وحکمت میں مہارت پانے والی خواتین میں سے ایک سیدنا سعید بن میبّب، جو کہ اپنے دور کے نابغہ روزگار عالم دین تھے، کی صاحبزادی بھی ہیں جنھوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے صاحبزادے سے کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اپنے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے نیک سیرت طلباء میں سے ایک سے اس صاحبزادی کی شادی کر دی تھی، جس کا نام نامی عبداللہ بن وداعہ تھا، جب یہ عبداللہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ زمانے کی خوبرو دوشیزہ ہے، کتاب الٰہی کو ازبر رکھنے والی ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کو اور حقوق زوجیت کو خوب جاننے والی ہے۔ جب عبداللہ نے صبح کی اور باہر جانے کے لیے اٹھے، تو ان کی بیوی دریافت کرتی ہے: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: تیرے والد بزرگوار سعید بن میبّب کی مجلس میں حاضر ہونے کا ارادہ ہے تاکہ کسب فیض کر سکوں، تو بولیں: یہیں بیٹھ جائیں میں تمھیں سعید بن میبّب کا علم سکھائے دیتی ہوں تو یہی عبداللہ مہینہ بھر اسی خوبصورت لڑکی کے پاس رہے، ان کے باپ کی محفل میں حاضر نہ ہوئے اور انہی سے حصول علم کرتے رہے اور ان کے باپ سے بے نیاز رہے۔

سیدہ عائشہ، امہات المومنین رضی اللہ عنہن سعید بن میبّب رحمہ اللہ کی صاحبزادی فاطمہ سمرقندی

◄◄ حديث : 103. [1] سنن الترمذي، المناقب، باب من فضل عائشه رضى الله عنها، حديث : 3884 وقال حسن صحيح غريب.

اور دوسری مشہور و معروف خواتین پر ہی بس نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سی علم حاصل کرنے والی مستورات ہیں جو احاطۂ شمار میں نہیں ہیں جنہوں نے بیشتر علوم میں مہارت تامہ بھی حاصل کی ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب ''الطبقات'' میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں صرف خواتین سے مروی احادیث ہی کو جمع کیا ہے، جس میں انہوں نے سات سو سے زائد خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کو روایت کیا ہے یا آپ کے معتبر اور ثقہ اصحاب سے اخذِ حدیث کیا ہے، اور جن سے معروف زمانہ علماء محدثین اور ائمہ مسلمین نے روایت لی ہے۔

اور یہ ہیں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ جو 571ھ میں فوت ہوئے ہیں، جو راویان حدیث میں سے ثقہ ترین اور سچے ترین راویوں میں سے ہیں حتی کہ وہ ''حافظ الأمة'' کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے، ان کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست میں اسّی سے زائد اساتذہ خواتین ہیں۔ ①

صحیح البخاری کی درخشندہ و تابندہ راویات حدیث کے اسماء گرامی میں سے وزیرہ بنت محمد بن عمر بن اسعد بن منجی التنوخیہ اور کریمہ بنت احمد مروزیہ بھی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان دونوں کا تذکرہ فتح الباری کے مقدمہ میں بھی فرمایا ہے۔ ②

دور حاضر کی مسلمان خاتون جب وہ مسلمان خاتون کے تاریخی مقام و مرتبہ اور اس کے تابناک ورثے کے سامنے کھڑی ہوتی ہے تو وہ علم و حکمت سے محبت کرنے اور اس کی جانب بڑھنے میں مزید پیش رفت کرتی ہے۔ عظیم خواتین کا نام تاریخ اسلام میں فقط علم کی بدولت ہی موجود ہے، انہوں نے تاریخ عالم میں جو بلند و بالا مقام حاصل کیا ہے وہ بھی صرف علم کی وجہ ہی سے ہے، ان کی عقلوں کو نمو دینے اور ان کی رائے کو پختہ تر کرنے، بالغ نظری عطا کرنے، شخصی قوت اور عقلی برتری عطا کرنے میں علم نافع اور درست راہنمائی ہی نے انہیں زادِ راہ فراہم کیا ہے۔

---

① طبقات الشافعیه : 273/4. ② فتح الباري : 7/1.

اپنے آپ کو خرافات سے دور رکھتی ہے

مسلمان خاتون علم کی جانب پیش قدمی کرنے والی ہوتی ہے اور خرافات، قصے کہانیوں اور چٹکلوں لطیفوں سے دور رہنے والی ہوتی ہے جو عموماً ان پڑھ اور جاہل خواتین کو خراب کردیتے ہیں، اس کے برعکس سمجھدار اور اپنے دین کی رہنمائی میں زندگی گزارنے والی خاتون اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ اہل بدعت کی طرف مائل ہونا، خرافات، اساطیر، کہانت اور جادو وغیرہ کی طرف جانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو مومن کے عمل کو برباد اور اس کی آخرت کو تباہ کردیتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً]

''جو کسی کاہن (جوتشی، نجومی، فال گیر وغیرہ) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس رات تک نماز قبول نہ ہوگی۔''[1]

اور امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے فرمان نبوی بایں الفاظ روایت کیا ہے:

[مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ]

''جو کسی کاہن کے پاس آئے پھر اس کی ان باتوں کی تصدیق کرے جو وہ کہے تو وہ محمد (ﷺ) پر اتاری گئی شریعت سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔''[2]

مطالعہ کی شوقین ہوتی ہے

مسلمان عورت کو خانگی مصروفیات اور مادرانہ ذمہ داریاں مطالعہ کتب و جرائد سے نہیں روکتیں، وہ اس لیے کہ ایک ذمہ دار سمجھدار مسلم خاتون اس بات کا ادراک رکھتی ہے کہ مطالعہ

---

[1] صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، حديث: 2230. [2] سنن أبي داوٗد، الطب، باب في الكاهن، حديث: 3904.

ایک ایسا گھاٹ ہے جو عقل کو معرفت و دانائی عطا کرتا ہے اور اسے ایسی غذا فراہم کرتا ہے جو اس کو کشادگی، وسعت، پختگی، برتری اور درخشندگی بخشتا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی رہنمائی سے یہ بات یاد رکھتی ہے کہ طلب علم ہر مسلمان مرد وزن پر فرض ہے اور جو اپنی عقل کو علم اور دائمی معرفت سے معطر رکھتی ہے اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ نفع مند مطالعے سے لاتعلق ہو جائے اگرچہ اس پر ہجوم مشاغل وارد ہوں یا خواہ اسے مادرانہ ذمہ داریاں ہی تھکا دیتی ہوں۔ یقیناً وہ وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ وقت نکالتی رہتی ہے جس میں وہ کسی مفید کتاب کا مطالعہ کر لیتی ہے یا کسی مفید علمی رسالے سے مستفید ہو جاتی ہے، وہ ان جدید آراء و معلومات سے اپنی فکر و دانش کو تر و تازہ کرتی رہتی ہے جو علماء و ادباء اور مفکرین علمی، ادبی، معاشرتی اور فکری آراء پیش کرتے رہتے ہیں، وہ اپنے ذہن کے آفاق کو وسعت اور اپنی عقلی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے، اور اپنی معلومات میں بھی اضافہ کرتی رہتی ہے۔

اس کی روح

مسلمان عورت اپنے دین کی رہنمائی میں رہنے والی اس امر سے غافل اور بے پروا نہیں رہتی کہ وہ عبادت الٰہی، ذکر ربانی اور تلاوت قرآنی کے ذریعے سے اپنی روح کو صیقل اور پالش کرتی رہے، اور وہ بھی مستقل متعین اوقات میں جن سے وہ کوتاہی نہیں کرتی، جس طرح مسلمان خاتون سے اپنے جسم اور اپنی عقل کا خیال رکھنے کا کہا گیا ہے بالکل اسی طرح اپنی روح کا خیال رکھنے کا بھی اس سے کہا گیا ہے کیونکہ اسے اچھی طرح باور کروا دیا گیا ہے کہ انسان جسم، عقل اور روح سے مجسم ہے اور ان تینوں چیزوں میں سے ہر ایک کا آدمی پر حق ہے۔ انسان کا کمال اور تفوق اس کے جسم، عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رکھنے ہی سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ کسی ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر برتری نہ دے، ان تینوں پہلوؤں کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے ہی میں یکساں، متعدل، پختہ اور کشادہ شخصی نشو ونما

کی ضمانت ہوتی ہے۔

عبادت گزاری اور تزکیۂ نفس کا التزام کرتی ہے

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون بذریعہ عبادت اپنی روح کو صیقل کرنے کا حق بھی ادا کرتی ہے، وہ بڑے صاف، خاموش، مطمئن نفس کے ساتھ عبادت الٰہی کی طرف بڑھتی ہے تاکہ روحانی معانی اس کے نفس کی گہرائیوں میں سرایت کرتے جائیں اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق شور وغوغا اور دلی مصروفیات کے امور سے بعید تر رہتے ہوئے اسے سرانجام دیتی ہے۔ جب وہ نماز پڑھتی ہے تو نفس کی دلجمعی اور فکر و سوچ کی صفائی کے ساتھ اس انداز سے کہ حالت نماز میں جس قدر قرآنی آیات اور ذکر و تسبیحات پڑھتی ہے اس کا نفس ان کے معانی کو جذب کرتا جاتا ہے۔ پھر کچھ وقت کے لیے اپنے نفس کو الگ تھلگ کر لیتی ہے، اپنے پروردگار اور مالک کی تسبیح خواں رہتی ہے، اس کے کلام کی کچھ آیات تلاوت کرتی ہے، جو ذکر اس کی زبان سے جاری ہوتا ہے اس کے معانی پر تامل و تدبر کرتی جاتی ہے اور جو فکر اس کے دل میں موجزن ہوتی ہے اسے مستحضر رکھتے ہوئے اپنے تصرفات و معمولات اور اقوال و افعال کو ادا کرتی ہے، اگر اس سے کوئی مخالفت سرزد ہو جائے یا ذات الٰہی کے معاملے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو اپنے نفس کا محاسبہ کرتی ہے تو اس طرح وہ عبادت الٰہی سے مقصود تزکیۂ نفس اور تصفیۂ عقل کو پانے کے لیے مخالفت اور معصیت کے میل کچیل سے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے مزید وہ شیطان کی جاری و ساری ہلاکت خیز وسوسہ اندازی کو رائیگاں بنا دیتی ہے، ایک مسلمان خاتون جو متقی اور راست باز ہوتی ہے وہ کبھی خطا اور تقصیر کی مرتکب بھی ہو جاتی ہے، کبھی اس کا قدم متزلزل بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ جلد ہی اپنی تقصیر و خطا کو چھوڑ کر راست رو بن جاتی ہے، اپنی غلطی کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتی اپنے گناہ سے تائب ہو جاتی ہے، بلاشبہ پرہیزگار خواتین کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

مُّبۡصِرُوۡنَ﴾

”یقیناً جولوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔“[1]

اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے:

”اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔“ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ فرمایا: ”لا الہ الا اللہ کا بول کثرت سے پڑھا کرو۔“[2]

ایک متقی مسلمان خاتون ہمیشہ اپنی روحانی قوت اور اپنے تزکیۂ نفس کو پانے کے لیے دائمی ذکر، عبادت، محاسبہ، خشیت الٰہی اور اپنے دیگر اعمال میں مراقبت الٰہی رکھنے سے مدد لیتی رہتی ہے۔

نیک ساتھی اور ایمانی مجالس اختیار کرتی ہے

اس بلند و بالا مرتبے تک پہنچنے کے لیے وہ پاکیزہ کردار، صالح اور متقی سہیلی کو اختیار کرتی ہے، جو اس کے ساتھ خالص محبت رکھتی اور دل سے اس کی خیر چاہتی ہے، جو کسی بھی معاملے میں اس سے دھوکا نہیں کرتی۔ مسلمان دوشیزہ کے معاملے کی درستی میں عادات حسنہ اور شمائل رفیعہ سے آراستہ کرنے میں نیک سہیلی کا بہت ہی گہرا اثر ہے۔

لہٰذا ساتھ رہنے والی ہم نوالہ و ہم پیالہ سہیلی کو اخلاق و عادات میں غالباً اس کی ہمجولی ہی ہونا چاہیے۔ ایک عربی شاعر نے یوں کہا ہے:

”آدمی کے متعلق مت پوچھ بلکہ اس کے ساتھی اور ہم نشین کے متعلق پوچھ کیونکہ ہر ساتھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی ہی پیروی کرتا ہے۔“

معززین و شرفاء کے ساتھ رہنا سہنا ہی نفس کی شرافت اور ساتھی کے معزز ہونے کی دلیل ہے۔ عربی شاعر کے بقول:

---

① الأعراف 201:7. ② مسند أحمد: 359/2.

''معززین کے ساتھ رہن سہن رکھنے ہی سے تو ان میں شمار کیا جائے گا لہٰذا تجھے ان کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ الفت رکھنے والا نہ دیکھا جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بروں سے پہلو تہی رکھنا واجب ہے اسی طرح نیکوں کی ہم نشینی اختیار کرنا بھی واجب ہے۔ عربی شاعر کا تجزیہ ملاحظہ ہو:

''جب تو لوگوں میں بیٹھا ہو تو ان کے بہترین حضرات کے ساتھ ہم نشینی اختیار کیا کر، کم رتبہ اور ردی لوگوں کے پاس مت بیٹھو گرنہ ردی کے ساتھ تو بھی ردی ہو جائے گا۔''

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ساتھی سے ملتے تو کہا کرتے: ''آؤ ہم کچھ دیر کے لیے اپنے پروردگار پر ایمان بڑھا لیں۔''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ فرمان پہنچایا کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے:

[يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ رَوَاحَةَ، إِنَّهُ يُحِبُّ الْمَجَالِسَ الَّتِي تَتَبَاهٰى بِهَا الْمَلَائِكَةُ]

''اللہ تعالیٰ ابن رواحہ پر رحم فرمائے، وہ ایسی مجلسوں کو پسند رکھتا ہے جن پر فرشتے فخر اور رشک کرتے ہیں۔''[1]

خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے مشاغل اور فیصلوں کی الجھنوں سے الگ تھلگ ہو کر، کسی ایک یا دو مردوں کا ہاتھ تھامتے اور یہ کہتے:

''ہمارے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، آؤ، ہم ایمان بڑھا لیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے۔[2]

اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء و اصحاب سے کہا کرتے تھے جبکہ وہ چل رہے ہوتے تھے:

''ہمارے پاس بیٹھو تا کہ ہم کچھ دیر کے لیے اپنے ایمان کو راسخ کر لیں۔''[3]

---

① مسند أحمد : 365/3. ② حياة الصحابة : 329/3. ③ صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: "بنا الإسلام على خمس" تعليقًا.

مسلمان اپنی روح کو تقویت دینے، اپنی جان کا تزکیہ کرنے، اسے اعلیٰ مراتب تک رسائی دینے اور اسے ادنیٰ درجے کی طرف پلٹنے سے بچانے کا ذمہ دار بھی ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے والی ذات کی، پھر اس کے دل میں بدی اور نیکی (کی پہچان) ڈال دی، جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔''[1]

اسی لیے مسلمان خاتون سے صالح اور نیک سہیلیوں، بہترین ماحول اور اچھی مجالس کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جو اس کی روحانیت کو بلندی، اعمال میں تقویٰ اور نفس میں صفائی پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

مسنون اذکار اور دعاؤں کا بکثرت اہتمام کرتی ہے

وہ چیزیں جو مسلمان خاتون کی روحانی تقویت اور اللہ عزوجل کے ساتھ قلبی تعلق کو گہرا کرتی ہیں ایک چیز بطور معاون یہ بھی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے منقول بعض دعاؤں اور اذکار کو یاد کرتی ہے جنہیں آپ ﷺ کم و بیش اپنے ہر عمل میں پڑھا کرتے تھے جو دعاؤں کے نام سے معروف ہیں، نبی مکرم ﷺ سے ہر اس کام کے بارے میں کچھ نہ کچھ ورد یا دعا منقول ہے جو آپ سرانجام دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑے ہی دلکش الفاظ کے ساتھ وہ دعائیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کی ہیں، گھر سے نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، کھانا شروع کرنے کی دعا، کھانے سے فارغ ہو کر پڑھنے والی دعا، نیا لباس زیب تن کرنے کی دعا، بستر پر لیٹنے کی دعا، نیند سے بیدار ہونے کی دعا، مسافر کو الوداع کرنے کی دعا اور اس کا استقبال کرنے کی دعا..... اسی طرح تقریباً ہر اس عمل میں کوئی نہ کوئی دعا موجود ہے جسے

[1] الشمس 91:7-10.

آپ ﷺ کیا کرتے تھے، آپ ﷺ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کی کوشش میں برکت فرمائے، آپ کو لغزش سے بچائے، آپ کو راہِ راست سمجھائے، آپ کے لیے نیکی لکھے اور آپ کو برائی سے محفوظ رکھے، جو کہ کتب احادیث میں تفصیلاً منقول ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ سے باسند مروی ہیں۔

نبی معظم ﷺ ان اذکار وادعیہ کے دلکش الفاظ اپنے صحابہ کرام کو بھی سکھلایا کرتے اور انہیں ان کے اوقات میں پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون تو آج اس روحانی غذا کی انتہائی زیادہ ضرورت مند ہے جس سے وہ اپنی روح کو غذا بہم پہنچا سکتی ہے، اپنے نفس کو روشن کر سکتی ہے اور زمانے کی ہلاکتوں، آفتوں اور اس کی ان الجھنوں سے دور رہ سکتی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے باغی و سرکش معاشروں کو آتش جہنم کی طرف دھکیل دیا ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے:

[اِطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ]

''میں نے (شب معراج) دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں میں نے عورتوں کو زیادہ تعداد میں دیکھا۔''[1]

……❀……

[1] صحیح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء وأكثر……، حديث : 2737.

باب: 3

مسلمان خاتون اپنے والدین کے ساتھ

ان واضح ترین کاموں میں سے جن سے ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ممتاز بنتی ہے اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا بھی ہے، اس بنا پر کہ اسلام نے کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی بے شمار قطعی نصوص میں والدین کے ساتھ نیک رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ہر مسلمان خاتون جو بھی ان نصوص و دلائل کا مطالعہ کرتی ہے اسے ان کو اپنائے بغیر اور والدین کے ساتھ نیکی کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اس سے قطع نظر کہ ان کے باہمی احوال وظروف کیسے ہیں اور ان کے باہمی تعلقات خواہ کیسے بھی ہوں۔

ان کی قدر ومنزلت کو پیش نظر رکھتی ہے

مسلمان خاتون اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرنے سے اس بلند مرتبہ کو سمجھ لیتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے والدین کو فائز فرمایا ہے، یہ ایسا رتبہ ومقام ہے جسے اس دین حنیف کے علاوہ کسی دوسرے دین نے انسانوں کے سامنے متعارف نہیں کروایا۔ جس نے اس مقام بلند کو ایمان باللہ اور عبودیت الٰہی کے معاً بعد رکھا ہے۔ ایسی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو اللہ کی رضا مندی کے بعد والدین کی رضا کو بیان کرنے والی ہیں، جو ایمان باللہ کے بعد تمام فضیلتوں سے سرفہرست ان سے نیکی کرنے کو بیان کر رہی ہیں:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

"اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے

ساتھ حسن سلوک و احسان کرو۔‘‘ [1]

اس وجہ سے اپنے دین کی رہنمائی کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے والی ہوتی ہے، خواہ وہ کسی بھی عمر کی ہو، کیونکہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اس کی ازدواجی زندگی اور اولاد کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے سے موقوف تو نہیں ہو جاتی، بلکہ والدین کے ساتھ نیکی و احسان کرنا تب تک جاری رہتا ہے جب تک اس کی عمر چلتی ہے اور ایام اس کا ساتھ دیتے ہیں اور یہ قرآن کریم کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کرتی ہے جو زندگی کے آخری سانسوں تک والدین کے بارے میں حکم دینے والا ہے، خصوصاً جب وہ بڑھاپے کی طرف سرک جاتے ہیں، جب وہ کمزوری اور ناتوانی کے مراحل تک پہنچ جاتے ہیں، جب وہ بلند اخلاق، ہلکی سی مسکراہٹ اور میٹھے بول سننے کے محتاج ہو جاتے ہیں:

’’اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔‘‘ [2]

متقی سمجھدار مسلمان خاتون جس کی نور بصیرت قرآن مجید سے منور رہتی ہے ایسی ہی خوبصورت ربانی وحی کو پاتی رہتی ہے، جب بھی وہ ان آیات کی تلاوت کرتی ہے جو والدین کے بارے میں وصیت کرنے والی ہیں، تو ان کے ساتھ اس کی نیکی بڑھ جاتی اور ان سے احسان مزید ترقی پاتا ہے، وہ ان کی خدمت کرنے کی طرف پہلے سے زیادہ لپکتی ہے، اور ان کی رضامندی کی تلاش میں اپنے آپ کو مزید وقف کر دیتی ہے، خواہ اس کا خاوند بھی ہو اور اولاد اور دیگر ذمہ داریاں بھی کیوں نہ ہوں۔

---

[1] النسآء 4:36. [2] بنيٓ إسرآئيل 17:23، 24.

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾

''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے۔''[1]

والدین سے نیکی و حسن سلوک کرنے کے بارے میں وارد نصوص میں غور وفکر اور سوچ بچار کرنے والا، بہت سی احادیث شریفہ کو پاتا ہے کہ وہ آیات کریمہ کی مسلسل ہم رکابی کرنے والیں، والدین سے نیکی کی فضیلت کی تاکید کرنے والیں اور ان کی نافرمانی و بدخواہی سے خواہ حالات واسباب کیسے ہی کیوں نہ ہوں، ڈرانے والیں ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ فرمایا: ''والدین سے نیکی کرنا۔'' میں نے عرض کی: پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جہاد فی سبیل اللہ۔''[2]

رسول کریم مربی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین سے نیکی کرنے کو اسلام کے دو عظیم عملوں، یعنی نماز کو وقت پر ادا کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے درمیان بیان فرمایا ہے۔ نماز تو دین کا ستون ہے جبکہ جہاد اسلام کی کوہان ہے، تو یہ کس قدر ہی اونچا اور ارفع مقام ہے جس پر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو فائز فرمایا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ایک شخص ہجرت اور جہاد کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی تمنا لیے حاضر ہوتا ہے، آپ اس کو قبول کرنے میں قدرے توقف فرماتے ہیں اور اس سے یہ استفسار کرتے ہیں:

''کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟''

وہ آدمی عرض کرتا ہے: جی ہاں، بلکہ دونوں ہی حیات ہیں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پوچھتے ہیں:

---

[1] العنكبوت 29:8. [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل الصلاة لوقتها، حديث: 527.

''تو اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی آرزو بھی رکھتا ہے؟''

تب وہ شخص جواب دیتا ہے: جی ہاں! تب رسول کریم ﷺ یہ فرماتے ہیں:

[فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ، فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا]

''اپنے ماں باپ کے پاس لوٹ جا، ان کی خوب خدمت کر۔''①

شیخین کی روایت میں ہے: ایک آدمی حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کرتا ہے، تب آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' تو اس نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ] ''ان دونوں ہی میں جہاد کرو۔'' یعنی ان کی خوب خدمت کرو۔②

جس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں نے ان کے اسلام لانے کو برا جانا، تو اس نے سعد سے یہ کہا تھا: یا تو تو اپنے اسلام سے پلٹ آ، یا پھر میں کھانے سے کنارہ کش ہو جاؤں گی حتی کہ میں مرجاؤں، پھر تجھے عربوں سے یہ طعنہ سننا پڑے گا: اپنی ماں کا قاتل۔ تب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسے یہ جواب سنایا تھا: تو اچھی طرح جانتی ہے، اللہ کی قسم! اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور وہ باری باری کر کے سب نکلتی جائیں میں تب بھی اپنے اسلام سے نہیں پلٹوں گا۔ اس کی ماں نے ایک دو روز تو صبر سے بھوک کو برداشت کر لیا لیکن تیسرے روز جب بھوک کی شدت بڑھ گئی تو اس نے کھانا کھا لیا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا یہ مقام نازل فرمایا، جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے تلاوت فرمایا، جس میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے اپنی ماں کو سخت الفاظ اور دل دکھانے والے لہجے میں جواب دینے پر اظہار ناراضی موجود ہے:

---

① صحيح البخاري، الجهاد، باب الجهاد باذن الأبوين، حديث : 3004، 5972، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب برالوالدين، حديث : 254. ② صحيح البخاري، الجهاد، باب الجهاد بإذن الأبوين، حديث :3004، 5972، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب برالوالدين، حديث: 2549.

﴿ وَإِنْ جَاهَدٰكَ عَلَىٰٓ أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا۔''[1]

عبادت گزار جریج کے قصے میں بھی والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کی اطاعت گزاری میں جلدی کرنے کی اہمیت کے متعلق بہت بڑا سبق موجود ہے جب اس کی ماں نے اسے آواز دی تھی اور وہ حالت نماز میں تھا۔ وہ دل میں سوچنے لگا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں اور دوسری طرف میری نماز۔ چنانچہ اس نے نماز کو ہی جاری رکھا۔ اس کی ماں نے اسے دوبارہ آواز دی، تب بھی اس نے اس بات کو قبول نہ کیا بلکہ نماز کو جاری رکھا، اس نے تیسری بار پکارا، تو جب اس نے دیکھا کہ اب بھی اس نے لبیک نہیں کہا، تو اسے بددعا دیتی ہے کہ اے اللہ! اسے موت نہ دے جب تک وہ بدکارہ اور فاحشہ عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔ ایک بدکارہ نے کسی چرواہے سے بدکاری کی اور اس سے حاملہ ہوگئی جب وہ اپنے معاملے کے کھل جانے پر فکر مند ہوئی چرواہے نے اسے یہ کہا: اگر تجھ سے نومولود کے باپ کے متعلق سوال کیا جائے تو یہی کہنا: وہ عبادت گزار جریج اس کا باپ ہے، چنانچہ اس نے یہی کہہ دیا۔ لوگ جریج کا عبادت خانہ گرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حاکم نے کھلے میدان میں لے جانے کا حکم صادر کردیا، ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اپنی ماں کی بددعا یاد آئی تو وہ مسکرا دیا، جونہی اسے سزا دینے کے لیے آگے کھڑا کیا گیا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت طلب کی، پھر اس نے بچے کو منگوایا، اس کے کان میں دبی آواز میں یہ کہا: تیرا باپ کون ہے؟ وہ بولا: میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔[2]

---

[1] لقمان 31:15.

[2] یہ بچہ ان تینوں میں سے ایک ہے جنھوں نے گود میں کلام کیا ہے اور دوسرے دونوں یہ ہیں: »

تب لوگوں نے بلند آواز سے لا الہ الا اللہ کہا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا اور عرض کرنے لگے: ہم تیرے عبادت خانے کو اب سونے اور چاندی سے بنا دیں گے، وہ بولا: نہیں جیسے مٹی اور گارے کا پہلے تھا ویسا ہی بنا دو۔

پھر نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

[لَوْ كَانَ جُرَيْجٌ عَالِمًا لَعَلِمَ أَنَّ إِجَابَتَهُ أُمَّهُ أَوْلَى مِنْ عِبَادَةِ رَبِّهِ]

''اگر جریج عالم ہوتا تو ضرور یہ جان لیتا کہ اس کا اپنی ماں کی بات کو قبول کر لینا اپنے پروردگار کی عبادت گزاری سے بہتر ہے۔''[1]

یہیں سے فقہاء نے یہ رائے پیش کی ہے کہ جب کوئی آدمی نفل نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے والدین میں سے کوئی اسے آواز دے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنی نماز کو توڑ کر اس کی بات کو سنے۔

بلاشبہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ والدین سے نیکی کرنا واجب ہے، لہٰذا بچوں اور بچیوں کو اپنے والدین کی زندگی میں اور ان کی موت کے بعد بھی ان سے نیکی کرنے میں عجلت و مسارعت سے کام لینا چاہیے۔ اس ضمن میں اخبار و احادیث بکثرت وارد ہیں، ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

''جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور بولی: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن مرنے سے پہلے حج نہ کر سکی، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اس کی طرف سے حج کر، اچھا ذرا تو یہ بتا اگر تیری ماں کے ذمے قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی؟ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ بنتا ہے کہ اس سے وفا کی جائے۔''[2]

◄◄ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اور وہ بچہ جو اصحاب اخدود (کھائیوں) والوں میں سے اپنی والدہ کے ساتھ تھا۔

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب إذا دعت الأم ولدها في الصلاة، حديث: 1206، 2482. ② صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب الحج والنذور، حديث: 1852.

مسلم کی روایت میں ہے، اس عورت نے کہا: اس پر ایک ماہ کے روزے تھے، تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے روزے رکھ۔'' وہ بولی: ''اس نے کبھی حج نہ کیا تھا تو کیا میں اس کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف سے حج بھی کر لے۔''[1]

وہ غیر مسلم والدین سے بھی نیکی کرتی ہے

اسلام کے عظیم نبی ﷺ انسانیت کو بلند چوٹی تک لے جانے کے لیے اپنی مبارک ہدایات میں انتہائی بلندی پر ہیں کیونکہ آپ ماں باپ کے ساتھ، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، نیکی و احسان کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں، اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میری ماں میرے پاس آئی، جب کہ وہ مشرکہ تھی اور یہ عہد رسالت مآب ﷺ کی بات ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا، میں نے عرض کی: میری ماں میرے پاس آئی ہے جو کہ میرے پاس موجود چیزوں میں رغبت رکھتی ہے، کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی ماں سے ملو۔''[2]

قرآن کریم کی اعلیٰ ترین ترجیہات اور بلند ترین نبوی توجیہات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کے لیے کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ پوری مخلوق الٰہی سے بڑھ کر اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا رویہ رکھنے والی بن جائے اور ان سے بہترین معاشرت رکھنے والی ہو جائے اور یہ ہر حال میں اور ہر وقت میں ہو، اور یہی طرز عمل تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور ان لوگوں کا جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی اختیار کی، ایک آدمی نے سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے یوں دریافت کیا کہ والدین کی بابت ساری آیت مبارکہ میری سمجھ میں

---

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث : 1149. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب صلة المرأة أمها ولها زوج، حديث : 5979 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين، حديث : 1003 .

آ گئی ہے علاوہ اس حصے کے:

﴿ وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴾

''ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔''[1]

تو اس ادب و احترام سے بات چیت کرنے سے کیا مراد ہوسکتا ہے؟ تب سیدنا سعید بن مسیتب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا: ان سے اس طرح مخاطب ہوا کرو جس طرح کوئی غلام اپنے آقا سے مخاطب ہوتا ہے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ اپنی والدہ سے دھیمی آواز سے گفتگو کیا کرتے تھے جس طرح کہ کسی مریض کی آواز ہے اور یہ اس کے ادب واحترام اور تکریم و تعظیم کی بنا پر کرتے تھے۔

ان کی نافرمانی کرنے سے ڈرتی رہتی ہے

والدین کے ساتھ سلوک رکھنے کے بقدر مسلمان خاتون ان کی نافرمانی کے جرم میں واقع ہونے سے ڈرتی بھی ہے، یہ اس لیے کہ وہ اس جرم کے بوجھ کو سمجھتی ہے جسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا جاتا ہے، وہ اس تاریک اور ترش صورت حال کو بھی جانتی پہچانتی ہے جسے نصوص صحیحہ نے والدین کی نافرمانی کرنے والی ہر خاتون کے لیے واضح بیان کیا ہے۔ یہ نصوص صحیحہ اس کے سخت دل سے کھٹکتے اور اس کے سوئے ہوئے ضمیر کو ہلاتے اور اس کے جامد احساسات کو بیدار کرتے ہیں۔ تاریک صورت حال یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے جرم سے ملایا گیا ہے جس طرح ان سے حسن سلوک کرنے کو ایمان باللہ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، یہ نافرمانی انتہائی گھناؤنا اور دلدوز جرم ہے جس پر ایک سچی مسلمان خاتون کی عقل حواس باختہ ہوجاتی ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں، بلاشبہ یہ اکبر الکبائر اور تمام گناہوں سے بھاری گناہ ہے۔

سیدنا ابو بکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''کیا میں تمہیں اکبر الکبائر سے آگاہ نہ کروں؟ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا: ہم نے

[1] بنيٓ إسرآئيل 23:17.

عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[أَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ]

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''[1]

اول ماں سے، دوم اپنے باپ سے نیکی کرتی ہے

اسلامی تعلیمات والدین سے نیکی کرنے پر ابھارتی ہیں اور بعض تعلیمات ماں اور باپ دونوں کے ساتھ انفرادی طور پر حسن سلوک اختیار کرنے میں بھی خاص طور پر موجود ہیں، جو مجموعی اعتبار سے بچوں اور بچیوں کو اپنے والدین سے توازن و اعتدال کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتی ہیں جبکہ بعض نصوص میں باپ کی نسبت ماں کے ساتھ نیکی کرنے کو مقدم سمجھنے کی تاکید بھی وارد ہے۔

یہ ہیں رسول اللہ ﷺ، آپ اس آدمی سے سوال کررہے ہیں جو جہاد کی خاطر بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے:

[فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌ حَيٌّ؟]

''کیا تیرے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟''

یہ واضح تر ثبوت ہے کہ رسول اکرم ﷺ والدین میں سے ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے کو واجب گردانتے ہیں۔ ہم نے حدیث اسماء رضی اللہ عنہا میں بھی دیکھا ہے کہ آپ نے انہیں اپنی مشرکہ ماں سے بھی صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ صحبت وسلوک کا تمام لوگوں میں سے کون زیادہ حقدار ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے اسے یہ جواب دیا: ''تیری ماں'' اس نے عرض کی: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں'' وہ بولا: پھر کون؟

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5976، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87.

آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری ماں“ وہ بولا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیرا باپ۔“[1]

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم ﷺ کی جانب سے یہ تاکید ہے کہ ماں سے نیکی کرنا باپ سے نیکی کرنے پر مقدم ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رسول اکرم ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لیے اسی معنی کی تاکید و تعلیم فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی، جو کہ حبر الامہ اور فقیہ امت ہیں، والدہ کے ساتھ نیکی کرنے کو اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین اعمال میں سے بیان کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک آدمی عرض پرداز ہوا: میں نے ایک خاتون کو پیغام نکاح بھیجا تو اس نے مجھ سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا، میرے علاوہ کسی اور نے پیغام نکاح بھیجا تو اس نے اس سے نکاح کرنے کو پسند کر لیا، مجھے اس عورت پر غیرت آ گئی چنانچہ میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے، تو کیا میری کوئی توبہ ممکن ہے؟ پوچھا: کیا تیری ماں حیات ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ تب فرمایا: اللہ عزوجل سے توبہ کرو، اور مقدور بھر کوشش سے اس کا قرب حاصل کرو۔ سیدنا عطاء بن یسار جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں: میں عبداللہ بن عباس کے پاس حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا: آپ نے اس شخص سے اس کی ماں کی زندگی کی بابت کیوں پوچھا تھا؟ فرمانے لگے: میں کوئی عمل ایسا نہیں جانتا جو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے بڑھ کر اللہ عزوجل کا مقرب کرنے والا ہو۔[2]

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الادب المفرد“ میں والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے بیان میں ”ماں کے ساتھ نیکی کرنے“ کے باب کو باپ کے ساتھ نیکی کرنے پر مقدم بیان فرمایا ہے، وہ بھی اپنی اس باب بندی میں اسی ترتیب اور ربط کو اور نبی کریم ﷺ کی ہدایت میں مضمر بات کو ثابت فرما رہے ہیں۔

قرآن کریم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور ماں کو حمل و رضاعت کے امور میں حامل فضیلت ٹھہرا کر سراہا ہے کہ ماں انتہائی شفقت اور اعلیٰ قربانی

---

(1) صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حديث: 5971 وصحيح مسلم، البر و الصلة، باب بر الوالدين، حديث: 2548. (2) الأدب المفرد: 45/1 باب بر الأم.

دینے میں ممتاز ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْلِي وَ لِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھٹائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[1]

ان تمام نعمتوں اور عنایتوں پر والدین کا شکریہ ادا کرنا ہے جو بھی انہوں نے خیر و بھلائی کی صورت میں بچے کو عطا فرمائی ہیں، تو یہ شکر الٰہی کے بالکل معا بعد ذکر کیا گیا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ بھی فضائل اور اعمال صالحہ میں سے سر فہرست ہے۔ قربان جایئے اس بلند ترین مقام و مرتبے پر جس پر اس دین حنیف نے والدین کو فائز فرمایا ہے!

تو لیجیے دیکھیے! یہ ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما جو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ایک یمنی آدمی سے ملتے ہیں، جو اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے یہ کہتا جا رہا ہے: میں اس کا فرمانبردار اور مطیع اونٹ ہوں، میں نے اسے اس سے کہیں بڑھ کر اٹھا لیا ہے جتنا اس نے مجھے اٹھایا تھا، اے ابن عمر! کیا میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: نہیں اس کے (بوقت ولادت) ایک لمبے سانس کا بھی بدلہ نہیں چکایا![2]

اور یہ ہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو اہل یمن کے امدادی فوجی دستوں سے جب بھی ملتے ہیں یہ سوال ضرور کرتے ہیں: کیا تم میں اویس بن عامر ہیں؟ حتی کہ اویس کے پاس آتے ہیں، پوچھا: تو ہی اویس بن عامر ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ پوچھا: بنو مراد سے اور پھر بنو قرن سے؟ جواب دیا: جی ہاں! پوچھا: کیا تجھے برص ہوا تھا اور تو اس سے صحت یاب ہو گیا ہے بجز مثل درہم کے، جواب دیا: جی ہاں۔ پوچھا کیا تیری والدہ بھی ہے؟ جواب دیا: جی ہاں۔ تب فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا: اہل یمن کے امدادی فوجی

---

① لقمان 31:14. ② أخرجه البخاري، في الأدب المفرد: (62/1) باب بر الوالدين.

دستوں کے ہمراہ تمہارے پاس اویس بن عامر آئے گا جو قرن قبیلہ کے مراد خاندان سے ہوگا، اسے مرض برص لاحق ہوا ہوگا اور وہ اس سے بجز درہم برابر جگہ کے صحت یاب بھی ہو چکا ہوگا، اس کی والدہ بھی ہوگی، وہ اس کے ساتھ نیکی کرنے والا ہوگا، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دے گا۔ اگر تیرا بس چلے تو یہ کوشش کرنا کہ وہ تیرے لیے معافی مانگ دے تو ایسا کر لینا۔ لہٰذا آپ میرے لیے معافی کی دعا مانگیں، چنانچہ انہوں نے آپ کے لیے معافی کی دعا مانگی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: کوفہ کا، فرمایا: کیا میں تمہارے لیے گورنر کوفہ کے نام چند الفاظ تحریر کر دوں؟ عرض پرداز ہوئے: ''مجھے گم نام لوگوں میں رہنا زیادہ محبوب ہے۔''[1]

دیکھا آپ نے، کس قدر بلند مقام ہے جس پر اویس قرنی اپنی والدہ سے نیکی کرنے کے باعث پہنچ چکے ہیں، حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے دعا کروانے کی تلقین بھی فرمائی! مذکورہ سب دلائل اس حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ اسلام نے ''ماں کی ممتا'' کو انتہائی بلند مقام عطا فرمایا ہے اور اسے باپ کے ''مقام پدری'' سے مقدم ٹھہرایا ہے، اس تعلیم کے ساتھ ساتھ کہ دونوں کے مقامات کو واضح کیا ہے اور اپنے پیروکاروں کو ان سے حسن سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے۔

مسلمان خاتون سے والدین کے حوالے سے اس احسان کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، خواہ وہ دونوں مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہ امر بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کے شرک کرنے کے باوجود اسے ان سے حسن معاشرت رکھنے کا پابند بنایا گیا ہے اور یہ اچھی طرح جانتی بوجھتی بھی ہے کہ شرک اکبر الکبائر ہے اس کے باوجود بھی اس یکتا، روشن، عالی ظرف شریعت میں والدین سے نیکی کرنے سے کم کوئی امر قابل قبول نہیں ہے:

﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أويس القرني، حديث: 2542.

﴿مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کردوں گا۔''[1]

یقیناً اسلام میں والدین کے ساتھ نیکی کرنا ایک بہت ہی عظیم کام ہے، کیونکہ یہ رشتہ پختہ ترین رابطوں اور محکم و مضبوط انسانی رگوں سے یعنی پدرانہ اور مادرانہ رابطوں سے پھوٹتا ہے۔ لیکن یہ رابطہ انتہائی جلالت اور شان والا ہے یہ نمبر میں عقیدے کے رابطے کے بعد آتا ہے، اگر والدین مشرک ہوں، اور اپنی بیٹی یا بیٹے کو شرک کا حکم کریں تو اس معاملے میں ان کی اطاعت نہیں کرنی، کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ عقیدے کے تعلق سے کوئی تعلق بڑھ کر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ اس رشتے سے بالاتر ہے۔ اس کے باوجود اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے، ان کی خدمت بجالانے اور ان سے احسان کرنے کا پابند رہنا چاہیے۔ والدین کے ساتھ نیک رویہ رکھنا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے اخلاق میں سے ایک مستقل عادت ہے، اس بہترین مستقل عادت کو ان کی زندگی میں جاری و ساری رہنا چاہیے، خواہ زندگی کی پیچیدگیاں دامن گیر ہوں، یا معاشی پریشانیاں سایہ فگن ہوں یا کاروباری مصروفیات اور ذمہ داریوں کی بھرمار ہی کیوں نہ ہو۔

یہ اس لیے بھی کہ یہ اخلاق قلبی جذبے کی ایک واضح دلیل ہے جو شروع سے مسلمانوں کے ملکوں میں موجود چلا آرہا ہے الحمد للہ، اور وفاداری کی ایک برہان بھی ہے جس سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آراستہ نظر آتے ہیں، جو زندگی کے آخر تک دھیان رکھتے ہیں، اور یقیناً اب وہ غمگساری کے ایک بول، محبت بھری گفتگو، الفت والے ہاتھ، پیار کرنے والے دل اور خوابیدہ آرزوؤں کو بیدار کردینے والی مسکراہٹ کے کہیں زیادہ حقدار ہیں۔

---

[1] لقمان 15:31 .

باب: 4

مسلمان خاتون اپنے خاوند کے ساتھ

اسلام میں شادی

اسلام میں شادی مرد وزن کے مابین ایک مبارک عقد کا نام ہے، جس کے ساتھ ایک، دوسرے کے لیے حلال ہو جاتا ہے اور اس سے دونوں طویل زندگی کا سفر شروع کرتے ہیں، دونوں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، باہم تعاون کرتے ہیں، باہم الفت کا برتاؤ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی کرنے والے بنتے ہیں۔ دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے سے سکون پاتا ہے، دوسرے کی صحبت میں سکینت، انس، امن، اطمینان اور زندگی کی لذت پاتا ہے۔ اور قرآن کریم نے مرد و عورت کے درمیان اس بلند ترین شرعی تعلق کی نہایت ہی شفاف اور دلکش تصویر کشی فرمائی ہے جس پس منظر میں محبت و الفت باہمی اعتماد، افہام و تفہیم اور رحمت و کرم فرمائی کی بارشیں جھلک رہی ہیں اور جس سے مودت و سعادت اور نعمت و بہجت کی خوشبوئیں مہک رہی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَمِنْ ايٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی۔''

① الروم 21:30.

یہ دونوں ایک مسلم کنبے کی بنیاد رکھتے ہیں جن میں بچپن بڑی نرم روی کے ساتھ رینگنے لگتا ہے، پھر عقلوں کے شگوفے کھلتے ہیں اور جس کے بعد نفوس ایسے مکارم اخلاق کے ساتھ آراستہ ہونے لگتے ہیں جنہیں دین حنیف اسلام لے کر آیا ہے تو اس طریقے سے ایک مسلمان خاندان ایک ہدایت یافتہ مسلمان معاشرے کی بلڈنگ میں ایک پختہ اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ افرادِ کنبہ اس بلڈنگ کے تیار کنندگان کا مقام پاتے ہیں، جو نیکی اور پرہیزگاری کے امور پر معاونت کرنے والے اور نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان خاتون ایک مسلم کنبے کا ستون ہے اس کا انتہائی اہم رکن اور اس کی مضبوط ترین بنیاد ہے اور یہی آدمی کی زندگی میں اس دارِفانی کا متاع گراں بہا ہے بلکہ اس دنیاوی حیات میں تمام متاع دنیا میں سے سرفہرست قیمتی ترین متاع زیست ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

[اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ، وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ]

"ساری دنیا ہی ساز و سامان ہے جبکہ ایک نیک بیوی ساری دنیا کے مال و متاع میں سے سب سے بہترین نعمت ہے۔"[1]

خاوند کے اوپر یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت ہی اعلیٰ نعمت ہے، جب وہ زندگی کی سختیوں اور مشقت و تھکاوٹ کی کلفتوں میں اس سے سکون لیتا ہے، وہ اس سے راحت، تسلی، سکون، اطمینان اور ایسا لطف پاتا ہے کہ ویسا لطف دنیا جہان کی کوئی نعمت بھی اسے عطا نہیں کر سکتی۔

ایک بیوی خاوند کے حق میں زندگی کی بیش بہا نعمت، متاع دنیا کی خیر، کامیاب بیوی، اپنی انوثت میں اعلیٰ ترین محبوبہ، معززہ اور محترمہ کس طرح بن سکتی ہے؟ آئندہ چند صفحات میں یہی بیان کیا جا رہا ہے۔

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح البکر، حدیث: 1469.

خاوند کے چناؤ میں حسن انتخاب

اسلام نے عورت کو جو عزت بخشی ہے اس میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ اس نے اسے خاوند کے اختیار کرنے کا حق بھی عطا فرمایا ہے، والدین کو قطعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی صاحبزادی کو ایسی شادی پر مجبوری کریں جسے وہ نہ چاہتی ہو، اور ہدایت یافتہ، نیک سیرت مسلمان خاتون اپنے اس حق کو بخوبی پہچانتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی پیغامِ نکاح بھیجنے والے کے پیغام بھیجنے کے وقت وہ اپنی مصلحت و خیر خواہی پر مبنی اپنے والدین کی راہنمائی اور خیر خواہی سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتی، کیونکہ وہ دونوں لوگوں اور زندگی کے معاملات کو اس کی نسبت کہیں بڑھ کر جاننے والے ہیں، ایسی صورت حال میں بیٹی اس بات پر راضی نہ ہوگی کہ اس سے یہ حق سلب کر لیا جائے کہ باپ زبردستی کسی ایسے شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے جسے یہ بالکل چاہتی ہی نہ ہو، اگر چہ اس پر باپ خفا ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اس حساس ترین مسئلہ میں نصوص و دلائل ایک مسلمان خاتون کی طرف داری میں کھڑے نظر آتے ہیں، ان میں سے ایک وہ دلیل ہے جسے امام بخاری (رحمہ اللہ) نے سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا سے بایں طور روایت فرمایا ہے:

> ''میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا جبکہ میں اسے ناپسند کرنے والی تھی، میں نے اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یوں فرمایا: ''جو تیرے باپ نے کر دیا ہے اسے قبول کر لو۔''

میں عرض پرداز ہوئی: جو کچھ میرے باپ نے کیا ہے اس میں مجھے کوئی رغبت نہیں ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ''جا اس کا کوئی نکاح نہیں ہے، جس سے تو چاہے نکاح کر لے۔''

میں نے پھر یوں عرض پیش کی: ''جو کچھ میرے باپ نے کر دیا ہے اب میں اسے نافذ و جاری رکھتی ہوں لیکن میں عورتوں کو یہ معلوم کروانا چاہتی ہوں کہ وہ جان لیں کہ باپوں کا ان

کی اپنی صاحبزادیوں کے امور و معاملات میں کوئی حق و اختیار نہیں ہے۔"[1]

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے کی ابتداء میں اس خاتون کو یہی فرمایا تھا کہ اپنے والد محترم کے فیصلے کو نافذ رکھے اور یہی اصل حکم ہے، کیونکہ باپوں کی خواہش و حرص کے حوالے سے ان بیٹیوں کی سعادت و نیک مندی چاہتے ہوئے یہی معروف و معمول ہے، لیکن جب آپ سرکار ﷺ نے اس خاتون کے باپ کو دیکھا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسی جگہ مجبور کر رہا ہے جہاں وہ ناپسند کرتی ہے تو آپ ﷺ نے اسے "اختیار کی آزادی" عطا فرما دی، اور آپ نے اسے باپ کے تشدد اور اس کی بے راہ روی سے بچایا جو اپنی بیٹی کو ایسی شادی پر مجبور کر رہا تھا جہاں اس کی جان کو بالکل راحت و آرام میسر نہ تھا۔

مذکورہ خاتون نے اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ محبت، خلوص اور وفاداری کو خالص نہیں رکھ سکے گی اور اسے اپنی جان پر خاوند کی نافرمانی کے گناہ میں واقع ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا تھا اور خاوند کی مخالفت پر کمربستہ رہنے کا خطرہ لازم ہو رہا تھا جسے وہ ناپسند کر رہی تھی تو اب اس کا یہ حق بنتا تھا کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے، اور اسی مطالبے کو رسول اللہ ﷺ نے بھی برقرار رکھا ہے، جس کی مِثال اس واقعے میں موجود ہے۔

سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ، عبداللہ بن ابی کی ہمشیرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین میں کوئی کیڑے نہیں نکالتی، لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گی کہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (یعنی مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر میں اس کے عقد میں رہی تو ایسا کام کر سکتی ہوں جو کفر کا متقاضی ہو) تب رسول کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

"کیا تو اس کا باغ اسے واپس کر دے گی؟"...... اس کو حق مہر میں باغ ملا تھا...... وہ

---

[1] صحیح البخاري، النکاح، باب إکراہ البنت علی الزواج، حدیث: 5138، 6945 مختصرًا و سنن ابن ماجه، النکاح، باب من زوج ابنته وهي کارهة، حدیث: 1873.

بولی: جی ہاں! تب رسول اکرم ﷺ نے اس کے خاوند کی جانب پیغام بھیجا: ''تو باغ کو قبول کر لے اور اسے ایک طلاق دے دے۔''[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے، وہ بولی: ''میں ثابت (رضی اللہ عنہ) کی دینداری اور اخلاق میں کوئی حرف ملامت نہیں کہتی، لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔''

• ایک سمجھدار مسلمان خاتون کے لیے دینی ہدایت و رہنمائی موجود ہے، اس کے لیے خاوند کو انتخاب کرنے میں مضبوط، مستحکم اور حکمت پر مبنی ہدایات ہیں، وہ صرف شکل و صورت کی خوبصورتی، اور ظاہری چمک دمک، عہدے کی رفعت و بلندی اور سرمائے کی فراوانی اور ان جیسی دیگر صفات جن پر عموماً عورتیں فریفتہ ہوتی ہیں، پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ وہ تو صرف مرد کے اخلاق و کردار اور دینداری پر رک جاتی ہے کیونکہ یہی دونوں باتیں ایک کامیاب شادی شدہ گھرانے کے لیے ستون کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہی قیمتی ترین زیورات ہیں جن سے خاوند آراستہ ہو سکتا ہے اور دین حنیف نے پیغام نکاح پیش کرنے والے میں یہی دونوں صفات دیکھنے کی رہنمائی جو فرمائی ہے اس پر واضح دلیل بھی موجود ہے۔ جب کسی مرد میں یہ دونوں صفات وافر مقدار میں پائی جائیں تو ایسے مرد سے شادی کرنا واجب کا درجہ رکھتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو معاشرے میں عمومی فتنہ اور فساد پھیلنے کا خطرہ ہے۔

[إِذَا اَتَاكُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَانْكِحُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ]

''جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے (پیغام نکاح پیش کرنے والا) جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند رکھتے ہو تو ایسے شخص سے (اپنی بہن بیٹی وغیرہ کا) نکاح کر دینا وگرنہ زمین میں وسیع و عریض فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔''[2]

مسلمان خاتون ایسے آدمی کا انتخاب کرے جس کی شخصیت اس کے نفس کو خوش کرنے

---

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب الخلع، حديث: 5273. [2] سنن ترمذي، النكاح، باب (26)، حديث: 1085، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الاكفاء، حديث: 1967.

والی ہو اور مسلمان خاتون اپنی ذاتی پسند اور اپنے ذاتی اندازوں پر غالب آتی ہے، ایک سمجھدار ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کی نگاہوں کو ظاہری چمک ومک خیرہ نہیں کرتی اور نہ اسے حقیقت اور جوہر کو دیکھنے سے ہٹاتی ہے۔

مسلمان خاتون یہ بھی بخوبی جانتی ہے کہ قرآن کریم کی نص کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ عورت کے اوپر نگرانی کا حق صرف مرد ہی کو حاصل ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''[1]

اسی لیے وہ کسی ایسے آدمی کے ہاں دلہن بن کر جانے کو پسند کرتی ہے جس کی نگرانی اور کفالت و ذمہ داری میں وہ اپنے آپ کو سر بلند اور معزز خیال کرتی ہو، اس کی صحبت میں رہنے سے وہ خوشی اور فرحت پاسکتی ہو، ایسے شخص سے شادی کرنے پر کسی طرح کی کوئی ندامت و پشیمانی اسے لاحق نہیں ہوتی۔ وہ تو ایسے شخص کو چاہتی ہے جس کے ہاتھ میں وہ اپنا ہاتھ دے کر زندگی میں اپنے ان حقوق و فرائض کو صحیح معنوں میں ادا کرنا چاہتی ہے جو ان دونوں کے کندھوں پر عائد ہونے والے ہیں، یعنی مسلمان خاندان کی تعمیر، پاکباز گروہوں کی تربیت، کشادہ جذبات، قلوب وعقول کی درست سمت میں تربیت اور یہ بھی مکمل ذہنی ہم آہنگی، دلی محبت و مودت اور کامل یکسانیت کے ماحول میں پورا کرنا چاہتی ہے۔ اخلاق کا ظاہری فرق، مزاجوں کا قدرتی تضاد، طبائع میں قدرے اختلاف اور دین میں گوناگوں امتیازی فرق ان کی چال و کردار میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتے کیونکہ مسلمان ایماندار مردوں اور مسلمان ایماندار عورتوں کے قافلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ اپنی ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے اور مردوں عورتوں کی گردنوں میں لٹکی ہوئی امانت کی صحیح طور پر رکھوالی کرنے

[1] النسآء 4:34 .

کے لیے دونوں کے قافلے پہلو بہ پہلو رواں دواں رہتے ہیں، اسی انداز کی قرآن کریم نے تصویر کشی کی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں، فرمانبراری کرنے والے مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنے نفس کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔''[1]

سلامت روی کے لیے اور اس عظیم مقصد اور بڑے ہدف تک پہنچنے کے لیے انتہائی مضبوط ازدواجی تعلق، خاندانی ستونوں کی مضبوطی اور صحت مند بنیادوں پر اس کی تعمیر صرف ''خاوند کے حسن انتخاب'' ہی سے ممکن ہے۔

ان عظیم مسلمان خواتین میں سے جنہوں نے اپنے آپ کو شخصیت کی قوت، بلند مقاصد اور خاوند کے انتخاب میں بالغ نظری ایسی صفات کا نمونہ پیش کیا ہے، ایک سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی ہیں، یہ ان عورتوں میں سے ایک ہیں جو انصار کی عورتوں میں سے اسلام کی

---

① الأحزاب 35:33.

طرف پہل کرنے والی تھیں۔ ان کی مالک بن نضر سے شادی ہوئی تھی اور انہی سے اپنے صاحبزادے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی تھیں، جونہی یہ مشرف بہ اسلام ہوئیں تو ان کے اسلام لانے سے ان کا خاوند ''مالک'' کبیدہ خاطر ہوا اور اس نے غصہ میں انہیں چھوڑ دیا، جبکہ یہ اپنے اسلام پر ہی ثابت قدم رہیں، پھر ان کے پاس اس کی خبر مرگ اس حال میں آئی جبکہ ابھی آپ آغاز جوانی اور عنفوان شباب ہی میں تھیں، یہ سارا کچھ آپ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کیا، پھر وہ اپنے دس سالہ صاحبزادے انس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لیے وقف ہو جائے۔

بعد ازاں مدینے کے بہترین نوجوانوں میں سے ایک خوبرو، مالدار اور بہادر نوجوان سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف رغبت کی اور یہ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے، جبکہ وہ اپنی دولت وثروت، اپنی قوت و بہادری اور اپنی اٹھتی جوانی کی بدولت یثرب کی خوبرو دوشیزاؤں کے دلوں کی آماجگاہ اور دھڑکن بنے ہوئے تھے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا خوشی سے اڑتی ہوئی ان کے پاس آ پہنچیں گی، لیکن وہ تو ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو گئے، وہ آپ سے کہتی ہے: اے ابوطلحہ! کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ تیرا معبود جس کی تو عبادت کرتا ہے وہ تو زمین سے اگنے والا ایک درخت ہے، جسے فلاں کے بیٹوں کے ایک حبشی غلام نے چیرا ہے؟ وہ بولے: ہاں بالکل! وہ کہتی ہیں: کیا تجھے زمین سے اگنے والے ایک درخت کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے حیا نہیں آتی جسے ایک حبشی غلام نے چیرا ہو؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی برتری اور بڑائی ظاہر کی اور اسے مہنگے ترین حق مہر اور آسودہ حالی کی چمک دکھائی، لیکن وہ اپنے موقف پر بدستور قائم رہیں، اور یہ کہتے ہوئے پھر بہ آواز بلند بولیں: اللہ کی قسم! اے ابوطلحہ! تیرے جیسے کو واپس تو نہیں بھیجا جا سکتا، لیکن کیا کروں تو کافر آدمی ہے، جب کہ میں ایک مسلمان خاتون ہوں، میرے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ میں تیرے ساتھ شادی کروں، لیکن اگر تو اسلام قبول کر لے تو یہی میرا حق مہر ہے، اس کے علاوہ

میرا اور کوئی سوال نہیں ہوگا۔[1]

دوسرے روز وہ پھر آئے اور بہت بڑی مقدار میں حق مہر دینے اور دیگر کئی قیمتی تحفے دینے کی پیشکش کرنے لگے۔ اب کے بھی ام سلیم رضی اللہ عنہا ثابت قدم رہیں، آپ کی ثابت قدمی، آپ کی آنکھوں میں خوبصورتی، کشش، مضبوطی اور دانش مندی کو مزید بڑھائے جا رہی تھی اور آپ بڑے پراطمینان لہجے میں انہیں یہ کہے جا رہی تھیں: اے ابوطلحہ! کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو انہیں تو آل فلاں کے غلام نے تراشا اور بنایا ہے؟ اور اگر تم انہیں آگ میں ڈالو تو وہ انہیں جلا بھی ڈالے گی؟ یہ ایسے الفاظ تھے جو براہِ راست دل و دماغ سے ٹکرانے والے تھے جن سے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے احساسات متحرک ہوگئے، ابوطلحہ اپنے نفس سے پوچھنے لگے: کیا رب بھی جل سکتا ہے؟ پھر ان کی زبان بار بار یہ الفاظ دہرانے لگی:

[أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ]

اسی موقع پر سیدہ ام سلیم (رضی اللہ عنہا) نے اپنے لخت جگر سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا، جبکہ پورا وجود فرحت و مسرت سے معمور و مخمور تھا: ''اے انس! کھڑے ہو جاؤ، اور ابوطلحہ سے میری شادی کر دو۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ چند گواہوں کو لائے اور شادی اتمام پذیر ہوگئی۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی انتہائی خوشی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی دولت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سامنے ڈھیر کرنے کا عزم کر لیا لیکن ادھر ام سلیم رضی اللہ عنہا ایماندار خواتین، راست باز، پاکباز اور معزز عورتوں کی بلندیوں پر ہی قائم و ثابت رہیں۔ وہ بولیں: اے ابوطلحہ! میں نے آپ سے شادی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی ہے، میں اس پر اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں لوں گی۔ اور یقیناً وہ جانتی تھیں کہ وہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے ساتھ صرف ایک سخی بلند ہمت خاوند کو پانے ہی میں کامیاب نہیں ہوئیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ثواب دارین حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہیں، جو دنیا میں سرخ اونٹوں کا مالک بننے سے بھی کئی درجے بہتر عمل ہے،

---

[1] سنن نسائی، النکاح، باب التزویج علی الإسلام، حدیث: 3342، 3343.

جس طرح رسول اکرم ﷺ سے کا فرمان ہے:

[لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَّكُونَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ]

''اگر اللہ تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمادے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں (کے ملنے) سے کئی درجے بہتر ہے۔''[1]

اس جیسی عظیم اور صاحب مرتبہ خاتون ہی کو ایک مسلمان عورت کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیے، اور ایسی خاتون ہی سے ایمان کی صفائی، شخصیت کی قوت، عقیدے کی سلامتی اور حسن انتخاب کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔

اپنے خاوند کی اطاعت گزاری کرتی ہے

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون معصیت کے علاوہ ہر ایک عمل میں اپنے خاوند کی ہمیشہ اطاعت گزار رہتی اور اس سے نیک سلوک کرنے والی ہوتی ہے، وہ اسے راضی رکھنے اور اس کے نفس میں خوشیوں کو سرایت کرنے کی انتہائی حریص ہوتی ہے، اگر وہ تنگ دست فقیر الحال ہو تو اس کی تنگ دستی سے نالاں نہیں ہوتی اور نہ ہی گھریلو کام کاج میں اپنے حوصلوں ہی کو پست ہمت بناتی ہے بلکہ تاریخ اسلام کی صبر و احسان اور مروت و استقامت کے ساتھ اپنے خاوندوں اور اپنے گھروں کی خدمت گزاری میں رہ کر گزارہ کرنے والی بے شمار صاحب کردار اور صاحب مقام خواتین کو یاد رکھتی ہے، جبکہ ان کے گھروں میں فاقہ کشی، تنگی گزران اور قلتِ مال ایسی پریشانیاں بھی خیمہ زن تھیں۔ ان مثالی باکردار ازواج میں سے سرفہرست سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، سیدنا محمد سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی لخت جگر اور سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں، وہ چکی پیسنے کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو پہنچنے والی تکالیف کی شکایت کرتی ہیں تو ایک روز آپ کے شوہر سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ آپ سے یوں

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4210، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2406.

کہتے ہیں: تمہارے والد محترم کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں، تو بھی جا اور ان سے ایک خادمہ کا سوال کر جو تیری خدمت کے لیے مامور ہو جائے۔ وہ اپنے ابا جان کے پاس آئیں لیکن جس مقصد کے لیے آئی تھیں اس کے متعلق سوال کرنے سے حیا آڑے آئی اور ویسے ہی واپس چلی آئیں، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر خدمت ہوئے، انہوں نے اپنے باپ کے دل کی پیاری بیٹی کے لیے ایک خادم کا سوال کیا، لیکن رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات سے بڑھ کر اپنی پیاری لخت جگر کی خاطر فرمائش کو قبول کرنے اور مسلمانوں کے فقراء کو محروم کرنے کی بالکل ہمت نہ ہوئی، پھر آپ بذات خود اپنی صاحبزادی اور اپنے داماد کے ہاں تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے:

''تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے، کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ سکھلا دوں؟ جب تم دونوں اپنی خواب گاہوں پر آجاؤ تو تینتیس بار ''سبحان اللہ'' تینتیس بار ''الحمد للہ'' اور چونتیس بار ''اللہ اکبر'' پڑھ لیا کرو، تمہارے لیے یہ عمل خادم سے کہیں بہتر ہوگا۔''

پھر آپ انہیں گھر چھوڑ کر چلے آئے جب کہ آپ ان کے کانوں میں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ''مدد ربانی'' کے یہ بول ڈال چکے تھے جن کے باعث تھکاوٹیں کافور اور مشکلیں زائل ہوئی تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرمودہ کلمات کو پڑھتے رہے، خود فرماتے ہیں: ''جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات سکھائے ہیں، میں نے کبھی ترک نہیں کیے۔''

آپ کے رفقاء و اصحاب میں سے کسی نے یہ سوال کر دیا: کیا جنگ صفین کی شب کو بھی؟'' تب فرمایا: ''جی جنگ صفین کی شب کو بھی نہیں۔''[1]

اور یہ ہیں سیدہ اسماء بنت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہا) جو اپنے شوہر سیدنا زبیر (رضی اللہ عنہ) کی اور اپنے گھر کی خدمت اور دیکھ بھال میں مصروف ہیں، ان کے خاوند کا ایک گھوڑا ہے، اس کی

---

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب التكبير والتسبيح عند المنام، حديث: 6318 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار، حديث: 2727.

دیکھ بھال کرتی ہیں، اس کو باہر سے گھاس لا کر ڈالتی ہیں، پانی والے ڈول کو قابل استعمال بناتی ہیں، آٹا گوندھتی ہیں، دور کے ایک مقام سے اپنے سر پر گٹھلیاں اٹھا کر لاتی ہیں۔

آیئے دیکھیں وہ ہمارے سامنے یہ ساری باتیں بزبان خود کس طرح بیان کرتی ہیں۔ان سے شیخین نے یوں روایت بیان کی ہے۔فرماتی ہیں: مجھ سے سیدنا زبیر (بن العوام) رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، ان کی زمین میں کوئی مال تھا اور نہ ہی کوئی غلام، اور نہ ہی گھوڑے کے سوا کوئی اور چیز تھی، کہتی ہیں: میں ہی ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی، اور ان کے بجائے ساری دیکھ بھال کی ذمہ داری میں ہی اٹھاتی تھی، ان کے اونٹ کے لیے گٹھلیاں بھی میں ہی پیستی تھی، اسے چارہ ڈالتی، پانی لے کر آتی، پانی والے ڈول کی اصلاح کرتی، آٹا گوندھتی، لیکن میں اچھے طریقے سے روٹیاں پکانا نہ جانتی تھی، تو انصار کی چند لڑکیاں مجھے یہ کام کر دیا کرتی تھیں، وہ واقعی صاحب خلوص عورتیں تھیں، فرماتی ہیں: میں ان کی اس زمین سے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو الاٹ کیا تھا، گٹھلیاں اپنے سر پر اٹھا کر لایا کرتی تھی، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر راہ، جبکہ آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی تھی، مجھے ملے، آپ نے مجھے بلایا، پھر اپنے اونٹ کو نیچے بٹھانے کے لیے ''اِخ اِخ'' فرمایا: یعنی بیٹھ جا بیٹھ جا، تا کہ آپ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں، فرماتی ہیں: مجھے شرم و حیا نے تھام لیا کیونکہ میں اس کی (اپنے شوہر زبیر کی) غیرت کو جانتی پہچانتی تھی وہ فرماتے ہیں: واللہ! اپنے سر پر گٹھلیوں کو اٹھانا آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ گراں ہے۔ پھر فرماتی ہیں: بعد ازاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے پاس ایک خادم بھیج دیا، اس نے میرے بجائے گھوڑے کی دیکھ بھال کو سنبھال لیا، گویا کہ انہوں نے مجھے آزاد فرما دیا تھا۔ [1]

ایک مخلص راست باز مسلمان اپنے خاوند کی خدمت کرنے اور اپنے گھریلو کام کاج کرنے میں پیش پیش رہتی ہے، کیونکہ وہ یہ جانتی ہے کہ شوہر کا اس پر حق ہے۔اور یقیناً یہ حق بہت بڑا ہے، جسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پر زور انداز میں بیان کیا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث : 5224.

''کسی بھی بشر کو دوسرے بشر کے سامنے سجدہ ریز ہونا جائز اور روا نہیں ہے، اگر کسی بشر کو کسی دوسرے بشر کے روبرو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے، اس کے اس کے اوپر عظیم حق رکھنے کی بنا پر۔''[1]

آپ کا ایک فرمان گرامی ان الفاظ میں بھی ہے:

''اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دینے والا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ عورت پر تمام لوگوں میں سے کس کا حق سب سے بڑھ کر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا: ''اس کے خاوند کا'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: مرد پر تمام لوگوں میں سے کس کا حق سب سے بڑھ کر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: ''اس کی ماں کا۔''[3]

ایک عورت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوئی، تو جب وہ اپنی اس حاجت کے متعلق بات کر کے فارغ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تو خاوند والی ہے؟ وہ بولی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو اس کے حق میں کیسی ہے؟ وہ بولی: میں اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی الا کہ میں اس کام سے عاجز آ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دیکھ لے! تو اس سے کس درجے میں ہے، کیونکہ وہی تیری جنت بھی ہے اور تیری دوزخ بھی۔''[4]

---

[1] مسند أحمد : (159/3) والبزار اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، دیکھیے مجمع الزوائد : 9/9 باب حق الزوج علی المرأة. [2] حسن صحیح، جامع الترمذی، أبوب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة : 1159. [3] مسند البزار، باسناد حسن، ومجمع الزوئد: 308/4، باب حق الزوج علی المرأة. [4] مسند أحمد : (341/4) وسنن النسائی باسنادین جیدین، والمستدرك للحاکم، وقال: صحیح الاسناد، ملاحظہ فرمائیں: الترغیب والترهیب للمنذری : 52/3 کتاب النکاح.

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور جوان کے راستے پر گامزن ہوئے ہیں سبھی نے یہ ''اسلامی ادب'' سمجھا اور رسول اللہ ﷺ سے اسے آگے نقل کیا ہے کہ جب بھی وہ کسی عورت کو اس کے خاوند کے ہاں دلہن بنا کر روانہ فرماتے تو اسے اپنے خاوند کی خدمت کرنے اور اس کے حقوق کی نگہداشت رکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

اس ضمن میں ایک سادہ سی مثال جسے مشہور حنبلی فقیہ ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب ''احکام النساء'' میں ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ایک نہایت ہی پارسا شخص نے جو شب زندہ دار اور روزے دار تھا جس کو شعیب بن حرب کہا جاتا تھا، ایک خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور نہایت تواضع و انکساری سے اسے یوں بولتا ہے: میں نہایت بداخلاق اور زود رنج ہوں، تو اس کے جواب میں عورت نہایت خوش اسلوبی، فطانت اور حاضر جوابی سے یوں کہتی ہے: وہ شخص جو تجھے اشتعال دلاتا ہے وہ تجھ سے بھی بڑھ کر بداخلاق اور تنگ مزاج ہے تو اس جواب پر آدمی سمجھ گیا کہ وہ ایک سمجھدار، پختہ عقل اور ذہین وفطین عورت کے سامنے کھڑا ہے تو وہ فی الفور پکار اٹھتا ہے: تب تم ہی میری شریک حیات بننے کے لائق ہو۔

بلاشبہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کے لیے یہ دور اندیشی، ذہانت، فطافت اور دانش مندی ہے، جسے اس خاتون نے پالیا تھا، اس خاتون ہوش مند نے اپنے نفس کو پیغام نکاح پیش کرنے والے مرد کے سامنے اس امر کو پرزور طریقے سے ثابت کر دیا ہے کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند کی نفسیات کو سمجھ جائے، اس کی عادات کی معرفت حاصل کر لے، اسے راضی کرنے والے اور اسے ناراض بنانے والے امور کی شناسائی کر لے، تو وہ اپنے شوہر کا دل جیتنے کی اور اس کی پسند و معیار کا احاطہ کرنے کی اور ہر اس شگاف کو بند کرنے کی ہمت و قدرت پالے گی جس سے اختلافات کی ہوا اندر آ سکتی اور ازدواجی زندگی کے صاف و پاکیزہ ماحول کو مکدر اور آلودہ بنا سکتی ہے۔ اور جو عورت ان حقائق کا ادراک نہ کر پائے تو وہ کامیاب بیوی ہونے کے قابل بھی نہیں بنی بلکہ وہ تو اپنے خاوند کو اپنی جہالت، نادانی، کم عقلی اور حماقت کے باعث

برے اخلاق وکردار کی طرف کھینچے گی اور پھر وہ بذات خود اخلاق میں اس سے بھی بدکردار اور سوء اخلاق کا نمونہ بنے گی کیونکہ اسی نے تو اسے بداخلاقی کی جانب چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔

مسلمان بیوی کی اپنے خاوند کی اطاعت کرنے اور اس سے نیکی کرنے کی ظاہر اور نمایاں ترین وجوہات میں سے اس کا اپنے خاوند کی جائز من پسند ترغیبات واشتیاقات پر لبیک کہنا ہے جن میں رہن سہن، میل جول، خورد و نوش، لباس پہننے، گفتگو کرنے اور اسی طرح روزمرہ کے عمومی حالات میں ازدواجی حیات میں لطف اندوز ہونا ہے، جوں جوں ایسے امور میں بیوی خاوند کی ہاں میں ہاں ملاتی جائے گی، اسی مقدار اور تناسب سے ان کی ازدواجی زندگی میں سعادت، خلوص اور خوشگواری بڑھتی جائے گی اور اسی شرح سے روحِ اسلام اور ہدایت قریب ترین بھی ہوتی جائے گی۔

ایک مسلمان سمجھدار خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی اوجھل نہیں رہتا کہ اپنے خاوند کی اطاعت کرنے سے اسے جنت کا داخلہ بھی نصیب ہوتا ہے، جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے اس حقیقت سے بایں الفاظ آگاہ فرمایا ہے:

''جب عورت اپنی پانچوں نمازیں ادا کرے، اپنے مہینے کے روزے رکھے، اپنے خاوند کی اطاعت گزاری کرے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے تو اسے کہا جائے گا: تو جنت کے جس دروازے میں سے چاہے داخل ہو جا۔''[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ]

''جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''[2]

---

① مسند أحمد: 191/1 اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد: 306/4. ② سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث: 1804 والمستدرك للحاكم 173/4 البر والصلة، وقال: صحيح الاسناد.

رسول اکرم ﷺ نے نیک، محبت کرنے والی، روادار، اچھے خلق والی، بیوی کے لیے ایک نہایت روشن، صاف واضح تصویر اس طرح کھینچی ہے، فرماتے ہیں:

''کیا میں تمہیں تمہاری جنتی عورتوں کی بابت نہ بتاؤں؟''

ہم نے عرض کی: ہاں! کیوں نہیں یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا:

''زیادہ بچے جننے والی، بہت زیادہ محبت کرنے والی، جب وہ خود ناراض ہو جائے، یا اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے، یا اس کا شوہر اس سے خفا ہو جائے تو وہ یوں کہتی ہے: میرا یہ ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے، میں تب تک بالکل نہ سوؤں گی جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں۔'' ①

بلاشبہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون جانتی ہے کہ جس اسلام نے خاوند کی اطاعت گزاری کرنے پر اسے اجر جزیل اور داخلۂ جنت کی بشارتیں دی ہیں، بالکل اسی اسلام نے یہ وعیدیں بھی سنائی ہیں کہ جو بھی خاوند کی اطاعت شعاری سے کنارہ کشی کرے گی، اس سے رو گردانی کرے گی، اس کی کوئی پروا نہ کرے گی تو اسے گناہ، اللہ کی ناراضی اور فرشتوں کی لعنتوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے لیکن وہ نہ آئے، اور وہ ناراض رہتے ہوئے رات بسر کرے تو فرشتے صبح ہونے تک اس (عورت) پر لعنتیں کرتے رہتے ہیں۔'' ②

صحیح مسلم میں ایک فرمان پیغمبر ﷺ اس طرح بھی مروی ہے، فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بھی خاوند ایسا نہیں

---

① المعجم الكبير للطبراني، اس کے تمام راوی صحیح میں حجت یافتہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: مجمع الزوائد: 312/4. ② صحيح البخاري، النكاح، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حديث: 5193 وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث: 1436.

ہے جو اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے لیکن وہ انکار کرتی ہے مگر وہ ذات جو آسمان میں ہے اس عورت پر ناراض رہتی ہے حتی کہ وہ خاوند اس سے راضی ہو جائے۔''[1]

یقیناً یہی لعنت اَڑیل، بدمزاج اور خاوند سے بدسلوکی کرنے والی عورت پر بھی اترتی ہے، اس طرح دانستہ دیر کرنے والیاں، سستی کا مظاہرہ کرنے والیاں اور اپنے خاوندوں کے سامنے لیت ولعل اور پس وپیش کرنے والیاں بھی اس سے بچ نہ سکیں گی:

''اللہ ان لیت ولعل کرنے والیوں پر لعنت کرتا ہے کہ جسے اس کا خاوند اپنے بستر پر بلاتا ہے لیکن وہ کہتی ہے، ابھی آئی، حتی کہ اس کی آنکھیں اس پر غالب آجاتی ہیں (یعنی اسی انتظار ہی میں سوجاتا ہے)۔''[2]

یقیناً اسلام میں شادی مردوزن کو یکساں طور پر پاکدامن بنانے کے لیے ہے۔ اسی لیے عورت کے ذمے یہ لازم آتا ہے کہ جب بھی اس کا خاوند اس کے نفس کا سوال کرے وہ خاوند کی رغبت کو قبول کرے، اور عذر لنگ نہ تراشے، اس سے فرار کی راہیں تلاش نہ کرے، اسی کے پیش نظر احادیث مبارکہ میں عورت کو اپنی استطاعت کے مطابق اس قبولیت کے لیے ترغیب دی گئی ہے، اسے خواہ کیسی مصروفیات اور رکاوٹیں ہوں الا کہ اسے کوئی زبردست عذر مجبوری ہو، اس سلسلے میں وارد احادیث مبارکہ میں سے یہ فرمان رسول ﷺ ملاحظہ ہو:

''جب آدمی اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لیے بلائے تو اسے چاہیے کہ وہ لبیک کہے اگرچہ وہ پالان کے اوپر ہی ہو۔''[3]

ایک اور فرمان اقدس ہے:

''جب خاوند اپنی زوجہ کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آجانا چاہیے اگرچہ وہ تنور ہی پر ہو۔''[4]

---

[1] صحیح مسلم، النکاح، باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، حدیث: 1436. [2] حدیث صحیح، رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر، دیکھیے مجمع الزوائد: 4/296. [3] مسند البزار، اور اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مجمع الزوئد: 4/312. [4] حدیث حسن صحیح، جامع الترمذی، أبواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث:◄◄

بلاشبہ خاوند کو پاک دامن رکھنا اور اسے فتنے سے دور رکھنا ہی وہ اہم ترین عمل ہے جسے عورت کو نبھانا ہے، کیونکہ اسلام مرد و زن دونوں ہی کو یکساں طور پر ایسی فضا میں لا کر زندگی گزارنے کا خواہشمند ہے جو مکمل طور پر پاکیزہ، صاف ستھری اور ہر طرح کے فتنوں کی آلائشوں سے دور ہو اور جو حرام کاری کی لذتوں کی طرف جھانکنے سے پاک رکھنے والی ہو، کیونکہ آتش شہوت کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی اور طبیعت کو حرام کاری کی طرف سوچنے سے باز نہیں رکھ سکتی مگر صرف اور صرف یہی چیز کہ طبعی قوت کو جائز مشروع طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے اسے فارغ البال رکھا جائے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف رسول کریم ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے باب النکاح میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

''جب تم میں سے کسی ایک کو کوئی عورت اچھی لگے اور اس کے دل میں گھر کر جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کا قصد کرے اور اس سے مباشرت کرے کیونکہ یہ عمل اس کے دل میں آنے والے خیال کو دفع کر دے گا۔''[1]

ایسی عورت کے لیے جس کا خاوند اس پر ناراض ہو، وعید اس حد تک زیادہ ہو رہی ہے کہ ایک صاحب تقویٰ بیوی کا دل، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، دہل جاتا ہے جب اس کی نماز ہی قبول نہیں کی جاتی اور نہ اس کی کوئی نیکی ہی آسمان کی جانب بلند ہوتی ہے حتی کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے، یہی بات اس حدیث مبارکہ میں وارد ہے:

''تین اشخاص ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف چڑھتی ہے: بھگوڑا غلام حتی کہ اپنے مالکوں کی طرف پلٹ آئے اور پھر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھوں میں تھما دے اور وہ خاتون جس پر اس کا خاوند ناراض ہو جائے حتی کہ وہ اس پر راضی ہو جائے اور نشہ باز حتی کہ وہ نشہ سے صحت یاب

1159 وصحيح ابن حبان: 473/9، حديث : 4165. [1] صحيح مسلم، النكاح، باب ندب من رآى امرأة فوقعت فى نفسه إلى أن ياتى امراته، حديث : 1403/10.

ہو جائے۔''[1]

خاوند کے اپنی زوجہ پر ناراض ہونے سے یہ مقصود ہے کہ جب خاوند حق پر قائم ہو اور بیوی اس کے برعکس ہو لیکن جب حالت اس کے برخلاف ہو، یعنی خاوند ظالم ہو تو اس کی ناراضی کچھ مضر اور نقصان دہ نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ ایسی صورت حال میں بیوی کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔ شریعت اسلامی میں جہاں خالق کی معصیت لازم آتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان گرامی سے ثابت ہو رہا ہے۔

''ایسی بیوی کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ خاوند کے گھر میں کسی ایسے کو اندر آنے کی اجازت دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو، اور نہ ہی وہ خود گھر سے باہر نکلے جب کہ وہ ناپسند کرتا ہو، اور نہ ہی خاوند کے معاملے میں کسی کی بات مانے، اور نہ ہی وہ اس کے بستر سے الگ رہے اور نہ ہی اسے مارے پیٹے۔ لیکن اگر وہ ظالم ہو، پھر بھی اس کے پاس آئے حتیٰ کہ اسے راضی کرے، اگر تو وہ اس سے راضی ہو جائے تو خوب اور بہتر۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کا عذر قبول فرمالے گا اور اس کی دلیل کو قوی و غالب فرمادے گا، اس پر کچھ گناہ بھی نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہوا تو بلاشبہ اس نے اپنا عذر بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دیا ہے۔''[2]

خاوند کی فرماں برداری اور اس کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ امور بھی ہیں:

''کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ روزہ رکھے جبکہ اس کا خاوند گھر میں موجود ہو مگر اس کی اجازت سے اور نہ ہی یہ حلال ہے کہ کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے مگر اس کی اجازت کے ساتھ اور جو کچھ وہ بغیر حکم کے خرچ کرے گی تو اسے بھی نصف ثواب دیا جائے گا۔''[3]

---

[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ، الأشربة 2 178/12، حدیث: 5355. [2] المستدرك للحاكم، كتاب النكاح، وقال: صحيح الاسناد. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب ◂◂

زوجین کے مابین باہم اتفاق رائے اور ہم آہنگی متحقق نہیں ہوسکتی مگر ایسے امور میں باہمی سمجھداری اور یکسانیت کے ساتھ ہی، وہ بھی اس انداز سے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو کوئی ضرر یا تنگی لاحق نہ ہو، کہ جس سے ازدواجی زندگی کی فضا مکدر ہو کیونکہ اس زندگی کو اسلام نے مودت اور رحمت کی بنیادوں پر قائم کیا ہے اور وہ دائمی یگانگت، نگہداشت اور دلوں کی صفائی کا خواہشمند ہے۔

البتہ جب خاوند کنجوس ہو، اخراجات کے معاملے میں بیوی اور اس کی اولاد پر بخل کرتا ہو تو پھر بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ خاوند کے مال میں سے اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے لیے معروف کے ساتھ، اسے بتائے بغیر اتنی مقدار میں خرچ کر لے کہ ان کی جائز ضروریات کے لیے کافی ہو، اس امر کی رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی کے سامنے صراحت فرمائی تھی جب انہوں نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کی تھی: یارسول اللہ! بلاشبہ ابوسفیان ایک بخیل اور کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کفایت کرے، اس لیے میں اس کے علم کے بغیر اس کے مال و متاع میں سے لے لیتی ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

[خُذِی مَا یَکْفِیكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ]

''معروف کے ساتھ اتنا لیا کر جو تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو۔''[1]

اسی بات کا اسلام نے اسے ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ گھریلو امور میں نیکی پر قائم رہتے ہوئے حسن تصرف کا مظاہرہ کرے۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

سچی مسلمان خاتون ہمیشہ اپنی اولاد پر شفقت و مہربانی کرنے اور اپنے خاوند کی خدمت

« لأتاذن المرأة في بيت زوجها......، حديث: 5195. [1] صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تاخذ......، حديث: 5364، وصحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: 1714.

گزاری کرنے میں متصف نظر آتی ہے اور یہ ان اعلیٰ ترین صفات میں سے دو صفات ہیں جن سے عورت ہر زمان و مکان میں خوبصورتی حاصل کرتی رہی ہے اور رسول اکرم ﷺ نے قریش کی خواتین میں انہی دونوں صفات کی تعریف بیان فرمائی ہے، جو اولاد پر شفقت کرنے میں اور اپنے خاوند کے مال کی نگہداشت کرنے، ان میں امانت و دیانت رکھنے، اخراجات میں حسن تدبیر کا مظاہرہ کرنے اور انہیں ضائع ہونے سے بچانے میں پورے عرب کی مستورات میں ضرب المثل تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شتر سوار مستورات میں سے بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں، جو اپنے بچوں کی بچپن میں انتہائی مہربان ہوتی ہیں اور اپنے خاوندوں کے پاس موجود مالوں کی بہت زیادہ نگہبانی کرنے والی ہوتی ہیں۔''[1]

یہ سرکار دو عالم ﷺ کی جانب سے انتہائی قیمتی شہادت ہے جو قریش خاندان کی مستورات کی گردنوں میں قیمتی اور نفیس ترین فضائل سے آراستہ ہار کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ان کے حسن و جمال، فضل و مقام اور چمک و زیبائش میں مزید چار چاند لگ رہے ہیں۔ اس شہادتِ رسول ﷺ میں عام مسلمان خواتین کے لیے ایک دعوت بھی ہے کہ وہ بھی اپنی اولاد پر شفقت و مہربانی کرنے میں اور اپنے ازواج کی رورعایت کرنے میں ان جیسی بن جائیں۔

بلاشبہ عورت کا اپنے خاوند پر توجہ دینا، اس کے معاملات ذاتیہ کا اہتمام کرنا اور اس کی رورعایت رکھنا بہت ہی بڑا شرف و فضل ہے، اس کے صبح و شام کا خیال رکھنا، اس کی نشست و برخاست کا خیال رکھنا، اور عورت کا اپنے خاوند کو اپنے ذوق، اپنی رقت اور اپنی انس و محبت میں سے اتنا حظ وافر عطا کرنا چاہیے کہ جس سے اس کی زندگی خوشیوں، سعادتوں، سکون و اطمینان اور امن و چین سے معمور ہی معمور نظر آئے۔ ایک عام مسلمان خاتون کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں بہترین نمونہ موجود ہے، جب وہ سفر حجۃ الوداع میں رسول کائنات

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب إلى من ينكح، حديث: 5082 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل نساء قريش، حديث: 2527.

ﷺ کی ہم رکاب تھیں، وہ آپ ﷺ کی خدمت گزاری اور وفا شعاری میں کس قدر پیش پیش نظر آتی ہیں کہ دیکھو احرام باندھنے سے قبل اور احرام اتارنے کے بعد طواف افاضہ کرنے سے قبل آپ کو خوشبو لگا رہی ہیں، اپنے دست خاص سے نبی مکرم ﷺ کو خوشبو مل رہی ہیں اور پھر اپنی استطاعت کے مطابق بہترین خوشبو کا انتخاب فرما رہی ہیں۔ انہوں نے خود ان باتوں کی متعدد صحیح احادیث میں، جنہیں امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، صراحت فرمائی ہے، ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے بدست خود رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی، آپ کے احرام باندھنے سے قبل جب آپ نے احرام باندھا اور آپ کے احرام اتارنے کے وقت جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل اتارا۔''[1]

آپ ہی کا فرمان گرامی ہے:

''میں نے اپنے ان دونوں ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو ملی تھی، جب آپ نے احرام باندھا تھا اور آپ کے احرام اتارتے وقت جب آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل احرام اتارا تھا اور پھر آپ (رضی اللہ عنہا) نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دکھایا۔''[2]

رسول اکرم ﷺ حالت اعتکاف میں بھی اپنے سر مبارک کو جھکاتے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو کنگھی کیا کرتیں اور سر مبارک کو دھویا کرتی تھیں۔ ان باتوں کو بخاری و مسلم میں موجود صحیح احادیث بیان کرتی ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرامین سے منقول ہیں۔ آپ کا ایک فرمان اس طرح ہے:

''نبی کریم ﷺ حالت اعتکاف میں اپنا سر (حجرے کے اندر) میری طرف جھکایا کرتے تو میں آپ کو کنگھی کر دیا کرتی اور آپ گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے تھے،

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب الطيب قبل الإحرام، حديث : 1189. [2] صحيح البخاري، الحج، باب الطيب بعد رمي الحمار، حديث : 1754.

ماسوائے رفع حاجت کے۔‘‘[1]

آپ کا یہ فرمانِ گرامی:

’’میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو دھویا کرتی تھی جبکہ میں ماہواری کے ایام میں ہوتی تھی۔‘‘[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو ان کے خاوندوں کے بارے میں بڑی سختی اور شدت سے وصیت فرمایا کرتی تھیں کہ وہ اپنے خاوندوں کے اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق کی معرفت حاصل کریں حتی کہ آپ ان حقوق کی عظمت شان اور اہمیت کو اس قدر زیادہ خیال کیا کرتی تھیں کہ عورت کو اپنے خاوند کے پاؤں پر لگے ہوئے غبار کو اپنے رخساروں سے صاف کرنا چاہیے اور یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے آپ نے یوں بیان فرمایا ہے:

[يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ ! لَوْتَعْلَمْنَ بِحَقِّ أَزْوَاجِكُنَّ عَلَيْكُنَّ لَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ مِنْكُنَّ تَمْسَحُ الْغُبَارَ عَنْ قَدَمَى زَوْجِهَا بِحُرِّ وَجْهِهَا]

’’اے گروہ مستورات! اگر تم اپنے خاوندوں کے حقوق کی عظمت کو جان لو تو یقیناً تم میں سے ہر عورت اپنے خاوند کے قدموں پر پڑے ہوئے غبار کو اپنے رخساروں سے صاف کرے۔‘‘[3]

بلاشبہ یہ کلام بیوی پر خاوند کے حق کی اہمیت کو بیان کر رہا ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے بیوی پر اس کے خاوند کے حق کی عظمت و شان کو عورتوں کے ذہنوں کے قریب ترین لانے کی کوشش فرمائی ہے اور انہوں نے بعض ایسی تکبر کرنے والی اور اپنے خاوندوں کے سروں پر سوار رہنے والی عورتوں کے دلوں سے اس بے رحم، کرخت اور ناشگوار احساس کو

---

① صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، حديث: 297. ② صحيح البخاري، الحيض، باب مباشرة الحائض، حديث : 295، و صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، حديث: (10)-297. ③ رواه ابن حبان في صحيحه، حديث: والبزار باسناد جيد، اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔ أحكام النساء ابن الجوزي: ص 311.

نکالنے کی کوشش کی ہے جو ازدواجی زندگی میں اکثر تو تکار پیدا کرنے اور گھر کو جہنم نما بنانے کا کردار ادا کرتا ہے۔

یقیناً خاوند سے سلوک، اس کا ادب واحترام اور اس کی عزت افزائی ہماری امت میں انتہائی عمدہ واعلیٰ اخلاق شمار ہوتا ہے اور یہ ان مکارم اخلاق میں سے ہے جو دور جاہلیت میں بھی مروج تھے۔ جنہیں اسلام نے بھی برقرار رکھا ہے اور مسلمان عرب نسلیں جس کی وارث بنی ہیں، اور بلاشبہ ہماری عربی وراثت نے ایسی بہت سی نادر مثالیں یاد رکھی ہیں جن میں مائیں اپنی بیٹیوں کو خاوندوں کی خدمت گزاری، ان سے حسن سلوک اور ان کی عزت افزائی کرنے میں نصیحت فرمایا کرتی تھیں جنہیں ترقی یافتہ معاشرے میں اعلیٰ ترین دستاویزات شمار کیا جاتا ہے۔ان میں سے ایک روشن ترین اور خوبصورت ترین نصیحت جسے دوسری صدی ہجری کے علم ومعرفت کے یگانۂ روزگار عبدالملک بن عمیر القرشی نے امامہ بنت حارث سے روایت کیا ہے، جو اپنے دور کی فصاحت و بلاغت اور رائے وعقل کی ممتاز ترین خواتین میں سے ایک تھی۔عبدالملک نے اس امامہ کی اپنی لخت جگر کو جب کہ وہ شادی کی دہلیز پر کھڑی تھی اس دل کش پیرائے میں کی ہوئی نصیحت کو یوں رقم کیا ہے جو کہ سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

عبدالملک نے لکھا ہے: جب عوف بن محلم شیبانی نے، جو کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے سرداروں میں سے ایک سردار اور قابل اطاعت شخص تھا، اپنی صاحبزادی ام ایاس کی، حارث بن عمرو کندی سے شادی کی، جس وقت دلہن کو رخصتی کے لیے تیار کر کے حاضر کیا گیا، تو دلہن کی والدہ امامہ اسے پند ونصائح کرنے کے لیے اس کے پاس آئی اور یوں بولی:

''اے میری لخت جگر! اگر ادب وفصاحت میں برتری کی بنا پر یا حسب ونسب میں عالی مقام کے حامل ہونے کی بنا پر پند ونصائح کو ترک کرنا ہوتا تو یقیناً تو اس قابل تھی کہ تجھے پند ونصائح نہ کیے جاتے، لیکن یہ تو غافل کے لیے یاد دہانی کا ذریعہ ہیں اور عاقل کے لیے وسیلہ معاونت ہیں۔

اے میری ہونہار بیٹی! اگر کوئی عورت اپنے باپ کی دولت وثروت اور اس کی جانب انتہائی حاجت مند ہونے کے باعث اپنے خاوند سے بے نیاز ہوتی تو تو اس قابل تھی کہ سب لوگوں سے بڑھ کر تو خاوند سے بے نیاز رہتی لیکن عورتیں تو پیدا ہی مردوں کی خاطر ہوتی ہیں جس طرح کہ ان کی خاطر مردوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

اے میری لاڈلی صاحبزادی!...... تو اس فضا اور ماحول سے جدا ہو چکی ہے جس میں تو نے جنم لیا تھا، اور اس آشیانے سے باہر آ چکی ہے جس میں تو پروان چڑھی تھی اور ایک ایسے آشیانے کی طرف جا رہی ہے جسے تو جانتی نہیں ہے اور ایک ایسے ساتھی کی جانب بڑھ رہی ہے جس سے تو مانوس نہیں ہے جو تیرے اوپر قبضہ پانے سے ''بادشاہ'' بن جائے گا، اب تو اس کی لونڈی اور خدمت گزار بن کر رہے گی تو وہ تیرا غلام بن جائے گا۔

مجھ سے دس باتیں یاد کر لے، یہ تیرے لیے انمول خزانہ اور نصیحت ہیں: پہلی اور دوسری نصیحت یہ ہے: اس کی صحبت پر قناعت کرنا اور اس کے ساتھ حسن سمع وحسن اطاعت سے معاشرت (رہن سہن) رکھنا، یقیناً قناعت سے راحت قلبی اور حسن سمع واطاعت سے رضائے ربانی نصیب ہوگی۔

جبکہ تیسری اور چوتھی نصیحت یہ ہے کہ اس کی ناک کی خاطر خوشبو کا استعمال کرنا اور اس کی چشم کی خاطر صفائی ستھرائی کا پورا اہتمام کرنا، اس کی آنکھ تیرے وجود میں کوئی بھی قبیح منظر نہ دیکھے اور اس کی ناک تیرے پیکر سے بجز بہترین خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے۔ بلاشبہ ''سرمہ'' کائنات میں موجود بہترین اشیاء میں سے سب سے بڑھ کر ہے اور کائنات کی نایاب خوشبوؤں میں سے سب سے بہترین ''پانی'' ہے۔

پانچویں اور چھٹی نصیحت یہ ہے کہ اس کے وقت طعام کا خصوصی خیال رکھنا اور اس کے لمحات نیند میں مکمل خاموشی کا اہتمام کرنا، یقیناً بھوک کی شدت جوش دلانے والی ہے اور نیند میں خلل ڈالنا غضبناک بنانے والا ہے۔

ساتویں اور آٹھویں نصیحت کچھ اس طرح ہے کہ اس کی جاہ وحشمت اور اس کے اہل

خاندان کا خصوصی خیال رکھنا اوراس کے مال و متاع کی خصوصی نگہداشت رکھنا کیونکہ مال کی خصوصی نگہداشت حسن تقدیر (بہترین عزت افزائی) ہے اور جاہ و حشمت اور اہل خاندان کی خصوصی دیکھ بھال حسن تدبیر ہے۔

جبکہ نویں اور دسویں نصیحت یوں ہے کہ اس کا کوئی راز افشانہ کرنا اوراس کی کسی بھی حکم میں نافرمانی نہ کرنا، بلاشبہ اگر تو اس کے کسی راز کو افشا کرے گی تو تو اس کی بے وفائی سے محفوظ نہ رہ سکے گی اور اگر تو اس کے حکم کی نافرمانی کرے گی تو اس کے سینے میں غصے کی آگ بھڑکا دے گی۔

اے لخت جگر سن! جب وہ رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہواس کے پاس اظہار فرحت سے بچ کر رہنا اور جب وہ خوش وخرم ہو اس کے پاس اظہار افسردگی سے بھی بچ کر رہنا کیونکہ پہلی حالت تقصیر (کوتاہی) میں سے ہے اور جبکہ دوسری حالت تکدیر (گدلا کرنے، پریشانی لاحق کرنے) میں سے ہے۔

اس کی جس قدر بھی زیادہ تعظیم بجا لاسکتی ہے بجالا، تو اس کے عوض میں وہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے گا تیرا اکرام کرے گا۔ جس قدر بھی ممکن ہو تو اس سے موافقت پیدا کر۔ اس کے جواب میں جس قدر بھی ہو سکے گا وہ تیرے ساتھ مرافقت (رفاقت وصحبت) رکھے گا۔

یہ بھی ذہن نشین کر لے اے میری چہیتی بیٹی!...... تو اس سے اپنی پسندیدہ اور محبوب ترین خواہشوں اور تمناؤں کو ہرگز، ہرگز نہیں پا سکتی حتی کہ تو اپنی خوشی کو اس کی خوشی پر اور اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان نہ کر دے اور یہ اصول اپنی پسند اور رضاء واکراہ ہر معاملہ میں مدنظر رکھ اللہ تعالیٰ تیرے لیے خیر کے فیصلے کرے گا اور تیری حفاظت فرمائے گا۔[1]

بالآخر وہ دلہن اس خاوند کے ساتھ رخصت کر دی گئی۔ اس کا مقام و مرتبہ اس خاوند کے ہاں نہایت ہی اعلیٰ وارفع رہا۔ اس جوڑے سے بعدازاں بادشاہان وقت پیدا ہوئے جنہوں نے ملکوں پر حکمرانی کی ہے۔

---

[1] جمهرة خطب العرب: 145/1.

سمجھدار صاحب تقویٰ مسلمان خاتون، اگر وہ صاحب مال ہو تو اس کی نظریں اس مال، سرمایہ اور اقتصادی خودمختاری کے فتنے میں اندھی نہیں ہوتیں جس سے وہ مستفید ہو رہی ہوتی ہے بلکہ اس کے باوجود بھی وہ اپنے خاوند کے حقوق کی نگہداشت کرنے والی اور اس کے ساتھ رہنے سہنے کو نیکی پر مبنی رکھنے والی ہی رہتی ہے اگرچہ اس کے ہاں رزق اور سرمائے کی فراوانی اور ریل پیل ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنے اس اللہ عزوجل کا شکر ادا کرنا بھی جانتی پہچانتی ہے جس نے اسے اپنی بے پناہ نعمتوں سے مالا مال فرما رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کے لیے صدقہ وخیرات بھی بکثرت کرنے والی ہوتی ہے، اور اس کی کثیر سخاوت اور بہت زیادہ عطاؤں کی سب سے بڑھ کر حقدار شخصیت صرف اس کا خاوند ہے، جب وہ تنگ دست اور مفلس ہو، تو اسے دوہرا اجر وثواب ملے گا، قرابت کا اجر و ثواب اور صدقہ کا اجر وثواب، جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے یہی بات اس حدیث میں باحسن انداز بیان فرمائی ہے جسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ دخیرات کرو، خواہ اپنے زیورات میں سے ہی ہو۔''

فرماتی ہیں: میں عبداللہ بن مسعود کی طرف واپس آئی، میں نے عرض کی: یقیناً آپ تنگ دستی والے ہیں جبکہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں اور ان سے سوال پوچھیں اگر تو میرا صدقہ و خیرات آپ کے لیے کفایت کرسکتا ہے تو بہتر وگرنہ میں یہی صدقہ کسی دوسرے کو دے دوں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بلکہ تو خود ہی جا، چنانچہ میں بذات خود چلی آئی، تو کیا دیکھتی ہوں کہ انصار کی ایک عورت جس کی حاجت میرے والی حاجت ہی تھی رسول اکرم ﷺ کے دروازے پر کھڑی ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ پر دبدبہ اور وقار ڈالا گیا تھا (یعنی کوئی آپ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلا جھجک گفتگو کرنے کا یارا نہ پاتا تھا) بالآخر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

ہمارے پاس باہر تشریف لائے ہم دونوں نے انہیں عرض کی: رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں، اور آپ کو اطلاع کریں کہ دو عورتیں مسئلہ دریافت کرنے کے لیے دروازۂ اقدس پر حاضر خدمت ہیں، کیا ان دونوں کی طرف سے اپنے خاوندوں کو دیا ہوا صدقہ اور ان کی گودوں میں پرورش پانے والے یتیموں پر خیرات انہیں کفایت کر جائے گی؟ اور آپ ﷺ کو ہماری بابت مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟

فرماتی ہیں: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور مسئلہ دریافت کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: وہ دونوں کون ہیں؟ تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کی: انصار کی ایک خاتون اور دوسری زینب ہے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کونسی زینب؟ انہوں نے کہا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ]

''ان کے لیے دوہرا اجر وثواب ہے: قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔''①

صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

[زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ]

''تیرا شوہر اور تیرے بچے ان سب سے زیادہ حقدار ہیں جن پر تو صدقہ کرے۔''②

یقیناً ایک صاحب فہم وفراست مسلمان خاتون ہمیشہ نعمتوں پر شکر ادا کرنے کو یاد رکھتی ہے اگر اسے خوشحالی کی فراوانی میسر ہو اور وہ صبر کرنے سے بھی پیچھے نہیں رہتی اگر اسے کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق ہو جائے، اور اس کی نگاہوں سے رسول اللہ ﷺ کی وہ تنبیہ بھی اوجھل نہیں رہتی جو آپ نے عموماً سب عورتوں کے لیے ارشاد فرمائی ہوئی ہے، جب آپ نے دوزخ میں عورتوں کی کثیر تعداد کا مشاہدہ فرمایا تھا، وہ تو اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ

① صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الزوج والايتام في الحجر، حديث: 1466، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفق والصدقة على الأقربين، حديث: 1000. ② صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، حديث: 1462.

کی پناہ مانگتی رہتی ہے، اور یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ میں ہیں جسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ خیرات کرو، بلاشبہ میں نے تمھیں اہل دوزخ میں سب سے زیادہ دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لعنت بکثرت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔''[1]

صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یوں ہے:

[يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ]

''یہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموشی بھی کرتی ہیں، اگر تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ زندگی بھر احسانات کرتا رہے، پھر وہ تجھ سے کوئی ایسی بات دیکھ لے تو کہہ اٹھے گی: میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''[2]

اور مسند احمد کی روایت میں اس طرح بھی ہے:

''ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا وہ ہماری مائیں، ہماری بہنیں اور ہماری بیویاں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بالکل بجا، لیکن جب وہ عنایات دی جاتی ہیں تو شکر یہ ادا نہیں کرتیں اور جب وہ مبتلائے پریشانی ہوتی ہیں تو صبر کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔''[3]

ہدایت یافتہ متقی مسلمان خاتون، جب ان صحیح احادیث مبارکہ پر غور و فکر کرتی ہے جو آخرت میں عورتوں کی اکثریت کے انجام کو متعین کر رہی ہیں تو وہ ان گناہوں میں، یعنی

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 304، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بنقص الطاعات، حديث: 79. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب كفران العشير، حديث: 29. [3] مسند أحمد: 428/3، ورجاله رجال الصحيح.

خاوندوں کی ناشکری کرنے، لعنتوں کی بہتات کرنے، احسان فراموشی کرنے، خوشحالی میں شکریہ ادا کرنے کو بھول جانے اور پریشانی میں صبر کا دامن چھوڑ دینے والے گناہوں میں پڑنے سے ہمیشہ ڈرتی ہی رہتی ہے بلکہ وہ ہر لمحہ اس صدقہ کی جانب ہی جلدی کرتی رہتی ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے سب عورتوں کو ترغیب دلائی ہے۔ بلکہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون تو خاوند کی عزت کرنے میں، اس کے فضائل کو سراہنے میں، اس کے شمائل کو بیان کرنے میں اور اس کے محاسن کو عام ذکر کرنے میں ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہی ایک وفادار مسلمان خاتون کی فطری وفاداری ہے جو اپنے شوہر کے حقوق کا احترام کرتی ہے اور اپنے شریک حیات کے فضل و مرتبہ کو فراموش اور نظر انداز نہیں کرتی۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں بہت سے واقعات ہیں جن سے وفاداری، فضل و مرتبہ کا اعتراف اپنے خاوندوں کے بلند اخلاق و کردار کا تذکرہ ایسے اوصاف حمیدہ ٹپک رہے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ جسے تاریخ اسلام نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے، سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ہے جو اول تو سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، پھر ان کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ بنیں، پھر ان دونوں کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے عقد کر لیا۔

ایک روز ان کے دونوں صاحبزادوں، یعنی محمد بن جعفر اور محمد بن ابو بکر نے باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کر دیا، دونوں میں سے ہر کوئی یہی کہہ رہا تھا: میں تجھ سے زیادہ عزت والا ہوں، اور میرا باپ تیرے باپ سے بدر جہا بہتر تھا۔ اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے کہا (یعنی اپنی زوجہ اور شریک حیات سے کہا) اے اسماء! ان دونوں کے مابین فیصلہ کرو، وہ فرمانے لگیں: میں نے عربوں میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نوجوان نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی بوڑھا آدمی دیکھا ہے۔ تب سیدنا علی رضی اللہ عنہ (فرطِ مسرت سے) بولے: تو نے ہمارے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا، اور اگر تو ان باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کرتی تو یقیناً میں تجھ سے خفا ہو جاتا! تب سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا یوں

فرماتی ہیں: بلاشبہ تم تینوں ہی بہتر ہو لیکن آپ ان سے بہتری میں کم تر ہیں، یعنی بس انیس بیس کا فرق ہے۔[1]

کیا ہی دانشمندانہ جواب تھا جو اس حاضر جواب عقلمند خاتون نے دیا، اس نے اپنے تمام خاوندوں کو ان کا وہ وہ حق دے دیا ہے جس کے وہ حق دار تھے، اور اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی راضی کر لیا۔ اگرچہ وہ ان میں سب سے کم عمر ہی تھے، لیکن اس نے تینوں کو ہی بہترین لوگوں کے زمرے میں داخل کر دکھایا ہے۔

اپنے خاوند کے اہل خانہ بالخصوص اپنی ساس سے نیک سلوک کرتی ہے

ذی ہوش مسلمان خاتون کی نیکی اور اس کی اپنے خاوند کے ساتھ حسن معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی ساس کا ادب واحترام اور اس کی تعظیم و تکریم بھی کرے، یہ اس وجہ سے کہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے دین کی راہنمائی میں یہ بات بخوبی سمجھتی ہے کہ مرد پر سب لوگوں میں سے صرف اس کی ماں کا حق سب سے بڑھ کر ہے، جس طرح کہ ہم نے ابھی سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی سابق الذکر حدیث مبارکہ میں دیکھا ہے، اس لیے بیوی خاوند کی معاونت کرتی ہے اور اپنی ساس کا ادب واحترام ملحوظ خاطر رکھتی ہے تو اس طرز عمل سے وہ اپنی ذات سے بھی نیکی کرتی ہے اور اپنے خاوند سے بھی نیک رویے کا مظاہرہ کرتی ہے اور اس نیکی، تقویٰ اور عمل صالح پر مددگار بھی بنتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم میں حکم دیا ہے، تو اس طرح وہ اسی وقت اپنے خاوند کے دل کی محبوبہ بھی بن جاتی ہے جو اس امر کا مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ میری والدہ کی بالخصوص اور میرے اہل خانہ کی بالعموم تعظیم و تکریم بجا لا رہی ہے، کیونکہ ایک نیک معزز باوقار آدمی کے دل کو سب سے زیادہ ٹھنڈا کرنے والی اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوتی کہ وہ محبت، احترام، عزت، صلہ رحمی وغیرہ کے رشتے اپنی بیوی اور اپنے اہل خانہ کے درمیان استوار دیکھتا ہے، اسی طرح ایک معزز آدمی کے دل کو سب سے زیادہ غضب ناک کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ ان رشتوں اور تعلقات کو پارہ پارہ

[1] الطبقات الكبرىٰ: 7/208، 209.

ہوتا دیکھتا ہے اور اپنی بیوی اور اپنے خاندان والوں کے درمیان برائی، بغض، کینہ، مکر اور فریب جیسی قلبی بیماریوں کو دیکھتا ہے۔

بعض اوقات مسلمان خاتون کو ایسی ساس یا ایسے دیوروں سے سابقہ پڑتا ہے جو ''خلق حسن'' کے حامل نہیں ہوتے تو ایسی صورت حال میں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان سے خوش اسلوبی، عقلمندی، نیک رویے، نرم لہجے اور احسن طریق سے معاملات طے کرتی رہے، وہ اس طرح کہ اپنے خاوند اور اپنے دیوروں اور اپنی ساس سے تعلقات میں توازن برقرار رکھے۔ وہ اپنی ذات اور اپنی ازدواجی حیات کو مذکورہ صورت حال میں منعکس ہونے سے بچائے رکھے اور اس توازن میں بگاڑ نہ آنے دے۔

ایک مسلمان خاتون یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس اکیلی ہی سے خاوند سے نیکی کرنے، اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس سے حسن سلوک سے پیش آنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں خاوند پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اس پر کوئی سرزنش نہیں ہوگی اگر وہ رہن سہن کو برا بنائے یا ازدواجی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوتاہی کا ارتکاب کرے۔

بلاشبہ اس عظیم اسلام نے جس نے ازدواجی تعلق کو منظم فرمایا ہے، اس نے میاں بیوی دونوں کے حقوق کے ساتھ ساتھ دونوں کے فرائض بھی مقرر فرمائے ہیں۔ بیوی کے خاوند کے حوالے سے فرائض اور اس کی تکریم بجالانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کے مقابلے میں اس کے خاوند پر اس کے چند حقوق بھی ہیں۔ بلاشبہ یہ حقوق ایسے ہیں جو اس کی عزت نفس کی حفاظت کرتے اور اس کی شخصیت کی ہر عبث فعل یا بے کاری یا ذلت وحقارت یا ظلم سے نگہداشت بھی کرتے ہیں اور یہی حقوق ہی بیوی کے حوالے سے اس کے خاوند کے فرائض ہیں، لہٰذا اس پر بھی لازم ہے کہ وہ ان کا احترام کرے، انہیں اختیار کرے اور انہیں مکمل صورت میں نافذ کرنے اور انہیں منطبق کرنے میں پوری پوری کوششیں کرے۔

خاوند کی رضامندی کی متلاشی رہتی ہے

ایک متقی، صاحب عقل مسلمان خاتون ہمیشہ اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہوتی ہے

اور ہمیشہ اس کی رضا مندی کی حریص رہتی ہے کہ اس کی زندگی کو کوئی چیز بے کیف و بے لذت نہ بنائے اور نہ ہی اس کی خوش بختی کو کوئی گدلا ہی کرے، بلکہ وہ اسے فرحت بخش شیریں گفتگو ہی سناتی ہے اور اذیت دہ، دل کو زخمی کرنے والی، طبیعت کو مکدر بنانے والی گفتگو سے زبان روکے رکھتی ہے، وہ اپنی استطاعت کے مطابق خوش کن خبریں اسے سناتی اور پریشان کن اطلاعات اسے سنانے سے پہلو تہی کرتی ہے، اور جب وہ ایسی خبریں سنانے کے علاوہ کوئی چارۂ کار اور کوئی دوسرا راستہ نہیں پاتی جن سے طبیعت میں رنج و ملال اور پریشانی آتی ہو، تو وہ ایسا اسلوب گفتار اور انداز گفتگو اور ایسی تمہیدی باتیں تلاش کرتی ہے جن سے طبیعت پر کم اثر ہو۔ یہ انداز تکلم ایک سمجھدار اور بیدار مغز عورت کا ایسا زیور ہے جس سے وہ آراستہ ہو کر حسن موافقت، عقل کی پختگی اور تصرف کی ذکاوت کا ثبوت فراہم کر سکتی ہے، اگرچہ یہ ایک مشکل مرحلہ اور پر مشقت گھاٹی ہے لیکن اسے صاحب فضیلت عورتیں، جو تعداد میں کم اور نادر ہیں، پانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

بلاشبہ اس بلند مقام کی چوٹی پر عظیم مسلمان خاتون سیدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ چڑھ چکی ہیں۔ وہ اپنے جگر گوشے کی وفات سے دو چار ہوئی تھیں، جبکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سفر پر گئے ہوئے تھے، تب انہیں یہ بلند مقام نصیب ہوا تھا، اگر اس بات کا ثبوت ''صحیح مسلم'' میں نہ ہوتا تو ہم اسے قصے کہانیوں ہی میں شمار کرتے۔ آئیے ہم انہی کے صاحبزادے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی اس عجیب قصے اور منفرد واقعے کو سنتے ہیں، فرماتے ہیں: ''ابوطلحہ کا وہ بیٹا جو ام سلیم سے تھا فوت ہو گیا، تب ام سلیم نے اپنے اہل و عیال سے یوں کہا: ''ابوطلحہ کو ان کے لخت جگر کے بارے میں کچھ نہ بتانا حتی کہ میں خود ہی اسے بتاؤں؟'' سیدنا انس کہتے ہیں: وہ آئے تو انہوں (ام سلیم) نے اپنے خاوند کے لیے ایسا دیدہ زیب میک اپ کیا جو وہ اس سے قبل کیا کرتی تھیں، چنانچہ وہ ان سے ہمبستر ہوئے، پھر جب انہوں نے خیال کیا کہ وہ (ابوطلحہ) ان سے سیر ہو چکے ہیں، تو یوں کہنے لگیں: اے ابوطلحہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر کسی قوم نے اپنی کوئی چیز گھر والے کو ادھار دی ہوئی ہو، پھر وہ

اپنی مستعار چیز کا مطالبہ کریں، کیا انہیں اسے روکنے کا حق پہنچتا ہے؟ وہ بولے: بالکل نہیں، تب وہ بولیں: تو پھر آپ بھی اپنے بیٹے (کی وفات) پر اللہ سے ثواب کی امید رکھیں۔

سیدنا انس فرماتے ہیں: اب وہ غضب ناک ہوگئے اور بولے: تو نے مجھے پہلے کچھ نہیں بتایا حتی کہ میں غسل جنابت کے قابل ہوگیا ہوں، تب جا کر تو نے مجھے میرے جگر گوشے کے بارے میں آگاہ کیا ہے، چنانچہ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سب ماجرا بیان کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہاری گزشتہ رات میں برکت نازل فرمائے۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں، چنانچہ وہ حاملہ ہوگئیں۔ پھر فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حالت سفر میں تھے اور سیدہ ام سلیم آپ کے ہمراہ تھیں، رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب سفر سے مدینہ واپس پلٹتے تو شب کی تاریکی میں آپ مدینہ داخل نہ ہوا کرتے تھے، صحابہ کرام مدینہ کے قریب آچکے تھے کہ اچانک سیدہ ام سلیم کے درد زہ شروع ہوگئی، بالآخر ابوطلحہ ان کے ساتھ رک گئے، اور رسول اللہ ﷺ محو سفر رہے۔ سیدنا انس کہتے ہیں: ابوطلحہ یوں دعا کرنے لگے:

''اے میرے پروردگار! یقیناً تو جانتا ہے کہ مجھے یہ بات کتنی محبوب اور پسند ہے کہ تیرا رسول سفر پر روانہ ہو تو میں بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوں اور جب آپ شہر میں داخل ہوں تو میں بھی آپ کے ہمراہ ہی داخل ہوں، اور اب میں ادھر رک گیا ہوں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں: ام سلیم بولتی ہیں: اے طلحہ! اب مجھے وہ درد محسوس نہیں ہو رہا جو میں پا رہی تھی، لہٰذا چلو، چنانچہ ہم بھی چل پڑے۔

سیدنا انس کے بقول جس وقت وہ دونوں مدینہ پہنچ گئے تو انہیں درد زہ پھر شروع ہوا، انہوں نے ایک لڑکے کو جنم دیا، مجھے میری والدہ نے پکارا: اے انس! اس بچے کو کوئی دودھ نہ پلائے حتی کہ علی الصبح تو اسے رسول کائنات ﷺ کی خدمت میں لے جائے، تو جونہی صبح

ہوئی۔ میں اس (بھائی) کو اٹھائے ہوئے رسول رحمت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں آپ سرکار ﷺ کے سامنے آیا تو آپ کے دست مبارک میں داغ لگانے والا آلہ تھا، جونہی آپ نے مجھے دیکھا تو فوراً فرمایا:

''شاید کہ ام سلیم کے ہاں ولادت ہوئی ہے۔'' میں نے عرض کی: جی ہاں، چنانچہ آپ نے وہ آلہ نیچے رکھ دیا اور بچے کو گود میں لے لیا، رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کی ایک عدد عجوہ کھجور منگوائی، پھر اسے منہ میں ہلکا ہلکا چبایا حتی کہ وہ بالکل نرم و ملائم ہوگئی پھر آپ ﷺ نے اسے بچے کے منہ میں ڈال دیا، تو فوراً بچے نے منہ میں زبان پھیرنا شروع کر دی۔

سیدنا انس فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تب فرمایا:

''انصار کی کھجور سے محبت کو ملاحظہ کرو۔''

سیدنا انس فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا ''نام عبداللہ'' رکھا۔ [1]

اے ام سلیم! تو نے اللہ کی خاطر کیا کچھ کر دکھایا ہے! تیرا ایمان کس قدر عظیم ہے! تیرا صبر کس درجہ عالی شان ہے! تیرا فضل کس مرتبہ بڑا ہے! اور تیرا اپنے خاوند کی خاطر میک اپ کرنا اور تیرا اس سے اظہار محبت کرنا کس درجہ خوبصورت ہے! تجھے یہ طاقت کہاں سے مل گئی کہ اپنے جگر گوشے کی وفات پر اپنے غم والم کی سب کیفیات کو نگل گئی ہے؟ تیرے دل کو یہ ڈھارس کیسے بندھی کہ بیٹے کو گم پانے والی، غموں سے نڈھال، جگر گوشے کی جدائی میں بے چین کس درجہ استقامت کا پہاڑ بنی ہوئی ہے؟ اور تو کس طریقے سے یہ لمحات غم صابرہ بن کر، ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اپنے شریک حیات کے ساتھ گزار رہی ہے تو تو اپنے صبر کے ساتھ، اپنی نیت ثواب کے ساتھ، اپنے شوہر کے حق زوجیت ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کو تلاش کر رہی ہے! بلاشبہ یقیناً یہی انتہائی گہرا، سچا، برحق ایمان ہے!

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أبي طلحة الانصاري، حديث : 2144.

اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اور تیرے خاوند کے لیے رسول برحق ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا اور تو اپنی اسی ایک رات سے بچے کی امید سے ہوگئی، پھر جب تیرا حمل بھاری ہوگیا تو تو نے دیکھا کہ تیرا شوہر تو ایک تازہ غزوے کے لیے رسول کائنات ﷺ کی ہمراہی میں رخت سفر باندھ رہا ہے تو تو بھی اس بات پر بضد ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں تو بھی یہ جہاد کی عظمتیں حاصل کرے گی، حالانکہ تو اپنے حمل کے مہینوں میں تھی، اور تیرا خاوند راستے کی مشقتوں میں سفر کی صعوبتوں، چلنے کی کلفتوں، سواری کی دقتوں، اور تپتی ریت کی شدتوں میں تیرا کس قدر خیال کرتا ہوگا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے تجھے اپنے ساتھ ہم سفر رکھنے کے لیے اجازت مانگی ہوگی، تب نبی اکرم ﷺ نے تیرے جذبات کی قوتوں اور جہاد کے لیے تیری محبتوں کو دیکھتے ہوئے تجھے اجازت مرحمت فرمائی ہوگی۔

تو نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام کی شان وشوکت کا بچشم خود مشاہدہ کیا، پھر غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی آزمائش کو بھی دیکھا، اور تو اپنے خاوند کے ساتھ اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ رسول مکرم ﷺ کے گرداگرد ایک بلند ترین ٹیلے کی طرح ثابت کھڑی رہی جبکہ تو حاملہ تھی، اس آڑے وقت میں جب مسلمانوں کے بہت سے جری بہادر پشتیں پھیر کر پیچھے پلٹ گئے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تائیدونصرت اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر نازل فرمائی۔ مجاہدین کا لشکر مدینہ کی جانب رواں دواں ہوا حتی کہ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچا تو تجھے دردِ زہ لاحق ہوگیا، اور تو نے شدید آلام واوجاع کو محسوس کیا، پھر تو اور تیرا خاوند تھوڑی دیر کے لیے رک گئے، لیکن تیرے خاوند نے ظلمت شب میں اپنے پروردگار سے مناجات کیں کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہی نکلنے کو اور آپ کے ہمراہ ہی مدینہ میں داخل ہونے کو محبوب رکھتا ہے، تو اچانک تجھ سے ولادت کی دردیں ختم ہوجاتی ہیں، اور تو اپنے خاوند کو اس کی اطلاع دیتی ہے، پھر تم دونوں اس لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہو جو کہیں آگے جاچکا تھا، اور پھر تم اس سے جا ملتے ہو، اور مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد تجھے دوبارہ دردِ زہ لاحق ہوتا ہے اور تو ایک لڑکے کو جنم دیتی ہے جسے اس کا اخیافی بھائی انس

(رضی اللہ عنہ) اٹھائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لاتا ہے، آپ سرکار ﷺ اسے گھٹی دیتے ہیں اور اس نومولود کا نام عبداللہ رکھتے ہیں، اور تو اس نومولود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت کو بچشم خود مشاہدہ کرتی ہے، جب اس کی نسل سے دس بہترین علمائے کرام دنیا میں آئے تھے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے تیرے ایمان کی صداقت وحقانیت کو جان لیا ہے، تبھی تو تیرے لیے زبانِ رسول ﷺ سے جنت کی بشارتیں صادر ہوئی ہیں:

''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کسی کی آہٹ سنی، میں نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا: یہ غمیصاء بنت ملحان، یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔''[1]

مسلمان خاتون کے اپنے خاوند سے محبت رکھنے کے پاکیزہ ترین اور محبت سے بھرپور و معمور واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ ایک ماہ تک اپنی ازواج مطہرات سے الگ رہنے کے بعد ان کے پاس واپس آئے تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے جو فرمایا تھا، حالانکہ آپ نے ان کی جانب سے انتہائی کوفت پانے پر یہ فرمایا ہوا تھا:

''میں ان کے پاس ایک ماہ تک داخل نہیں ہوں گا۔''

تو جب انتیس دن گزر گئے تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور انہی سے گفتگو اور ملاقات کا آغاز فرمایا، تب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے یہ عرض کی تھی: آپ نے تو ہمارے پاس ایک ماہ تک نہ آنے کی قسم کھائی تھی اور آج تو ہم نے انتیسویں شب کی صبح کی ہے، میں انہیں پوری احتیاط سے گنتی رہی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أم سليم، حديث: 2456. [2] بخاری ومسلم کی طویل حدیث کا اقتباس ہے، صحیح البخاري، المظالم، باب الغرفة العلية...... حدیث:

سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس بول میں: ''اور آج تو ہم نے انتیسویں شب کی صبح کی ہے، میں انہیں پوری احتیاط سے گنتی رہی ہوں۔'' اپنے خاوند سے محبت و مودت رکھنے والی بیوی کے دلی تعلق کی والہانہ تعبیر ہے، اور اس کے اپنے خاوند کی شب بہ شب، اور گھنٹہ بہ گھنٹہ اپنے پاس آنے کی انتظار کی کیفیت کی کہانی ہے اور اس میں محبت رکھنے والے مشتاق خاوند کے دل کی کیفیتِ محبت، صورتِ مودت اور قلبی میلان کی وہ تصویر کشی بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری ازواج کو چھوڑ کر سب سے پہلے انہی کے پاس جلوہ افروز ہوئے تھے۔

ایک دانش مند محبت رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے خاوند کے میلانات، اس کی ترجیحات اور اس کی عادات سے بخوبی آشنا ہو جاتی ہے، اور پھر اپنی استطاعت کے مطابق ان کی رعایت رکھتے ہوئے کام سرانجام دیتی ہے، صرف ازدواجی زندگی کے سفر میں باہمی افہام و تفہیم اور خوش اسلوبی کو تلاش کرتے ہوئے اور اپنے سلیقے اور انتظام سے اکتاہٹ اور گزشتہ واقعات پر ملامت کو دور ہٹاتے ہوئے، ہر پاکیزہ، دین دار، سمجھدار اور بیدار مغز خاتون ایسے ہی کرتی ہے: مشہور فقیہ قاضی شریح سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے بنو حنظلہ کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ شب زفاف میں دونوں میاں بیوی نے دو دو رکعت نماز ادا کی، پھر دونوں نے اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی کا سوال کیا، پھر بیوی قاضی صاحب کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئی: میں ایک اجنبی اور نا آشنا خاتون ہوں، مجھے آپ کے اخلاق و کردار کا کچھ علم نہیں ہے، مجھے آپ کھول کر ارشاد فرما دیں جو چیزیں آپ کی پسندیدہ ہیں تاکہ میں انہیں بجا لاؤں اور جو چیزیں آپ کی ناپسندیدہ ہیں تاکہ میں ان سے کنارہ کش رہوں...... قاضی شریح فرماتے ہیں: وہ خاتون میرے ہاں بیس برس تک رہی، میں نے کبھی کسی کام میں اسے سرزنش نہیں کی، ماسوائے ایک بار کے اور اس میں بھی زیادتی میری ہی نکلی۔

یہی وہ محبت کرنے والی بیوی ہے جسے اسلام چاہتا ہے جو گھر کی نگرانی کرنے والی ہو، اپنے خاوند کی وفادار ہو، اپنے باہمی تعلقات کو ہمیشہ استوار رکھنے والی ہو، جونہی کبھی ان

2468 ومسلم، الصیام، باب بیان ان الشهر یکون تسعاً وعشرین، حدیث : 1083.

کی ازدواجی زندگی میں فضا کو مکدر کرنے والی ہوائیں چلیں تو وہ سچی محبت اور حکیمانہ تقاہم سے اس فضا کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتی ہو، وہ شیطانی وسوسوں اور نفس امارہ کے برے چوکوں پر کان لگا کر اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتی، وہ اس لیے کہ ازدواجی تعلق اور نکاح کا بندھن اس بات سے کہیں بلند تر اور بڑا ہے کہ اس کی گرہوں کو کسی عارضی اختلاف یا کسی بدگمانی اور سوءِ فہم کی بنا پر کھول دیا جائے، اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے کم سمجھ اوچھی، بے وقوف عورت کو جو بغیر کسی زبردست شرعی مجبوری کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں جلدی کرتی ہے، جنت کی خوشبو سے محرومی کی وعید سنائی ہے، جیسے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے:

[أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقَهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ]

''جو خاتون اپنے خاوند سے بلا مجبوری اپنی طلاق کا سوال کرے گی تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہوگی۔''[1]

اس کے راز افشا نہیں کرتی

پرہیزگار ہوش مند مسلمان بیوی اپنے خاوند کے راز افشا نہیں کرتی، وہ اپنے اور اپنے خاوند کے درمیان طے پانے والے رازوں اور باہم سرانجام پانے والے عملوں کو کسی کے سامنے بیان نہیں کرتی، وہ اس لیے کہ سمجھدار باشعور مسلمان خاتون اس بات سے کہیں بلند تر ہے کہ وہ حماقت اور بے ہودگی کی سطح تک نیچے اترے اور نہ ہی ان سطحی اور گھٹیا باتوں ہی میں مگن ہوتی ہے جو حقیر و ذلیل ماحولوں میں چلتی رہتی ہیں، یقیناً اس کا وقت اس سے کہیں قیمتی ہے کہ وہ ایسے کمینے اعمال میں اپنے وقت کو ضائع کرے جو اعمال صرف آوارہ مردوں،

---

[1] حديث حسن صحيح، جامع الترمذي، أبوب الطلاق، باب ما جاء في المختلعات، حديث : 1187 وابن حبان : (حديث : 4184) كتاب النكاح، باب معاشرة الزوجين.

عورتوں اور حقیر و ذلیل لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے نفس کو بلند سطح پر رکھتی ہے کہ کہیں وہ اس قسم کے لوگوں میں سے نہ بن جائے جنہیں رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تمام لوگوں میں سے بدترین قرار دیا ہے:

[إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ أَحَدُهُمَا سِرَّ صَاحِبِهِ]

''بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام لوگوں میں بدترین وہ مرد ہوگا جو اپنی بیوی سے ملتا ہے اور بیوی اس سے ملتی ہے، پھر ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کے راز لوگوں میں پھیلاتا ہے۔''[1]

بلاشبہ مسلمانوں پر بالخصوص اور عام انسانوں پر بالعموم اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنے رسول معظم ﷺ کی خاص اور عام زندگی کو آپ کی امت اور ساری انسانیت کے لیے ایک کھلی کتاب بنا دیا ہے، جس میں اسلامی عقیدے کی اقدار کو پڑھا جا سکتا ہے، اور اس عقیدے کی عملی تطبیقات کو واقعاتی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کوئی مخفی راز ہے اور نہ ہی کوئی لپٹا ہوا پردہ، بلکہ ان حالات و واقعات کو قرآن و حدیث پر پیش کیا جا سکتا ہے جنہیں لوگ اپنی عمومی زندگی میں پاتے ہیں اور جنہیں لوگ دوسروں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں حتی کہ انسانی کمزوری کے وہ مقامات جن میں انسان کے لیے حیلہ اور چارہ کار نہیں ہوتا، انہیں بھی اسلامی نصوص لوگوں کے سامنے بیان کر دیتی ہیں، تاکہ وہ باطل سے حق کی پہچان، خطا سے درست اور گمراہی سے ہدایت کی معرفت حاصل کر لیں۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ساری کی ساری زندگی اللہ کے لیے اور اس کی طرف دعوت دینے کے لیے ہے، وہ کس لیے آپ کی حیات مبارکہ میں سے کوئی پہلو اوجھل رکھ سکتے تھے یا اسے چھپا سکتے تھے؟ اور بلاشبہ آپ کی زندگی، آپ کے گھر اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں روایت کردہ تمام حقائق ان

[1] صحیح مسلم، النکاح، باب تحریم إفشا سر المرأة، حدیث : 1437.

احکام کی عملی تطبیق ہیں جو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے صادر فرمائے تھے، اسی لیے تو انہوں نے (جزاهم الله خیرا) لوگوں کے سامنے آپ کی زیست مبارک کے معمولی معمولی حالات کی تفاصیل کو نقل فرمایا ہے، انہوں نے آپ کی عمومی زندگی میں کوئی چھوٹا بڑا واقعہ نہیں چھوڑا مگر اسے تحریر کیا اور اسے آگے روایت کیا ہے، اور رسول مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کو احاطۂ تحریر میں محفوظ کر دینا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا ایک پہلو ہے یا عقیدۂ اسلام کی باریکیوں کو احاطۂ تحریر میں قلمبند کر دینا جو آپ ﷺ کی زندگی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے اور یہ ساری باتیں ان باتوں کے علاوہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے حیات رسول ﷺ کی بابت بیان فرمایا ہے جو تمام انسانیت کے لیے، جب تک آسمان و زمین قائم ہیں، نوشتہ صورت میں محفوظ و موجود رہیں گی۔

اس کے ساتھ مشورہ میں شامل ہوتی اور اس کا ساتھ دیتی ہے

یقیناً اس زندگی میں مرد اور عورت کا اس دنیا کو ایک ساتھ اکٹھے آباد رکھنا اور اس میں دنیاوی معاملات کو چلانا اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ہے، مرد عورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا اور عورت مرد سے لاتعلق نہیں رہ سکتی، اسی لیے اسلام کے تمام قوانین اور اس کی تمام ہدایات مرد و زن کے باہمی تعاون کے ساتھ ہی وارد ہوئی ہیں، اور اسلام نے مرد کو حتی المقدور اپنی بیوی کی معاونت کرنے اور اس کا ہاتھ بٹانے کی ترغیب دی ہے، اور رسول اللہ ﷺ اپنے اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے رہتے، حتی کہ آپ نماز کی ادائیگی کے لیے باہر تشریف لے جاتے، جس طرح کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

اسلام میں جس طرح کوئی آدمی کسی عمل یا گھریلو تدبیر کے دوران عورت کو ساتھ ملا سکتا ہے بالکل اسی طرح عورت بھی دنیا کے کام کاج میں اور زندگی کی ترقی کے لیے قول، رائے اور عمل میں اسے ساتھ ملا سکتی ہے۔

پہلی مسلمان خاتون، یعنی ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کی زندگی میں اثر انداز ہونے والی مسلمان خاتون کے لیے انتہائی اعلیٰ مثال ہیں، جب رسول اکرم

ﷺ اس دن ان کے ہاں گھبرائے ہوئے اور پریشان تشریف لائے تھے جس دن آپ پر نزولِ وحی کی ابتدا ہوئی تھی۔ آپ کی گردن اور کندھوں کے درمیانی حصے کپکپا رہے تھے اور آپ کے جوڑ کانپ رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، چنانچہ آپ فی الفور رسول اللہ ﷺ کو تقویت پہنچانے کے لیے اور اپنی رائے، کام، تدبیر سے نوازنے اور حوصلہ بڑھانے کے لیے آپ کے پہلو میں کھڑی ہوگئیں۔ آئیے ہم سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بات سنتے ہیں جو ہمارے رسول الٰہی ﷺ نزول وحی کے ابتدائی واقعے کو اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دلکش خدمت گزاری کو، اور رسول کریم ﷺ کے سامنے آپ کے دلنشین اور بہترین موقف کو بیان فرماتی ہیں جس طرح کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وہ ابتدائی چیزیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا، وہ سوتے میں سچے خواب آنا تھے، آپ رات کو کوئی خواب نہ دیکھتے تھے مگر وہ طلوع صبح کی مثل پورا ہوجاتا تھا، پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب ہوتی گئی تو آپ غار حرا میں عبادت گزاری کے لیے خلوت گزیں ہوگئے۔ آپ گھر والوں کی طرف پلٹنے سے قبل کئی کئی راتیں ادھر عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے، آپ اس مقصد کے لیے خورد ونوش کا سامان ساتھ لے جاتے، پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف پلٹ آتے اور اتنا ہی سامان خورد ونوش پھر لے جاتے، حتی کہ آپ کے پاس حق آ گیا جبکہ آپ ابھی غار حرا ہی میں تھے، آپ کے پاس فرشتہ آیا اور بولا: پڑھیے! آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: اس نے مجھے پکڑا اور اپنے ساتھ ملایا (چمٹایا) حتی کہ مجھے کافی مشقت پہنچی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر بولا: پڑھیے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں: اس نے مجھے پھر چھوڑ دیا، اور پھر بولا: پڑھیے، میں نے پھر کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے مجھے تیسری بار پکڑا اور دبایا حتی کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف پہنچی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور بولا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ

الْاَكْرَمُo الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے (سب کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑا کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''[1]

تب رسول اللہ ﷺ ان آیات کے ساتھ اس حال میں واپس آئے کہ آپ کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا، حتی کہ آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، چنانچہ انہوں نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا، حتی کہ آپ سے خوف جاتا رہا، پھر آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہوا ہے؟ تب آپ نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا، آپ نے فرمایا: مجھے تو اپنی جان کی فکر لاحق ہوگئی ہے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یوں فرمایا:

[كَلَّا، أَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ! لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، وَاللّٰهِ! إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَآئِبِ الْحَقِّ]

''ہرگز یوں نہیں ہوگا! خوش ہو جائیے۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، راست بازی کا دامن تھامے رکھتے ہیں محتاجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور بے کس کو کمائی کر کے دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق پر آنے والے مصائب پر مدد کرتے ہیں۔''

بالآخر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس چلی آئیں، وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا برادر عم زاد تھا، یعنی ان کے باپ کے بھائی کا بیٹا تھا، اور یہ شخص دور جاہلیت میں مذہب نصاریٰ قبول کر چکا تھا اور یہ کتاب کو عربی میں لکھا کرتا تھا،

---

[1] القلم 96: 1۔5.

اور یہ انجیل کو عربی میں جتنا لکھنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا لکھا کرتا تھا، اور یہ اب انتہائی بوڑھا اور نابینا ہو گیا تھا۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا: اپنے بھتیجے کی بات سنو! ورقہ بن نوفل نے پوچھا: ارے میرے بھتیجے! تو کیا دیکھتا ہے؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا تھا سب اسے بتا دیا، تب آپ سے ورقہ بن نوفل نے یوں کہا: یہ وہی ناموس (فرشتہ جبرائیل) ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا، کاش کہ میں اس وقت قوی نوجوان ہوں، کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جس وقت آپ کو آپ کی قوم شہر بدر کر دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے شہر بدر کر دیں گے؟ ورقہ بولا: جی ہاں! کوئی شخص بھی کبھی یہ پیغام نہیں لایا جو آپ لائے ہیں مگر اس سے دشمنی کی گئی ہے اگر مجھے آپ کا وہ دن مل گیا تو میں بالیقین آپ کی پرزور اور بھرپور مدد کروں گا۔ [1]

یقیناً اس نص میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کمال درجہ کی عظیم بیوی ہونے کی بہت بڑی دلیل اور ایک زبردست حجت موجود ہے، اسی طرح ان کی رائے کی زیادتی، شخصیت کی قوت، دل کی پختگی، سمجھداری کی عظمت اور بعید نظری بھی عیاں ہو رہی ہے، انہوں نے اپنی فطانت اور دوراندیشی سے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ جس معاملے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آ لیا ہے اس نئی صورت حال کے پیچھے کوئی عظیم معاملہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کر رکھا ہے، چنانچہ ان کی پر درد، مہربان اور شیریں آواز آپ کو خوشخبری دینے کے لیے بولنا شروع کرتی ہے جو آپ کے دل اطہر میں خود اعتمادی، امن، سکون اور یقین کو مضبوط کرتی ہے:

[اَبْشِرْ يَاابْنَ عَمِّ، وَاثْبُتْ، فَوَالَّذِي نَفْسُ خَدِيجَةَ بِيَدِهِ! إِنِّي لَا رْجُو أَنْ تَكُونَ نَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ]

---

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 3، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 160.

''اے میرے برادر عم زاد! خوش ہو جاؤ اور ثابت رہو، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے! مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں۔''[1]

پھر وہ آپ کو اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر چلی آئیں جس کے پاس تورات اور انجیل کا علم تھا، جس پر اس نے رسول کریم ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جو آپ نے دیکھا تھا۔

بلاشبہ یہ پہلی ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کے لیے اسلام کی خاطر سچی وزیر تھیں۔ آپ کے شرف، بلندیٔ مقام اور آپ کے دائمی ذکر کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی ہیں، اور اپنے خاوند رسول الٰہی ﷺ کے پہلو میں کھڑی ہوئی ہیں، جو آپ کی نصرت فرماتیں آپ کی پشت پناہی کرتیں اور ان گونا گوں اقسام کی اذیتوں اور ظلم وستم کو برداشت کرنے میں آپ کی مدد کرتیں جو آپ کو دعوت الٰہی پیش کرنے میں لاحق ہوتی تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان مصائب آلام، زخموں، تھکاوٹوں اور مشقتوں کو آپ کے ساتھ برابر برداشت کرتی تھیں جو آپ کو اس راہ میں پیش آتی تھیں۔ ابن ہشام رحمہ اللہ سیرۃ میں رقمطراز ہیں:

''سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، اللہ کی طرف سے جو آپ پر آیا تھا، اس کی آپ نے تصدیق فرمائی، اس معاملے میں آپ کی بھرپور معاونت فرمائی۔ وہ پہلی شخصیت ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائی تھیں، اور انہوں نے ہر اس بات کی تصدیق کی تھی جو بھی آپ لائے تھے، تو آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کچھ بوجھ ہلکا فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ کوئی بھی تردید اور تکذیب والی بات، جو آپ کو غمناک بنا دیتی تھی، نہ سنا کرتے تھے، مگر جب بھی آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے اس لاحق ہونے والے غم کو ختم فرما دیتے تھے، وہ آپ کو ثابت قدم رکھا کرتیں آپ سے بوجھ ہلکا کیا کرتیں، آپ

[1] السیرۃ: 254/1.

کی ہر بات میں تصدیق کیا کرتیں، آپ پر لوگوں کے معاملے کو آسان بنایا کرتیں، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کا نزول فرمائے۔''[1]

یقیناً آپ عورتوں میں سے صدیقہ ہیں اور آپ نے صدیقیت کی عبا کو برحق زیب تن کیا ہے، لہٰذا اس پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم، رضوان اور عزت افزائی کی مستحق ٹھہرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دو رسولوں کے ذریعے، یعنی سیدنا محمد ﷺ اور جبریل امین کے ذریعے اپنا سلام بھیجتا ہے اور انہیں جنت کے محلات کی بشارت سناتا ہے جس طرح کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے:

''جبریل امین علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ جو ابھی آپ کے پاس ایک برتن لیے آئے گی، اس میں کھانے پینے کا سامان ہوگا، تو جونہی وہ آپ کے پاس آئے تو انہیں ان کے رب کا اور میرا سلام عرض کریں، اور انہیں جنت میں ایک موتی کے بنے ہوئے گھر کی خوشخبری سنادیں جس میں نہ شور ہوگا اور نہ ہی کوئی مشقت ہوگی۔''[2]

جس وقت رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ہونے والے صلح نامے کو پختہ کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھڑے ہو کر جانور ذبح ونحر کرنے کا اور پھر سر منڈوانے کا حکم دیا، تو ان میں سے کوئی ایک بھی کھڑا نہ ہوا، آپ نے یہ حکم تین مرتبہ دہرایا، لیکن ان میں سے کوئی بھی قبول نہیں کر رہا تھا، تب آپ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے یہ کوفت بیان کی جو لوگوں سے آپ کو پہنچی تھی، تو یہاں پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت و فطانت چمکتی ہے اور آپ کی سمجھداری روشن ہوتی ہے، جب یوں فرماتی ہیں: ''یا رسول اللہ! آپ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے بھی کوئی بات نہ کریں حتی کہ آپ بذات خود اپنے اونٹ کو نحر فرمادیں اور اپنا سر منڈوالیں۔''

---

① السيرة: 257/1. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ، خديجة، حديث: 3819 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة، حديث: 2432.

رسول اللہ ﷺ نے آپ کا مشورہ قبول فرمایا اور جیسے انہوں نے مشورہ دیا تھا ویسے ہی کر دیا، تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سب کچھ بچشم ایشاں مشاہدہ کر لیا تو سبھی جلدی سے اٹھے، سبھی نے نحر کیا، اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے حتی کہ بعض کی حالت غم و پشیمانی کی وجہ سے یہ نظر آتی تھی کہ ایک دوسرے کو قتل ہی کر ڈالے گا۔[1]

صلح حدیبیہ کے بعد اس کثرت سے لوگ داخل ہو رہے ہیں کہ قبل صلح اتنی تعداد میں داخل اسلام نہ ہوئے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس موقع پر یہ فرمان الٰہی نازل ہوا تھا:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾

''بے شک (اے نبی!) ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح دی ہے۔''[2]

اور یہ فتح ''صلح حدیبیہ'' ہی ہے، تب رسول کریم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا، اور انہیں خصوصی طور پر یہ پڑھوایا تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا واقعی یہ فتح ہے؟ فرمایا: ہاں! تو ان کا دل خوش ہو گیا اور طبیعت بحال ہو گئی۔[3]

وہ اسے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر ابھارتی ہے

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کے اپنے خاوند کے پہلو میں کھڑے رہنے میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اسے فی سبیل اللہ نیکی کرنے، صدقہ کرنے اور خرچ کرتے رہنے پر ابھارتی اور رغبت دلاتی ہے، نہ کہ بے جا خرچ کرنے، فضول خرچی کرنے، بے وقوفی و نادانی اور تکبر و غرور کی مختلف جگہوں میں مال بکھیرنے کا کہتی ہے جس طرح کہ ہم بہت سی جاہل، گھٹیا ذہن اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے گم گشتہ عورتوں کو دیکھتے ہیں۔

بیوی کے اپنے خاوند کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر ابھارنے کی بڑی پیاری مثال سیدہ ام دحداح رضی اللہ عنہا کی ہے، جس وقت ان کے خاوند نے ان کے پاس آ کر اس باغ کو جس میں وہ اور ان کی اولاد رہائش پذیر تھی، اس امید پر اسے صدقہ کر دینے کا بتایا کہ اس کے بدلے میں

[1] زاد المعاد : 3/295 والطبری : 2/124. [2] الفتح 48:1. [3] صحیح مسلم، الجهاد، باب صلح الحديبية، حديث : 1786.

انہیں جنت میں کھجوروں کے گچھے ملیں گے۔

تو ان کا جواب یوں تھا: کامیاب تجارت ہے، کامیاب تجارت ہے، اور پھر اس سلسلے میں رسول کائنات ﷺ فرماتے ہیں:

''ابوالدحداح کو جنت میں کتنے ہی بھاری اور بکثرت گچھے ملیں گے۔''[1]

یہ بات آپ نے کئی بار ارشاد فرمائی۔

اطاعت الٰہی پر اس کی معاونت کرتی ہے

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کے قابل تحسین اعمال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اطاعت الٰہی کی مختلف اقسام میں اپنے خاوند کی مدد کرتی رہتی ہے، بالخصوص قیام اللیل پر، بلاشبہ وہ اس طریقے سے اسے نفع عظیم کا حقدار بناتی ہے، جب وہ اسے وہ کام یاد کرواتی ہے جن سے وہ غافل ہو رہا ہو یا سستی کا ارتکاب کر رہا ہو یا اس سے کاہلی برت رہا ہو، اس طرح وہ اسے اور اپنے آپ کو رحمتِ ایزدی کے سائے میں لانے کا سبب بنتی ہے۔

وہ پسندیدہ صورت جسے رسول اللہ ﷺ نے زوجین کے اطاعت الٰہی پر باہم تعاون کرنے کے سلسلے میں ہمارے سامنے رکھی ہے جس کے ذریعے دونوں تبادلۂ خیر کے ایک دوسرے کے لیے ضامن بنتے اور دونوں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار ٹھہرتے ہیں، وہ حدیث مبارکہ ہے جسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات کو بیدار ہو اور نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم فرمائے جو رات کو کھڑی ہو اور نماز پڑھے اور پھر اپنے خاوند کو بھی جگائے تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لے، لیکن اگر وہ انکار کرے تو

[1] مسند أحمد: (90،91/5) والطبرانی، اور ان دونوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں، ملاحظہ فرمائیں مجمع الزوائد: 324/9.

اس کے چہرے پر پانی چھڑکے۔''[1]

اس کے دل کو محبت اور خوشی سے معمور رکھتی ہے

ہوش مند، سمجھدار مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ اس کی زندگی میں اہم ترین اعمال میں سے، اپنے مالک و خالق کی عبادت کرنے کے بعد یہ عمل ہے کہ اپنے خاوند کے دل میں داخل ہو جانے میں اور اس کا دل محبت سے بھر دینے میں کامیاب ہو جائے، وہ اس طرح کہ وہ اپنے دل کی گہرائی میں یہ محسوس کرے کہ وہ اسے اپنے پاس رکھ کر خوش قسمت ہے، اور وہ اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے انتہائی مبارکوں کا حقدار ہے اور اس کی صحبت میں رہ کر نہایت انعام یافتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ذرائع، اسباب اور راستے جاننے میں اپنی ذہانت کو استعمال کرتی رہتی ہے جن سے وہ اپنے خاوند کے دل کے تالے کھول لے تاکہ وہ بڑی آہستگی، نرمی اور خوشحالی کے ساتھ سرایت کر جائے اور وہ اس کے تخت پر بڑی ناز و نعمت کے ساتھ اور بڑی خوشگواری کے ساتھ نیک بخت بن کر بیٹھ جائے۔

وہ اس بات کا ادراک رکھتی ہے کہ وہ خاوند کے احساسات میں دنیاوی مال و متاع میں سے سب سے بڑھ کر اور سب سے بہترین ہے، جس طرح کہ اس حدیث پاک میں آیا ہے جسے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

[اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ]

''ساری دنیا مال و متاع ہے، اور دنیاوی مال و متاع میں سے سب سے بہترین نیک بیوی ہے۔''[2]

اس سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ وہی متاع دنیا میں سے بہترین ہے اگر اس نے یہ معرفت حاصل کر لی کہ کس طرح وہ اپنے خاوند کے دل میں داخل ہو سکتی ہے اور کس طرح اس کی

---

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب قيام الليل، حديث : 1308. [2] صحيح مسلم، الرضاع، باب خير متاع الدنيا، حديث : 1469.

محبوبہ بن سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس حقیقت کا ادراک نہ کر پائی کہ کس طرح اپنے خاوند کے دل میں داخل ہوگی اور کس طرح اس کی محبوبہ بن سکے گی تو بلاشبہ وہ اپنے خاوند کی بدبختی، تباہی، پریشانی اور نحوست میں سے بڑی وجہ ہوگی۔ اور یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے:

''ابن آدم کی نیک بختی میں سے تین چیزیں ہیں اور ابن آدم کی بدبختی میں سے بھی تین چیزیں ہیں۔ ابن آدم کی خوش بختی ان میں ہے: نیک بیوی، اچھا گھر اور اچھی سواری۔ اور ابن آدم کی بدبختی ان میں ہے: بری بیوی، برا گھر، اور بری سواری۔''[1]

عورت فطری طور پر مرد کی لاڈلی اور چہیتی بننا پسند کرتی ہے۔ ایسا کرنے کے لیے وہ ایک ایسا طریقہ اختیار کرتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نسوانی حسن اور کشش کو بروئے کار لاسکے، لیکن مسلمان خاتون انھی جذبات، میلانات اور اسباب کے پاس کھڑی نہیں رہتی بلکہ وہ تو انھیں کو اپنے خاوند کے دل کو جھکانے، مائل کرنے اور ڈھالنے میں استعمال کرتی ہے، تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا پالے جس نے حق زوجیت کی بہترین ادائیگی کو دین بنایا ہے، وہ اس عمل پر ثواب پاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے محبت رکھنے کی کوشش میں اور اس کی محبوبہ بنے رہنے میں ظاہری حسن، پاکیزہ باتوں اور دل لبھانے والی پسندیدہ طرز زندگی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔

اس کے لیے تزئین و آرائش کرتی ہے

بلاشبہ وہ اپنے خاوند کے لیے زیبائش و زینت اور زیورات کی تمام قسموں کو استعمال کرتی ہے، تاکہ وہ خوبصورت خوشنما، باسلیقہ اور مسحور کن نظر آئے، اپنے خاوند کی آنکھوں کو ٹھنڈا کردے اور خوشیوں کو اس کے دل میں داخل کردے، اور اس نفس کو سعادتوں اور خوشیوں کی طرف لپکا دے، یہی وہ طرز عمل تھا جس پر ہماری سلف صالحات اپنے پروردگار کی عبادت پر

[1] مسند أحمد: 168/1 اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

جمی رہنے والیاں اور اس کی کتاب کی تلاوت کرنے والیاں عمل پیرا تھیں۔ ان میں سے سر فہرست ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر خواتین نظر آتی ہیں، یہ قیمتی اور نفیس ملبوسات زیب تن فرمایا کرتیں اور سفر و حضر میں زیوارت پہنا کرتی تھیں تو صرف اپنے خاوند کے لیے حسن و جمال کی نمائش کرنے کو۔

بکرہ بنت عقبہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر مہندی کی بابت استفسار کرتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''پاکیزہ درخت سے ہے اور اس کا پانی بھی پاک ہے۔'' پھر اس نے بالوں کو زائل کرنے کی بابت سوال اٹھایا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تمہارا کوئی خاوند ہے تو اگر طاقت رکھتی ہے کہ اپنی دونوں آنکھوں کو نکال کر اس سے احسن و اجمل لگا لے تو پھر ایسا بھی کر لے۔ ①

خبردار! وہ بیویاں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رہنمائی کو سن لیں جو اپنے خاوندوں کے لیے زینت و زیبائش کو اختیار کرنے میں تساہل و سستی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ ان کی زینت و آرائش کے اظہار کی سب سے اولین جگہ صرف ان کے خاوند ہیں، نہ کہ ان کی سہیلیاں اور دیگر عورتیں، اور یہ بھی یقین کر لیں کہ خاوندوں کے لیے زیبائش اختیار کرنے میں سستی کرنے والیاں اور اس میں کوتاہی کرنے والیاں گناہ گار بن رہی ہیں کیونکہ وہ اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں سے ایک انتہائی اہم ذمہ داری میں کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہیں اور بعض اوقات تو ان کی یہی سستی اور کوتاہی ان کے خاوندوں کی بے راہ روی اور انحراف کا سبب بن جاتی ہے کہ ان کی نظریں ان کے علاوہ غیر عورتوں کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔

یقیناً ایسی بیوی کہ جس کے خاوند کی نگاہ اس پر اس حال میں پڑتی ہے کہ وہ بکھرے ہوئے پراگندہ بالوں والی، زرد پھیکے چہرے والی، کم درجہ بوسیدہ کپڑوں والی ہے، تو بلاشبہ وہ بیوی بدسلوک، کند ذہن اور بے وقوف ہے، اسی طرح یہ عمل ذرہ بھر بھی نفع مند نہیں ہے کہ وہ

① أحكام النساء لابن الجوزي : 343 .

مہمانوں کی آمد کے روز جلدی جلدی میک اپ کرے یا عورتوں کی کسی محفل میں جانے کے لیے زینت اختیار کرے اور باقی ایام میں اپنے حسن و جمال کو اور اپنے خاوند کے سامنے اظہار زیبائش کو مہمل ہی چھوڑے رکھے۔ میرا گمان ہے کہ جو مسلمان خاتون اپنی رہنمائی اپنے دین سے لیتی ہے، وہ اس کوتاہی سے بچی رہتی ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ نیکوکار رہتی ہے۔ خاوند سے نیکی اور اس کے حق میں کوتاہی کسی بھی ہوشمند سمجھدار محبت رکھنے والی مسلمان بیوی کے دل میں یکجا نہیں ہو سکتیں۔

عورت کے لیے اس دین حنیف کی رہنمائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لیے زیب و زینت اختیار کرے، وہ اس طرح کہ خاوند اس بیوی میں بجز اپنی پسندیدہ چیز کے اور کچھ نہ دیکھے۔ اسی طرح اسلام نے عورت پر حرام رکھا ہے کہ وہ تین ایام سے زیادہ سوگوار کپڑوں میں نظر آئے، سوائے اپنے خاوند کی وفات پر، اس پر اسلام نے اسے چار ماہ اور دس دن سوگ منانے کی اجازت دی ہے، اس بات کو ہم اس حدیث میں موجود پاتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ زینب بنت ام سلمہ سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں: میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوئی تھی جب کہ ان کا بھائی فوت ہوا تھا، انہوں نے خوشبو منگوائی اور اسے ملا، پھر فرمانے لگیں: مجھے خوشبو لگانے کی چنداں ضرورت نہ تھی، سوائے اس بات کے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یوں فرماتے ہوئے سنا تھا:

> ”کسی بھی عورت کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے، یہ حلال نہیں ہے کہ وہ سوائے اپنے خاوند کے تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے، کیونکہ خاوند پر چار ماہ اور دس دن ہیں۔“[1]

اس کی خوشیوں اور غمیوں میں شریک رہتی ہے

جن امور سے عورت اپنے خاوند کے دل میں داخل ہو سکتی اور اس کے نفس کو اپنی محبتوں سے بھر سکتی ہے ایک امر یہ بھی ہے کہ وہ اس کی خوشیوں اور غمیوں میں اور اس کے دکھوں اور

[1] صحیح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفی عنها أربعة......، حدیث: 5334، 5335.

راحتوں میں برابر شریک ہوتی ہے۔

بلاشبہ وہ اس کے روز مرہ کے کاموں اور پسندیدہ مشغلوں میں شریک ہوتی ہے، جیسے کہ پڑھنا، ورزش کرنا اور بعض مفید باتیں سننا وغیرہ۔ وہ اس طرح کہ خاوند کو شعور ہو جائے کہ وہ زندگی کے پر مسرت لمحات سے لطف اندوز ہونے میں تنہا نہیں ہے، بلکہ ان مسرتوں میں مرغوب، پسندیدہ اور بھرپور جاموں کے تبادلے کرنے کے لیے اس کی وفا دار، خوش کن، ہوشمند اور محبت کرنے والی بیوی بھی موجود ہے۔

اور رسول کریم صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو بار ''مقابلۂ دوڑ'' لگانے میں اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے کی خوشیوں، مسرتوں اور زندگی کی لطف اندوزیوں میں شراکت کرنے کی ترغیب دی ہے، یقیناً اس شراکت کا ازدواجی تعلق کو سیراب کرنے، اس کے رشتوں کو پائیدار بنانے اور اس کی کڑیوں کو مضبوط پرونے میں انتہائی گہرا اثر ہے۔

جس طرح اس کی خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں اور دکھوں میں بھی شریک ہوتی ہے،تو اس طرح وہ پاکیزہ شیریں بول اور انس و پیار اور خیر خواہی کے چند الفاظ کے ساتھ اس کے غم کو غلط کرتی ہے،اس کے سامنے اپنی مضبوط پکی اور خیر خواہی والی رائے کو اور اپنے سچے، ملائم، پاکیزہ قلبی تعلق کو اس کے دامن میں ڈالتی ہے۔

کسی غیر عورت کے محاسن اس کے سامنے بیان نہیں کرتی

دانا مسلمان خاتون کے عمدہ اخلاق میں سے ہے کہ وہ اپنی جان پہچان والی عورتوں یا اپنی سہیلیوں میں سے کسی کی خوبیوں کو اپنے خاوند کے سامنے بیان نہیں کرتی، کیونکہ فرمان رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس عمل کو اسلام میں حرام کیا گیا ہے:

''کوئی عورت کسی دوسری عورت کے بارے میں اپنے خاوند کے سامنے اس کے حسن و

جمال کا نقشہ نہ کھینچے، گویا کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔''[1]

یہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ ضمائر ٹھنڈے اور دل پر سکون رہیں، اور افکار، جذبات اور بھڑکیلے تخیلات اپنی حدوں میں رہیں تاکہ انسان اپنی زندگی میں معتدل، پرسکون، مطمئن اور خوشگوار ماحول میں فارغ البالی کے ساتھ چلتا پھرتا رہے، اس کے لیے وہ مشقتیں اور اعمال آسان بنا دیے گئے جن کے لیے وہ تخلیق کیا گیا ہے، اس کی فکر پھیکے بے مزہ اور حقیر تعلقات و اتصالات میں بیان شدہ عورت کے درمیان مشغول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی درست سوچ ان تعلقات کے آراستہ و مزین کردہ خیالات کے پیچھے بے ہودہ ہی ہوتی ہے، نہ اس کا نفس بے چین ہوتا ہے اور نہ اس کی صلاحیتیں، مہارتیں، اعمال اور کمالات کسی لغو قول اور فضول کلام کے پیچھے معطل اور ناکارہ ہی ہوتے ہیں، اگرچہ یہ فضول باتیں بعض اوقات سننے والے کو گمراہی، فتنے اور ضلالت میں مبتلا بھی کر دیتی ہیں۔

اس کے لیے آرام اور سکون کی فضا پیدا کرتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون صرف اپنے خاوند کے لیے آراستہ ہونے پر اور اس کے پسندیدہ مشغلوں اور کاموں میں اس کے ساتھ شرکت کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر اس کے لیے آرام، راحت، خاموشی اور سکون واطمینان کو یقینی بنائے رکھنے کی حریص بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اس بات کی بھی حریص و متمنی ہوتی ہے کہ گھر کے اندر اس کی نظر صرف اور صرف سلیقہ سے رکھی ہوئی اور صاف ستھری اشیاء پر پڑے جس سے اس کا دل خوش ہو جائے، وہ گھر کے اندر نظام اور ذوق کا مشاہدہ کرے، اور مہذب، مؤدب اور صاف و نظیف بچوں کو دیکھے، اور خوبصورت آراستہ دستر خوان کو دیکھے، ان کے علاوہ ہر وہ چیز جسے عقلمند، ذہین، خوش طبع عورت اپنی مہارت، اپنے ذوق اور اپنے بلند جذبات سے پیش خدمت کر سکتی ہے۔ اور یہ ساری چیزیں مسلمان خاتون کے ان حقوق زوجیت کی بہترین

[1] صحيح البخاري، النكاح : باب لاتباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها، حديث : 5240.

ادائیگی میں شمار ہوتے ہیں جن کی اسلام نے اسے تلقین فرمائی ہے۔

ایک مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر بھی اوجھل نہیں ہوتا کہ اسلام میں شادی بھی اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو خاوند کے لیے سکون، راحت، طمانیت اور انس و پیار کا ایک ذریعہ بنایا ہے:

﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمھاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ، اس نے تمھارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی۔''[1]

یقیناً شادی ایک نفس کا دوسرے نفس سے گہرا ترین تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ دونوں جانوں کے درمیان باندھتا ہے تاکہ دونوں سکون، اطمینان، استقرار اور پاکیزہ حلال لطف اندوزی کی نعمتوں سے مالا مال ہوسکیں۔ بلاشبہ بیوی مرد کے لیے باعث سکون، سبب امن اور جائے پناہ ہے۔ ایسے شادی شدہ گھر کے اندر جو خالص مودت و محبت کی بنیاد پر آباد اور انتہائی مشفقت و رحمت کے جذبے سے موجزن ہو۔ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون وہ بہترین شخصیت ہے جو ان بلند ترین معانی سے آشنا ہوتی ہے اور وہ بہترین ہستی ہے جو ان معانی کو واقعی انس و پیار، رونق و جمال اور خوش دلی سے عملی جامہ پہناتی ہے۔

چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتی ہے

مسلمان خاتون چشم پوشی اور درگزر کرنے والی ہوتی ہے، اگر اس کے خاوند سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو وہ نظر انداز کر دیتی ہے، اس کے لیے وہ لغزشیں یاد نہیں رکھتی اور نہ وقفے وقفے سے اسے یاد کراتی ہے۔ درگزر کرنے والی، معاف کرنے والی اور نظر انداز

---

[1] الروم : 31:30.

کرنے والی صفت سے بڑھ کر کوئی ایسی بڑی صفت نہیں ہے جو آدمی کے دل کے تالوں کو کھولنے والی ہو اور معمولی درجے کے عیوب کو یاد رکھنے والی، برائیوں کو شمار کرنے والی اور لغزشوں غلطیوں کو یاد کرنے والی عادت سے بڑھ کر کوئی ایسی بری عادت نہیں ہے، جو مرد کے دل کے دروازوں کو بند کرنے والی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی پوری پوری پابندی کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل:

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾

''بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے۔''[1]

پر عمل پیرا ہونے والی مسلمان خاتون ہی اس بات کی اہل ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے دل پر حکمرانی کر سکے اور بلاشبہ وہی ایسی طبیعت والی ہے کہ وہ اس کے نفس کو بشارتوں، سعادتوں اور خوشیوں سے بھر سکتی ہے۔

اعلیٰ کردار اور مضبوط شخصیت کی حامل ہوتی ہے

بلاشبہ مسلمان خاتون کو جو اپنے دین سے ہمہ وقت روشنی لینے والی ہو ممتاز بنانے والی اشیاء میں سے سب سے نمایاں چیز اس کی شخصی قوت، اس کی سوچ کی پختگی اور اس کے کردار کی عمدگی ہے۔ جو ایسی بلند ترین صفات ہیں جن سے مسلمان عورت اپنی شادی سے قبل اور اس کے بعد آراستہ رہتی ہے، کیونکہ یہ صفات اس کے دین کے فہم اور مقصد زندگی کو یاد رکھنے کا نتیجہ ہیں۔

یقیناً وہ خاوند کے انتخاب کے مرحلے میں بھی شخصیت کی قوت کا مظاہرہ کرتی ہے، اگر اس کے والدین حق سے دور جا رہے ہوں تو اپنے والدین کی رغبت کے سامنے نہ تو اس کی شخصیت پگھلتی ہے اور نہ ہی مضمحل ہوتی ہے، اگر وہ دونوں اسے ایسی شادی پر مغلوب کرنا

[1] النور 22:24.

چاہیں جس میں اس کی رغبت شامل نہ ہو اور نہ ہی اس کی شخصیت اس آدمی کے سامنے، جو اسے پیغام نکاح دینے والا ہے، جبکہ اس میں برحق مسلمان خاوند کی صفات جمع نہ ہوں، کمزوری کا اظہار کرتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی جاہ جلال اور مال ومنال میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔

اس کی شخصیت کی قوت شادی کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور بالخصوص ایسی بنیادوں پر جو اس کی شخصیت کو مزید نکھار بخشتی ہیں، مثلاً: پسندیدہ اخلاق، نرم مزاجی اور خاوند کی پسندیدہ اطاعت وغیرہ اور پھر خصوصاً اس کی شخصیت کی قوت ایسے معاملے میں بخوبی نمایاں ہوتی ہے جو اس کے عقیدے اور دین سے متعلق ہوتا ہے وہاں وہ اپنے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی، جس طرح کہ ہم نے ام سلیم بنت ملحان اور ان کے بیٹے سیدنا انس رضی اللہ عنہما کے اسلام پر مستقل مزاج رہنے میں دیکھا ہے، جبکہ اس کا خاوند مالک بن نضر شرک پر اور اسلام دشمنی پر بضد رہا ہے۔[1]

جس طرح کہ ہم نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اپنے عقیدے اور اپنے دین پر ثابت قدم دیکھا ہے جس دن کہ ان کا خاوند عبیداللہ بن جحش الاسدی مرتد ہو کر حبشیوں کے دین کو اختیار کر گیا تھا۔[2]

جس طرح کہ ہم نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اس خاوند (مغیث) جس سے وہ محبت نہ رکھتی تھی، کی جدائی پر دیکھا ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں سفارش بھی کر چکے تھے۔[3]

جس طرح کہ ہم نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اپنے غیر پسندیدہ خاوند سے خلع کرتے دیکھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مطالبہ طلاق کو قبول فرماتے ہیں۔[4]

یقیناً ان صاحب فضیلت عورتوں کے پاس ان کے قوی موقف میں ایک بنیادی محرک اور

---

① سنن النسائی، النکاح، باب التزویج علی الإسلام، حدیث : 3342،3343، مختصراً.
② طبقات ابن سعد (97،96/8)، و أسد الغابة : (116،115/6). ③ صحیح البخاري، الطلاق، باب شفاعة النبیﷺ فی زوج بریرة، حدیث : 5283. ④ صحیح البخاري، الطلاق، باب الخلع، حدیث : 5273.

اساسی سبب موجود ہے۔ دینی سلامتی کی حرص، عقیدے کی صفائی وخلوص اور اس سلسلے کی انتہا میں رضائے الٰہی۔

یہ شخصی قوت، جس کے ساتھ مسلمان خاتون آراستہ و پیراستہ رہتی ہے، اسے کسی صورت بھی امتیازی صفات وخصائل سے، یعنی خاوند کی اطاعت، اس سے حسن معاشرت، اس سے نیک رویہ اور اس کی تعظیم وتوقیر وغیرہ صفات سے باہر نہیں نکالتی، بلکہ اس کی شخصی قوت اسے خاوند کے ساتھ بولے جانے والے اقوال میں اور اس کے ساتھ طے پائے جانے اعمال میں متوازن اور دانا بنائے رکھتی ہے، جن میں نہ بے ہودگی ہوتی ہے، نہ لاپروائی اور نہ ہی حق تلفی ہوتی ہے، حتی کہ لمحات غضب و ناراضی میں بھی جن سے زوجین کی زندگی خالی نہیں ہوسکتی۔ مسلمان خاتون اپنے نفس کو قابو اور اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھتی ہے، اس سے اپنے خاوند کے لیے کوئی بھی نازیبا لفظ نہیں بولتی جو اس کے خاوند کے جذبات کو مجروح کرنے والا ہو، تو یہ ہوتی ہے ایک متوازن، حوصلہ مند، نفس پر کنٹرول رکھنے والی مسلم خاتون کی شخصی قوت کی شان۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس فطرت میں بہت ہی اہم حصہ ہے جس کی ہر مسلمان عورت کو پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ وہ جب رسول اللہ ﷺ سے راضی ہوتیں تو اللہ کے نام کی قسم کھانے کی عبارت روا رکھتیں، لیکن جب وہ رسول اللہ ﷺ سے خفا و ناراض ہوتیں تو قسم کی عبارت کو بدل لیتیں، جبکہ دونوں عبارتوں میں ادب و احترام، ذوق اور تعظیم وتکریم ملحوظ رکھتیں، رسول اللہ ﷺ ان کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

”یقیناً مجھے معلوم ہوجاتا ہے جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے، اور جب تو مجھ سے خفا ہوتی ہے، تو آپ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ اس کیفیت کو کیسے پہچان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے تو تو اس طرح کہتی ہے: مجھے محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے: مجھے ابراہیم کے رب کی قسم! تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بالکل جی ہاں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے

رسول !اس صورت میں بھی آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (اور کچھ نہیں)۔‘‘[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصی قوت تو ’’بہتان کی آزمائش‘‘ کے دنوں میں بھرپور طور پر کھل کر سامنے آ گئی۔ یہی وہ آزمائش تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ساری امت کے لیے امتحان وابتلا کا ایک ذریعہ بنایا تھا، تاکہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو سربلند دکھائے اور دوسروں کو پست کر دکھائے اور اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کی ہدایت اور ایمان بڑھاتے ہیں اور ظالموں کو بجز خسارے کے کسی چیز میں بھی نہیں بڑھاتے۔

اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کی قوت خوب خوب ظاہر ہوئی اور آپ کا اللہ تعالیٰ پر گہرا ایمان نمایاں ہوا اور آپ کا اس کی ذات یکتا پر بھروسہ واعتماد مکمل طور پر اجاگر ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ آپ کی براءت کو ظاہر کرتا ہے، میں اس سے بڑھ کر واضح اور خوبصورت انداز نہیں پاتا اس انداز کو امام ابن القیم الجوزی (رحمہ اللہ) نے اس نورانی صفحے کے متعلق گہرے سچے ایمان کو پیش کرنے کے لیے اختیار فرمایا ہے جس سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا متصف ہیں، اور جس سے ان کی وہ شخصی قوت جلا پاتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے عزت پانے والی اور اس کے عدل وانصاف پر بھروسا رکھنے والی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ’’امتحان وآزمائش کی تکمیل اس طرح پوری ہوئی کہ اس دوران مسلسل ایک ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی الٰہی منقطع رہی، اس مدت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ بھی وحی نازل نہ ہوئی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت مکمل ہو جائے جو اس نے مقدر اور فیصل فرما رکھی تھی اور وہ حکمت اپنی کامل ترین صورت میں ظاہر ہو جائے اور تاکہ راست باز اہل ایمان کے ایمان بڑھ جائیں، عدل وصداقت پر ان کا ثبات بڑھ جائے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حسن ظن میں اضافہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں آپ کے اہل بیت کے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب مايجوز من الهجران لمن عصي، حديث: 6078، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أم المومنين عائشة، حديث : 2439.

متعلق، اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صدیقین کے متعلق، حسن ظن میں اضافہ ہو جائے، اور اس کے برعکس منافقین جھوٹ اور نفاق میں زیادہ ہو جائیں، اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافقین کے خبث باطن کو اپنے رسول کریم ﷺ کے سامنے سچے ایمانداروں کے سامنے ننگا کر دے، اور اس صدیقہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی اور اس کے والدین کریمین کی بندگی درجہ کمال پر پہنچ جائے، اور تاکہ ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمت خاص مکمل ہو سکے، تاکہ اس صدیقہ کی اور اس کے والدین کی رغبت و حاجت اور اشتیاق و وابستگی مضبوط تر ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی جانب ان کی محتاجی، اس کے حضور عاجزی و ذلت، اس کے ساتھ حسن ظن، اس سے امیدوں کی وابستگی پہلے سے زیادہ قوی و مضبوط ہو جائے، اس (صدیقہ) کی امید مخلوقات سے یکسر منقطع ہو جائے، اور مخلوقات میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر حصولِ نصرت اور کشادگی سے ناامیدی یقینی ہو جائے، اس لیے تو اس صدیقہ نے اس مقام کا حق ادا کر دکھایا ہے جب اس کے والدین نے اسے یوں کہا تھا: آپ کی طرف کھڑی ہو جا، (یعنی نبی اکرم ﷺ کی طرف کھڑی ہو اور آپ کا شکریہ ادا کر) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت اور بے گناہی کو آپ پر نازل فرمایا ہے تو وہ یوں پکار اٹھتی ہیں:

[وَاللّٰهِ ! لَاأَقُومُ إِلَيهِ، وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ بَرَاءَتِي]

"اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہ ہوں گی، میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف و ستائش نہ کروں گی، کیونکہ اسی ذات نے میری بے گناہی کو نازل فرمایا ہے۔"

مسلسل ایک ماہ تک وحی کی بندش میں یہ حکمت بھی پنہاں ہے کہ اس مقدمے کو نقص و عیب سے پاک بنا دیا گیا، اس میں اہل ایمان کے دل اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی طرف جو وہ اپنے رسول کی طرف فرماتا تھا کہیں زیادہ جھانکنے لگے اور اس کی جانب خالص ہو گئے اور انتہائی شدت کے ساتھ انتظار کرنے لگے، تب وحی الٰہی ایسی صورت حال میں آئی جب کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے اہل بیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ و اہل ایمان انتہائی زیادہ حاجت مند تھے، تو وحی الٰہی ان پر ایسے نازل ہوئی کہ جیسے انتہائی حاجت مند زمین کے لیے بارش اترتی ہے، تو اس وحی نے ان سے نہایت ارفع و اعلیٰ مقام

پایا، اس کے آتے ہی وہ پیکرِ مسرت وسرور بن گئے، انہیں انتہا درجے کی خوشی نصیب ہوئی، اگر اللہ تعالیٰ اس پوری حقیقت حال کی پہلے ہی مرحلے میں اطلاع بہم پہنچا دیتا اور فوراً نزول وحی فرما دیتا تو یہ سب حکمتیں بلکہ ان کی دو چند حکمتیں بلکہ چار گنا حکمتیں میسر نہ آتیں۔ اور یہ بات بھی پنہاں تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں اپنے رسول کے مرتبے کو اور آپ کے اہل بیت کے مقام کو اور ان پر اپنی نوازشات کو ظاہر کرنے کو پسند فرماتا تھا، اور یہ چاہتا تھا کہ بذات خود اپنے رسول مقبول ﷺ کو اس مقدمے سے بری فرمائے، اسی لیے بذات خود دفاع کرنے اور آپ کی طرف داری کرنے کو اپنی ذمہ داری اور سرپرستی میں لے لیا اور یہ بھی چاہا کہ بنفس نفیس آپ ﷺ کے دشمنوں کی تردید اور مذمت کرے اور اس عمل سے آپ ﷺ کو بری الذمہ قرار دے دیا جس میں ان کا عملاً یا نسبتاً کوئی بھی کردار نہیں تھا بلکہ تن تنہا ہی اس پورے معاملے کی کمان کرے، اور اپنے رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اہل بیت کا خود ہی انتقام لے۔

اور ایک یہ حکمت بھی پوشیدہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس اذیت سے، جو آپ کی زوجہ محترمہ کو بصورت تہمت پہنچی تھی، مقصود بالذات تھے، یہ بات آپ کے بس میں نہ تھی کہ آپ اپنے علم کے مطابق یا ظن غالب کے ساتھ اپنی زوجہ کی براءت کی گواہی دے دیتے، جس کے بارے میں کبھی بھی آپ نے برا خیال نہ سوچا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی زوجہ محترمہ کو اس سے اپنی پناہ میں رکھا ہوا تھا، اس لیے تو آپ ﷺ نے ''اہل افک'' کے معاملے میں عذر خواہی کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اس شخص کے بارے میں میرا عذر خواہ[1] کون ہوگا جس کے متعلق مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اس نے میرے اہل کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنے اہل بیت کے بارے میں ماسوائے خیر ونیکی کے کچھ بھی معلوم نہیں ہے، ان لوگوں نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا ہے جس کی بابت مجھے خیر کے سوا دوسری بات معلوم نہیں، اور وہ شخص میرے اہل بیت کے پاس صرف میری معیت ہی میں آتا ہے۔''

---

[1] عذر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے یہ الزام لگایا ہے اگر میں اسے سزا دوں تو دوسرا شخص مجھے حق بجانب سمجھے اور مجھے ملامت نہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس صدیقہ کائنات کی براءت کی گواہی دینے کے لیے ایسے ایسے شواہد وقرائن موجود تھے جو ایمان داروں کے پاس موجود شواہد سے کہیں زیادہ تھے، لیکن آپ کا کمال درجے کا صبر وثبات، آپ کی نرمی، آپ کا اپنے رب کے متعلق حسن ظن اور اس پر کامل بھروسا اس مقام پر کامل طور پر سامنے آیا کہ آپ نے صبر وثبات کا دامن تھام کر رکھا اور اپنے رب پر حسن ظن کے حق کو ادا کر دکھایا حتی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی جس نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی، آپ کے دل کو سرور عطا فرمایا، جس نے آپ کی عظمت کو دوبالا کر دیا، اور وحی الٰہی کی آمد نے پروردگار عالم کی آپ کی عزت افزائی کرنے اور انعام و اکرام سے نوازنے کو بھی آپ کی امت کے سامنے ظاہر فرمایا اور اس حقیقت کو بھی عیاں فرما دیا کہ اللہ رب العزت کے ہاں آپ کی کیا قدر ومنزلت ہے۔

اور جو شخص صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے اس فرمان پر غور وفکر کرے گا، حالانکہ آپ کی بے گناہی اتر چکی ہے، ان کے والدین ان سے یہ کہہ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کھڑی ہو جا اور وہ جواب میں یہ فرما چکی ہیں: ''اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف کھڑی نہیں ہوں گی، میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف وستائش نہیں کروں گی۔'' وہ شخص جان لے گا آپ کی معرفت آپ کی قوت ایمان، آپ کی اپنے پروردگار کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کی کیفیت، اور اس مقام میں فقط اس اکیلے رب کی تعریفوں کو بیان کرنے کو اور آپ کی توحید کو خالص کرنے والی ذہنیت کو، آپ کی قوت نفس کو اور آپ کے قلبی لگاؤ کو جو اس براءت کے اترنے کے ساتھ مزید مضبوط ہوا، اور یہ کہ آپ نے وہ کام نہیں کیا جس مقام کا کوئی علم میں رغبت رکھنے والا اور اس کا طالب کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص یہ بھی جان لے گا کہ آپ کا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کی محبت پر مکمل اعتماد تھا۔ آپ نے کہا جو کچھ بھی کہا۔ یہ ایک محبوب کی اپنے محبوب کے لیے انتہائی قلبی کیفیت کا غماز ہے، بالخصوص یہ مقام جو قلبی تعلق کے اظہار کا سب سے بہترین موقع و مقام تھا اور آپ نے بروقت ایسے بول بولے کہ اپنے محبوب ترین خاوند سے بھی وہ اظہار نہیں کر رہی جب آپ یہ فرماتی ہیں: ''میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی تعریف

نہیں کروں گی کیونکہ اسی ذات ہی نے میری براءت و بے گناہی کو نازل فرمایا ہے۔" اس مقام پر ثابت قدمی اور وقار و سنجیدگی پر بھی اللہ تعالیٰ کی خاص تعریف ہے، حالانکہ آپ ﷺ انہیں انتہائی محبوب تھے وہ آپ ﷺ سے کنارہ کش اور دور نہ رہ سکتی تھیں، لیکن باوجود اس کے ایک ماہ تک ان کے دل کا اپنے محبوب سے دور رہنا، پھر آپ کا ان کی طرف پلٹنا اور ان سے اظہار رضا مندی کرنا، لیکن ان کا آپ ﷺ کی جانب اٹھنے میں جلدی نہ کرنا، آپ کی رضا مندی اور قربت سے خوش ہونے میں جلدی نہ کرنا، جبکہ آپ کی رسول اللہ ﷺ سے انتہائی زیادہ محبت تھی، تو یہ کیفیت آپ رضی اللہ عنہا کی انتہائی زیادہ ثابت قدمی اور قوت شخصی کی دلیل ہے۔[1]

جی ہاں یہ انتہا درجے کی ثابت قدمی، سنجیدگی اور شخصی قوت ہے، ایک سمجھدار مسلمان خاتون اپنے خاوند کی تواضع کرنے والی، اس کے ساتھ نیک سلوک رکھنے والی، اس کے ساتھ محبت کے جذبات سے پیش آنے والی اور اس کی اطاعت بجالانے والی ہوتی ہے، لیکن اس کی شخصیت اس کے سامنے پگھلتی نہیں ہے اگرچہ وہ اس کا غایت درجے کا محبوب و پیارا ہی کیوں نہ ہو اور ساری مخلوق میں سے سب سے بڑھ کر معزز و مکرم ہی کیوں نہ ہو، جب تک وہ حق پر قائم اور مضبوط حلقے کو تھامے ہوئے ہے۔ بلاشبہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی مسلمان خاتون کی شخصیت کے لیے ایک بلند مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں جو اپنے عقیدے اور اپنے دین کے ذریعے عزت و مقام پانے والی ہو، اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حقیقی بندگی کو پانے والی ہو، کیونکہ یہ بندگی تو صرف اور صرف اسی اللہ واحد لاشریک کے لیے ہی ہوسکتی ہے۔

کوئی مسلمان خاتون سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف کو برتری اور تکبر خیال نہ کرے، بلکہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے وہ عزت مدنظر رکھی ہے جو اسلام نے ایک مسلمان خاتون کو عطا فرمائی ہے اور وہ تکریم جو خصوصاً اسلام ہی نے اسے ودیعت کی ہے، جب تک کوئی عورت اس الٰہی شریعت کا دامن تھامے رکھے گی، اپنے دین حق کی ہدایت کو مضبوطی سے تھامے رکھے گی۔ اس کی کشادہ اور روشن تعلیمات کو اپنے

[1] زاد المعاد: 3/261-264 نیز دیکھئے صحیح البخاري، المغازي، باب حدیث الإفك، حدیث: 4141 وصحیح مسلم، التوبة، باب في حدیث الإفك، حدیث: 2771.

اوپر لاگو کیے رکھے گی تو اس کی عزت برقرار رہے گی۔ بلکہ ایسی خاتون تو اپنی شخصیت کی قوت وعزت اور کرامت وحکمت کو بہت زیادہ پانے والی بنے گی۔

بلاشبہ اسلام نے مسلمان خاتون کو ایسے حقوق عطا فرمائے ہیں اور ایسی عزت وتکریم بخشی ہے کہ مغربی عورت اس پر رشک کرتی ہے، جوں جوں وہ اسلام میں حقوق نسواں کے متعلق سنتی جانتی ہے اس کا رشک بڑھتا جاتا ہے۔ بلادعرب میں آزادئ نسواں کے داعی حضرات بھی اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہیں، بلکہ ان کی کثیر تعداد اس دعوے سے رجوع کر چکی ہے کہ مسلمان عورت آزادی کی محتاج ہے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر نوال السعداوی بھی ہے جن سے کویت کے اخبار ''الوطن'' نے 1989ء نصف اگست گزرنے پر یہ سوال پوچھا تھا:

''کیا یورپ کی کسی خاتون کے پاس آپ کوئی ایسی مثال یا عمدہ نمونہ دیکھتے ہیں جو قابل تقلید اور لائق اتباع ہو؟'' انہوں نے یوں جواب دیا تھا:

''نہیں بالکل نہیں۔ یورپی خاتون بعض میدانوں میں پیش رفت کر چکی ہے تو بعض دوسرے میدانوں میں وہ بہت پیچھے جا چکی ہے۔ یورپ کے ازدواجی قوانین تو عورت پر ظلم کر رہے ہیں، ان کے ہاں آزادی کی تحریکوں کے اٹھنے اور جنم لینے کا یہی سبب ہے اور اسی طرح امریکا میں یہ تحریکیں بہت طاقتور ہیں لیکن بدمزاج اور جھگڑالو ہیں۔''

انہوں نے جواب کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا:

''ہمارا دین اسلام دیگر تمام ادیان سے بڑھ کر عورتوں کو حقوق عطا کرنے والا ہے، وہ اس کی کرامت وعزت کا ضامن بنتا ہے، مگر وہ صورت حال جو کچھ عرصے سے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ مرد نے اس دین کے کچھ پہلوؤں کو ایسا پابند بنا رکھا ہے تاکہ ایسے پدرانہ طبقاتی معاشرے کو بھی یکجا کر لیا جائے جس میں مردوں کا عورتوں پر تسلط اور قبضہ رہے۔''

اور بالکل واضح ہے کہ یہ پدری بے راہ روی اور دھاندلی جس کا ڈاکٹر سعداوی نے ذکر کیا ہے اگر کسی معاشرے میں مرد نے عورت پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا باعث روشن دین اسلام کی تعلیمات سے جہالت اور اس کی چمکدار وضوء افشاں ہدایت سے دوری ہے۔

باب: 5

مسلمان عورت اپنی اولاد کے ساتھ

اس امر میں کوئی اختلاف واعتراض نہیں ہے کہ اولاد ہی انسان کی آنکھ کی ٹھنڈک، اس کی سعادت کا مرکز اور اس کی زندگی کی رونق ہے۔ انہی کے ساتھ زندگی شیریں بنتی، گزران میں خوشگواری آتی اور حصول رزق کی کوششیں بڑھائی جاتیں ہیں اور انہی سے امیدیں وابستہ کی جاتیں اور دلوں کو دولت اطمینان حاصل ہوتی ہے۔ جہاں باپ اپنی اولاد سے تعاون، امداد، آمدنی میں اضافہ، کاروبار میں فراخی اور دست وبازو بننے کی امیدیں رکھتا ہے، وہاں ماں بھی ان سے زندگی کی آس، دل کی تسلی، قلب کی فرحت رہن سہن کی رونق اور مستقبل کا امان وابستہ رکھتی ہے۔ ان تمام باتوں امیدوں کا انحصار اولاد کی حسن تربیت اور صحت وسلامتی کے ساتھ تربیت کرنے پر ہی موقوف ہے۔ وہ اس طرح کہ ان ہی بچوں نے مستقبل کے معمار اور معاشرے کے فعال کارکن بنا ہوتا ہے، ان کی بھلائی ان کے والدین کی طرف اور ان کے معاشرے کی طرف بلکہ سب لوگوں کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی طریقے سے اس طرح بن سکتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا...... ﴾

”مال اور اولاد تو دنیا کی زینت ہے۔“

لیکن اگر ان کی تربیت ادھوری کی جائے اور ان کی شخصیت سازی میں کوتاہی کی جائے تو یہ والدین کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں اور معاشرے کے لیے بلکہ تمام لوگوں کے لیے

---

① الکھف 46:18 .

بڑھتا ہوا ناسور بن جاتے ہیں۔

اپنی اولاد سے متعلقہ ذمہ داریوں کا ادراک رکھتی ہے

مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تربیت اولاد میں اور ان کی شخصیت سازی میں ماں کی ذمہ داری باپ کی ذمہ داری سے کہیں بڑھ کر ہے، ماں سے بچوں کی قربت کے باعث، اس وقت کی کثرت کے باعث جو وہ اس کے پاس گزارتے ہیں، ان کے احوال کو گہری نگاہ سے جاننے کے باعث، تربیتی مراحل میں ان کی حرکات کو قریب سے دیکھنے کے باعث اور بچوں کی عقل، جذباتی اور اخلاقی زندگی میں خطرناک آغازِ جوانی کو ملاحظہ کرنے کے باعث والدہ کی ذمہ داری زیادہ بنتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنی دینی ہدایت کو یاد رکھنے اور زندگی میں اپنی تربیتی ذمہ داریوں کا اندازہ لگانے والی خاتون اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں اپنی کامل ذمہ داری کا احساس کرتی ہے جس طرح کہ قرآن کریم نے اسے یوں بیان کیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

''اے ایمان والو! تم! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''①

اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اسے بیان کیا ہے:

[وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا]

''عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔''①

بلاشبہ یہ ایک ایسی جامع مسئولیت ہے جس کو اسلام نے اولاد کی تربیت کرنے کا......

① التحریم 6:66. ② صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث: 893، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل، حديث: 1829 .

بالخصوص ماں کو...... عمدہ اسلامی تربیت کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، کہ ان کی مکارم اخلاق کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے صالح تربیت کرنی ہے۔

اولاد کے حوالے سے والدین کی عظیم ترین ذمہ داری کی عظمت پر اس سے بڑھ کر کونسی دلیل ہوسکتی ہے، علمائے کرام کی تائید کے مطابق مسلمانوں کو پرہیزگاری کے قابل اور لائق بنانے کی تربیت دینا ان کی ذمہ داری ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو، جبکہ وہ سات برس کے ہو جائیں اور انہیں اس پر سزا بھی دو جب وہ دس برس کے ہو جائیں......۔''[1]

علماء کرام نے لکھا ہے ہر وہ گھرانہ جو اس فرمان اقدس کو سنتا ہے، پھر بھی اس گھر کے والدین اس حدیث کے مطابق عملی زندگی بنانے کی اور اس حدیث مبارکہ کو کامل طریقے سے نافذ کرنے کی کوشش نہیں کرتے یعنی اپنی اولاد کو سات سال کے ہونے پر بھی نماز کا نہیں کہتے اور نہ ہی دس سال کا ہونے پر ترکِ نماز پر انہیں مارتے ہیں، تو ایسا گھرانہ قصوروار، گناہ گار اور کوتاہی کا مرتکب ہے، روز قیامت یہ دونوں ماں باپ اللہ تعالیٰ کے روبرو اپنی اس تقصیر اور کوتاہی پر جوابدہ ہوں گے۔

ایک گھر جس میں کوئی خاندان زندگی گزار رہا ہے وہ ایک چھوٹا سا معاشرہ ہے جس میں افراد کی نفسیات ڈھالی جاتی ہیں، ان کی عقلیں، مزاج اور ان کے میلان طبع کی تکمیل کی جاتی ہے کیونکہ بچے تو نئے بال و پر والے چوزے ہوتے ہیں، جنہیں ایسی ہدایت والی باتیں اور درست رہنمائی قبول کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہیں سے خاندان میں والدین کی بہت بڑی اور اہم ترین ذمہ داری کا فریضہ سمجھ میں آتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی نفسیات کو ڈھالنے میں اور ان کی رشد و ہدایت اور فضائل اعمال کی جانب درست رہنمائی کرنے اور ان میں پختگی پیدا کرنے میں سرانجام دینا ہے۔

---

[1] مسند أحمد: 287/2 سنن أبی داود، الصلاة، باب متی یؤمر الغلام بالصلاة، حدیث: 493، 495 و إسناده حسن.

بیدار مغز اور نمایاں کردار کی حامل خواتین نے اپنی بیدار مغز اور ممتاز اولاد کی اعلیٰ اور کمال تربیت کی ہے، حتی کہ آپ ہماری امت کے عظماء میں سے کوئی بھی ایسا عظیم آدمی نہیں پائیں گے جس نے زمانے کے خطرات سے مزاحمت کی ہے اور اس کے مخالف سمت چلنے پر راضی رہا ہو، جس کی مردانگی اور رجولت کے آگے حادثات کی پیشانی بھی جھک گئی، مگر وہ اپنی عظیم ماں کی بدولت ہی اس مقام بلند تک پہنچا ہے۔

دیکھئے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی عظمت کے احسان مند ہیں جنہوں نے اپنے بیٹے میں اپنی طبع کی سادگی اور اپنی خوبصورت عادات و خصائل کو منتقل کر دیا تھا۔

عبداللہ، منذر اور عروہ سیدنا زبیر کے صاحبزادگان اپنی ماں سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی محنت کے ثمرات ہیں، ان تینوں کا اپنا اپنا اثر اور مقام ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حکمت، فضل اور مکارم اخلاق اپنی ماں فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے حکمت سے بھرپور اور شاندار سینے سے حاصل کیے تھے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ...... عرب کے سخیوں کے سرخیل اور ان کے نوجوانوں میں سب سے عالی ظرف...... بچپن ہی میں باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے، تو ان کی ماں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی، انہوں نے اپنے بیٹے کو وہ تمام فضائل و اخلاق سکھائے جن میں وہ خود مسلمان مستورات میں بلند مقام رکھتی تھیں۔

سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی ماں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا سے قوتِ شخصیت اور تیزئ ذہانت کے وارث بنے تھے، یہ چیزیں انہیں اپنے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے وارثت میں نہ ملی تھیں۔ جب انہوں نے کم سنی میں آپ کے خدوخال میں ظرافت، شرافت اور ذہانت کے آثار دیکھے، تو آپ کی والدہ سے کہا گیا: اگر یہ زندہ رہا تو اپنی قوم کا سردار ہوگا، ماں بولی: اگر یہ صرف اپنی قوم ہی کی سرداری سنبھالے تو میں اس کو گم پاؤں۔

تاریخ نے بنوامیہ کے دو عظیم سپوتوں کو محفوظ کیا ہے، جن میں سے ایک تو صلاحیت،

مہارت، دولت مندی، عقلمندی، دانائی اور دور اندیشی میں معروف ہیں اور دوسرے عدل و انصاف، خیر و صلاح اور تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہوئے، یہ دونوں ہی زیرک اور انتہائی سمجھدار خواتین کی محنتوں کا ثمرہ تھے۔

ان دونوں میں سے پہلے تو عبدالملک بن مروان ہیں، جن کی ماں عائشہ بنت مغیرہ بن ابو العاص بن امیہ تھیں جو شخصی قوت، فیصلے کے نفاذ اور قلبی دور اندیشی میں معروف تھیں۔

جبکہ ان میں سے دوسرے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جو پانچویں خلیفہ راشد ہیں، ان کی ماں ام عاصم بنت عاصم بن خطاب تھیں، جو اپنے دور کی عورتوں میں سے کمال میں سب سے آگے اور دلی دوستی میں سب سے ممتاز تھیں، جس کی عبادت گزار اور پرہیزگار ماں کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عاصم کے لیے پسند کیا تھا، جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پیکر صداقت اور قوت گویائی میں صاحب استقامت دیکھا تھا یعنی جس دن اس کی ماں نے اسے دودھ میں پانی ملانے کا کہا تھا لیکن وہ ایسا کرنے پر رضا مند نہ ہوئی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

اور جب ہم اپنا رخ اندلس کی طرف کرتے ہیں تو ہم بلند خیال اور روشن دماغ امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر کو پاتے ہیں جو یتیمی کی گود سے چلا تھا تا کہ مغرب میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھے، جس سلطنت کے سامنے یورپ کے کئی بادشاہ زیر نگین ہوگئے تھے، اس کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں امت کے سائنس دان اور فلاسفہ آمد و رفت رکھنے لگے، اس سلطنت کا اسلامی امت کی تہذیب سازی میں بہت بڑا کردار ہے۔

جونہی ہم اس آدمی کی عظمت و سربلندی کے پیچھے مخفی راز کو تلاش کرتے ہیں تو ہم ایک عورت، اس کی عظیم ماں کو پاتے ہیں جو جانتی پہچانتی تھی کہ کس طرح اپنے لخت جگر میں جھپٹنے، جست لگانے، سربلند رہنے اور عظیم بننے کی روح سرایت کرنی ہے۔

عہد عباسی کی دو عظیم عورتیں ہمیں نظر آ رہی ہیں، جنہوں نے اپنے بیٹوں کو سربلندی، فوقیت اور فصاحت کی روح و دیعت فرمادی تھی۔ ان میں سے ایک تو جعفر بن یحییٰ خلیفہ

ہارون الرشید کے وزیر کی ماں ہے، اور دوسری امام شافعی رحمہ اللہ کی ماں ہے، وہ امام جنہوں نے اپنے باپ کو بھی نہ دیکھا تھا، کیونکہ وہ ان کی شیر خوارگی کے ایام ہی میں فوت ہو گئے تھے، صرف ان کی ماں ہی نے ان کی تربیت ونگہداشت کی ذمہ داری پوری کی تھی۔

ہماری تاریخ کے نمائندگان میں لاتعداد اور بے شمار عورتیں موجود ہیں، جنہوں نے اپنے بیٹوں میں فوقیت وسربلندی کے ہنر پیدا کیے تھے، ان میں عظمت کی روح سے پیار پیدا کر دیا تھا، اور یہ خواتین ان تمام کاموں میں پیچھے پیچھے نظر آتی ہیں جو بھی ان کے صاحبزادگان نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے، یا جن مکارم اخلاق پر بھی وہ فائز ہوئے۔

ان کی تربیت میں نفع مند اسلوب اختیار کرتی ہے

باہوش اور سمجھدار مسلمان خاتون اپنے بچوں کی نفسیات کو پہچانتی ہے، ان کے مزاج اور میلان طبع کے اختلافات کا اندازہ لگاتی ہے پھر ان کے دلوں کی تہوں تک داخل ہونے اور ان کے صاف شفاف اور بے عیب نفوس میں بہت دور تک سرایت کرنے میں بڑی دور اندیشی سے کام لیتی ہے تاکہ ان میں اعلیٰ اقدار، بلند اخلاق اور حسین کردار کی جڑیں گہری کر سکے، اس ضمن میں وہ ان کے نفوس وقلوب کو پالش کرنے کے لیے سودمند اسلوب اور پاکیزہ ترین انداز کو اختیار کرتی ہے۔

دل کی گہرائی سے اٹھنے والی سچی اطاعت میں، جو محبت، احترام، عزت اور اعتماد پر قائم ہوتی ہے اور اس جھوٹی اطاعت کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے، جو ناراضی، سختی، غصے اور ڈانٹ ڈپٹ سے منوانے سے ہوتی ہے، کیونکہ پہلی اطاعت دائمی، پائیدار اور ثمر آور ہوتی ہے جبکہ دوسری وقتی، بھربھری اور بے ثمر ہوتی ہے، جو جلد ہی زوال پذیر ہو جاتی ہے اور شدت، سختی، غصے، ڈانٹ اور قہر کے ختم ہوتے ہی معدوم ہو جاتی ہے۔

ہر لمحہ ان پر اپنی محبت کی بارش برساتی ہے

روشن دماغ مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ بات اوجھل اور مخفی نہیں رہتی کہ اولاد نرم

گداز، پر جوش گود کی، گہری پر تپاک محبت کی اور سچی بے انتہا شفقت کی محتاج ہوتی ہے تاکہ وہ عمدہ، صحت مند، بیماریوں، بحرانوں اور پیچیدگیوں سے خالی اور پاک تربیت پاسکیں، اعتمادِ نفس ان کے قلوب کو ڈھانپے رہے تاکہ ان کے اذہان امید و سربلندی سے معمور نظر آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمجھدار مسلمان ماں اپنی اولاد کو ہر موقع پر محبت، مہربانی اور نرمی کا شعور و احساس دلاتی ہے جو اس کے عظیم دل سے پھوٹتے ہیں اور ان کی زندگی میں خوشیوں اور سعادتوں کو لاتے اور ان کے دلوں کو خود اعتمادی اور اطمینان سے بھرتے ہیں۔

پرہیز گار مسلمان ماں اپنی اولاد کے ساتھ رحم کرنے والی ہوتی ہے، رحم تو ایک بنیادی اسلامی اخلاق کا جزو ہے، رسول اکرم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے اس کی رغبت دلائی ہے، اور اخلاق نبوی ﷺ میں رحم سب سے نمایاں تھا اور بالخصوص اولاد کے ساتھ جیسے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے میں ہمیں خبر دی ہے:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اولاد پر رحم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا، کہتے ہیں: ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ کے بالائی حصے میں رضاعی ماں کا دودھ پیتے تھے، آپ تشریف لے جاتے، ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے، آپ گھر میں داخل ہوتے، بچے کو اٹھاتے، اسے چومتے، پھر واپس آجاتے۔"[1]

رسول کریم ﷺ کی رحمت نوخیز کلیوں کے لیے بہت زیادہ تھی، جن کا سایہ دار سائبان مزید لمبا ہو جاتا ہے، جو کھیلتے کودتے چھوٹے بچوں کو بھی سایہ فراہم کرتا ہے، آپ ﷺ اپنی مہربانی اور کرم گستری سے انہیں ڈھانپ لیا کرتے، جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں دیکھ کر فرحت محسوس کرتے اور انہیں سلام کہتے۔

آپ ﷺ کے تربیت کرنے والے پائیدار اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے:

[لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا]

[1] صحيح مسلم، الفضائل: باب رحمته ﷺ وتواضعه، حديث: 2316.

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانے۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو چوما، تو سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بول اٹھے: میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی بھی کسی کو نہیں چوما، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا۔''

ایک روز آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور بولا: کیا تم اپنے بچوں کو چومتے ہو، ہم تو اپنے بچوں کو اس طرح نہیں چومتے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت چھین لی تو میں تیرے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''[2]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، انہیں مرحبا کہتے' انہیں چومتے پھر اپنی نشست پر بٹھا لیتے' اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی آپ کی طرف کھڑی ہو جاتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑتیں' خوش آمدید کہتیں' آپکو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) آپ کی اس بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائیں جس میں آپ فوت ہو گئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا کہا اور آپ کو بوسہ دیا۔''[3]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی خواتین کی تعریف فرمایا کرتے، کیونکہ وہ سب عورتوں سے بڑھ کر اپنی اولاد سے محبت و شفقت کرنے والیں اور سب سے زیادہ ان کی تربیت، پرورش کرنے والیں، ان کے امور و معاملات کی دیکھ بھال اور ان کے لیے قربانیاں دینے والی

---

① صحیح البخاري، الاستیذان : باب التسلیم علی الصبیان، حدیث: 6247 وصحیح مسلم، السلام، باب استحباب السلام علی الصبیان، حدیث: 2168. ② صحیح البخاری، الأدب، باب التسلیم علی الصبیان، حدیث : 5998. ③ صحیح البخاری، المغازی، باب مرضه ﷺ ووفاته، حدیث : 4433، وابو داود، الأدب، باب ماجاء فی القیام، حدیث : 5217 .

تھیں، علاوہ ازیں وہ اپنے خاوندوں کی انتہائی نگہداشت کرنے والی تھیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اونٹ سوار عورتوں میں قریش کی مستورات سب سے بہترین ہیں جو بچوں پر انتہائی مشفق ہیں اور خاوند کے مال کی حتی المقدور نگہداشت کرنے والی ہیں۔''[1]

ماں اور باپ محبت و شفقت میں سونے کا پانی، پیار و نگہداشت میں فوارے کا جوش، دھیان کرنے، قربانی دینے اور گود میں لینے میں سمندر کی موج ہیں۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ جوش محبت جسے مسلمان ماں اپنی اولاد کے حوالے سے محسوس کرتی ہے، وہ زندگی میں اس کی سعادت و خوش بختی کا بہت بڑا داعیہ ہے، اور اس چیز سے مغربی عورت محروم ہے جسے مادی زندگی نے چوس لیا ہے، اسے اس کے روز مرہ کے معمولات نے تھکا کر چور کر دیا ہے، وہ اس خاندانی جوش محبت کے شعور سے محروم ہے۔ اس پوری صورت حال کی محترمہ سلمٰی الحفار نے جو کہ ''تحریک نسواں شام'' کی ممبر ہیں امریکہ سے واپسی پر یوں منظر کشی کی ہے، کہتی ہیں:

''یقیناً افسوس کی بات ہے کہ مغربی خاتون نے اس بلند و بالا مقام و مرتبے کو گم کر لیا ہے جو قدرت الٰہیہ نے اسے عطا فرمایا تھا، اس سے میری مراد اس کی اپنی نسوانیت اور اپنی سعادت مندی ہے کیونکہ روز مرہ کے تھکا دینے والے کام نے اسے ان چھوٹی چھوٹی جنتوں سے بھی محروم کر دیا ہے جو میاں بیوی دونوں کے لیے یکساں طور پر طبعی پناہ گاہیں ہیں، جو جنتیں ماں اور گھر کی مالکہ کے بغیر پھل نہیں دے سکتیں، ان سے گوشے لینے ممکن ہیں اور نہ ہی ان کی تیز مہک ہی پھیل سکتی ہے۔ حالانکہ معاشرے اور افراد کی سعادت مندی گھروں میں اور خاندان کی گود ہی میں مضمر ہے، اس کے علاوہ تخلیق کا مصدر و مرکز اور خیر و بھلائی کے سرچشمے یہی مقامات ہیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء باب (46)، حديث: 3434 وصحيح مسلم، حديث: 2460. [2] مقاله " سلمى الحفار " أخبار " الايام الدمشقيه " مورخه 1962/9/3.

لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان مساوی سلوک کرتی ہے

سمجھدار سیانی مسلمان خاتون اپنی اولاد کے درمیان عدل و مساوات کرتی ہے، وہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر امور و معاملات میں فضیلت نہیں دیتی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ شریعت اسلام میں کسی ایک کو دوسرے پر برتری دینے میں کراہت و ناپسندیدگی موجود ہے، کیونکہ اس برتری کا سلوک کرنے میں اس بچے کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے جس پر اس کے دوسرے بھائی کو ترجیح دی گئی ہے، بنابریں وہ بچہ جو اپنے بھائیوں اور بہنوں کے درمیان عدم مساوات کا رویہ ملاحظہ کرتا ہے وہ قلق و اضطراب اور کینہ و بغض لیے پروان چڑھتا ہے، غیرت، حقد، بغض اور حسد اس کے دل کو کھاتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف وہ بچہ جو مساوات کی فضا میں پروان چڑھتا ہے وہ صحت مند، صاف ستھری اور ہر طرح کی پیچیدگی سے مبرا ماحول میں پروان چڑھتا ہے، جو کہ حقد، بغض، حسد اور غیرت سے انتہائی دور ہوتا ہے، اس کا نفس، رضا مندی، محبت ایثار اور درگزر کا عادی ہو جاتا ہے، یہی وہ چیز ہے جس کا اسلام والدین سے تقاضا کرتا ہے اور انھیں جس کی ترغیب دیتا ہے۔

شیخین وغیرہ نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ان کا باپ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا اور یوں عرض پرداز ہوا: میں نے اپنے اس برخوردار کو اپنا ایک غلام خوشی میں عنایت کر دیا ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنے تمام بچوں کو اس طرح کے غلام دیے ہیں؟'' وہ بولا: نہیں! تب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے بھی واپس لے لو۔'' اور ایک دوسری روایت میں یوں بھی ہے: ''کیا تو نے اپنے تمام بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ]

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''

میرے باپ واپس آئے تو اس صدقے کو واپس لے لیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بشیر! کیا تیرے اس کے علاوہ بھی بچے ہیں؟'' انہوں نے کہا: جی ہاں! پوچھا: ''کیا تو نے ان سب کو اس طرح کے غلام عطا کیے ہیں؟'' بولے: جی نہیں! فرمایا: ''تو پھر مجھے گواہ مت بناؤ، کیونکہ میں ظلم و جور پر گواہ نہیں بن سکتا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ یکساں طور پر نیک رویہ رکھیں؟'' بولے: ہاں کیوں نہیں۔ فرمایا: ''پھر ایسے نہ کرو۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ متقی، ہوشمند مسلمان خاتون اپنی ساری اولاد میں عدل و انصاف کرنے والی ہوتی ہے، کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں دیتی، خواہ یہ خرچہ میں ہو یا ہبہ کرنے میں یا معاملہ میں، تو اس کے نتیجے میں ان سبھی کے دل اس کے لیے کشادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں اس کے لیے دعا کی دلدادہ بن جاتی ہیں اور پھر ان کے نفوس اس کے ساتھ نیکی کرنے میں اور اس کی تعظیم و تکریم سے معمور ہو جاتے ہیں۔

وہ ان کے درمیان شفقت و نرمی کرنے میں امتیاز نہیں کرتی

راست باز مسلمان خاتون اپنی شفقت و محبت اور نگہداشت میں اپنے بچوں اور بچیوں کے درمیان امتیاز نہیں کرتی، جس طرح بعض وہ عورتیں کرتی ہیں جو جاہلی ذہنیت سے باہر نہیں نکلیں، بلکہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو رحمت و عدل اور رعایت و شفقت کی ایک ہی آنکھ سے دیکھتی ہے، اس کا یہ یقین و عقیدہ ہوتا ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک عطیہ اور عنایت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بیٹوں یا بیٹیوں کی صورت میں عطیہ ایک نعمت ہی ہے جسے کوئی لوٹا سکتا ہے، نہ تبدیل کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے رد کر سکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْيُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

---

[1] صحيح البخاري، الهبة، باب الهبة للولد، حديث: 2586، 265 وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولادفي الهبة، حديث: 1623.

وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾

''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے (یعنی کچھ بھی نہیں دیتا، بیٹا، نہ بیٹی) وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔''①

مسلمان خاتون کے ذہن سے، جو اپنے دین کی ہدایت سے ضیاء لینے والی ہے، وہ عظیم اجر و ثواب اوجھل نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کی تربیت کرنے والے اور ان کی بہترین پرورش کرنے والے کے لیے تیار فرما رکھا ہے، جس طرح کہ متعدد صحیح احادیث میں یہ بات وارد ہے، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں:

''میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں، اس نے مجھ سے سوال کیا، تو مجھے گھر میں ایک کھجور کے سوا کچھ نہ ملا، میں نے وہی اسے دے دی، اس نے وہ لے کر اپنی دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی، اور اس میں سے خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھی اور باہر چلی گئی، اس کی دونوں بچیاں بھی ہمراہ چلی گئیں، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کا [illegible] اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ [illegible]]

''جو شخص بیٹیوں سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نیک سلوک [illegible] اس کے لیے آگ سے پردہ بن جائیں گی۔''②

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: ''میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جو اپنی دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے تھی، میں نے اسے کھانے کو تین

---

① الشورىٰ: 49-50. ② صحيح البخاري، الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، حديث: 1418 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الاحسان الى البنات، حديث: 2629.

کھجوریں دیں، اس نے انہیں ایک ایک کھجور دے دی، اور ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف اٹھائی، اس کی بچیوں نے اس سے وہ بھی مانگ لی، چنانچہ اس نے وہ کھجور بھی جو خود کھانا چاہتی تھی، ان دونوں میں بانٹ دی، اس کا یہ انداز مجھے انتہائی متعجب لگا، میں نے اس کام کو جو اس نے کیا تھا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَوْجَبَ لَھَا بِھَا الْجَنَّۃَ، اَوْ اَعْتَقَھَا بِھَا مِنَ النَّارِ]

''اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کے عوض جنت واجب کر دی ہے یا اس کے بدلے میں اسے آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں، پھر وہ ان کو مشقت، سختی اور خوشحالی میں صبر و تحمل سے برداشت کرتا رہے، اللہ تعالیٰ اسے ان کی وجہ سے اپنی خصوصی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا، ایک شخص بولا: یا دو بھی یا رسول اللہ! فرمایا: ''یا دو بھی'' ایک شخص پھر بولا: یا ایک بھی اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''یا ایک بھی۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ وُّلِدَتْ لَہٗ اِبْنَۃٌ فَلَمْ یَئِدْھَا وَلَمْ یُھِنْھَا، وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَہٗ عَلَیْھَا...... یَعْنِی الذُّکُوْرَ...... اَدْخَلَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِھَا الْجَنَّۃَ]

''جس شخص کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہو، پھر وہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ہی اس کی اہانت کرے، اور نہ ہی اپنی اولاد...... یعنی بیٹوں...... کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔''[3]

رسول کریم ﷺ کی رحمت عورتوں کے ساتھ انتہائی وسیع و کشادہ تھی، جو بیٹیوں کے علاوہ

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلۃ، باب الاحسان الی البنات، حدیث: 2630. [2] رواہ أحمد 335/2، والحاکم: 176/4 کتاب البر والصلۃ، وقال صحیح الاسناد. [3] المستدرک للحاکم: 177/4 کتاب البر والصلۃ وقال صحیح الاسناد.

بہنوں کو بھی شامل ہے، یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

[لَا يَكُونُ لِاَحَدٍ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ]

''کسی شخص کی تین بیٹیاں، یا تین بہنیں ہوں، پھر وہ ان سے حسن سلوک کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

طبرانی کی روایت میں ہے: ''میری امت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتی کہ وہ بالغ ہو جائیں مگر وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں، یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگشت کو جمع کر کے دکھایا۔''[2]

کونسی عقلمند، ہوشمند اور بردبار ماں ایسی ہوگی جو بچیوں کی تربیت کرنے سے تنگ آئے گی یا لڑکوں کو ان پر ترجیح و برتری دے گی، جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین ہدایت و رہنمائی، جو کہ بچیوں کی تربیت کرنے کے حوالے سے ہے، سن رہی ہے، جو اس شخص کو ان جنتوں کی یقین دہانی کروا رہی ہے جن کی وسعتیں آسمانوں و زمین کے برابر ہیں اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت میں!!

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کے درمیان جو انسان کی سعادت کے لیے آئی ہے اور کوتاہ علم انسانی شریعت کے درمیان واضح فرق ہے جس کے باعث انسان بدبختی اور شقاوت سے دو چار ہے۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جو ہم مغرب میں اس انسانی قانون کے نتیجے میں پاتے ہیں

---

[1] أخرجه البخاري في الأدب المفرد : 162/1 باب من عال ثلاث أخوات۔ [2] الطبراني في الأوسط بإسنادين، ورجال أحدهما رجال الصحيح۔ مجمع الزوائد : 157/8۔

کہ بے لگام آوارہ نوجوانوں کے گروہوں کے گروہ ہیں اور ایسی پریشان حال بے آبرو دوشیزاؤں کے گروہ ہیں جو شادی کے بغیر ہی مائیں بنی بیٹھی ہیں، اور اس پر مستزاد کہ ان کی تعداد وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

انھیں بددعائیں نہیں دیتی

معزز و شریف مسلمان خاتون اپنی اولاد کو بددعائیں نہیں دیتی، رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان اقدس پر عمل پیرا رہتے ہوئے جس میں آپ نے اولاد کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا ہے، اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں دعا قبولیت کے وقت سے موافق ہو جائے، اور یہ بات اس طویل حدیث میں موجود ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''تم اپنی جانوں کے لیے بددعا نہ کرو، نہ تم اپنی اولاد کے لیے بددعائیں کرو، اور نہ ہی تم اپنے مالوں کے لیے بددعا کرو، کہیں تم اللہ تعالیٰ سے اس گھڑی سے موافقت نہ کر لو جس میں کوئی چیز مانگی جاتی ہے، پھر وہ تمہاری بات کو قبول کر لے گا۔''[1]

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کے لیے بددعا کرنا کوئی اچھی عادت اور عمدہ اخلاق بھی نہیں ہے اور جو بھی ماں غصے کے عالم میں یہ حرکت کر لیتی ہے تو جونہی اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور وہ راہ حق کی طرف پلٹ آتی ہے تو وہ اپنے کیے پر نادم ہوتی ہے۔ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ خاتون جس نے اپنے دین کی رہنمائی سے روشنی حاصل کی ہوئی ہے وہ اپنی سمجھداری اور سنجیدگی کو کھو کر اپنی اولاد کو بددعائیں دے گی، خواہ ان کی کوئی حرکت بھی دیکھے، اور نہ ہی وہ اپنی ذات کے لیے اس بھنور میں پھنسنا پسند کرے گی جس میں کم عقل آوارہ اور بیہودہ عورتیں پھنسی ہوئی ہیں۔

---

① صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل، حديث : 3009.

ان کی رہنمائی و کردار سازی میں ہر ممکن کام کرتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون اپنی اولاد پر آنکھیں کھلی رکھتی ہے، ان کی حرکات، سرگرمیوں اور دلچسپیوں کی نگرانی کرتی ہے، جو کچھ وہ پڑھتے لکھتے ہیں ان کی معرفت رکھتی ہے، ان کے دوستوں کی اور فارغ اوقات میں جہاں کہیں وہ آتے جاتے ہیں ان مقامات کی جان پہچان رکھتی ہے اور یہ سارا کچھ اس طرح کرتی ہے کہ انہیں اپنی خفیہ نگرانی کا احساس بھی نہیں ہوتا، پھر جہاں کہیں ان کے کردار میں، رائے میں، رخ میں، مطالعہ میں کسی دلچسپی میں یا کسی برے دوست سے تعلق داری میں یا غیر پسندیدہ جگہوں میں آمد ورفت رکھنے میں، یا بعض نقصان دہ عادات میں، مثلاً: سگریٹ نوشی وغیرہ کو اختیار کرنے میں یا مکروہ وحرام کھیلوں میں وقت گزارنے میں کجی وانحراف دیکھتی ہے، جو مسلمان کے اخلاق کے منافی ہو، یا اس کے مستقبل کو تباہ کر رہا ہو، تو والدہ جونہی اپنی اولاد میں مذکورہ افعال قبیحہ وامور شنیعہ میں سے کوئی کام دیکھتی یا محسوس کرتی ہے تو اس کجی کو درست کرنے اور انہیں صحیح رہنمائی دینے میں جلد بازی سے کام لیتی ہے۔ بڑی حکمت، دانائی، احتیاط، دور اندیشی اور نرمی سے کام لیتے ہوئے انتہائی مہارت، سمجھداری، تسلی اور پوری کوشش سے انہیں راہ راست پر لاتی ہے، مذکورہ امور پر وہ باپ کی نسبت زیادہ قادر ہوتی ہے کیونکہ وہ اولاد کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور وہ اولاد کے درمیان زیادہ دیر تک رہنے والی ہوتی ہے، اور ان کے دل اس کی موجودگی سے زیادہ خوش رہتے ہیں اور اپنا مافی الضمیر باپ سے بڑھ کر والدہ کی موجودگی میں کھل کر بیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی صحت منداور متوازن ومعتدل تربیت کرنے میں اور اسلام کی مبادی تعلیمات اور اس کی اقدار کی جانب ان کے نرم وملائم نفوس کو ڈھالنے میں ماں ہی بہت بڑی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہے۔

اور یہ اس لیے بھی ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں، جس طرح کہ اس حدیث صحیح میں یہ بات آتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

یہ امر کسی طرح بھی مخفی نہیں ہے کہ نومولود کی عقل کو ڈھالنے، اس کی شخصیت کو سنوارنے اور اس کی تربیت کرنے میں والدین کا بہت بڑا اثر ہے کیونکہ اس کے ابتدائی مراحل سے لے کر سن رشد اور عمر بلوغت تک اس کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے تمام تربیتی عوامل ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔

وہ کتاب جس کے مطالعہ پر اولاد جھکی نظر آئے وہ ایسی ہونی چاہیے جو ان کے اذہان و عقول کو جلا بخشنے والی، ان کے نفوس کو مکارم اخلاق کا درس دینے والی اور ان کی شخصیات کو اعلیٰ مثالوں سے فیض یاب کرنے والی ہو، اور ایسی نہ ہو جو ان کی عقلوں کو دھوکا دینے والی، ان کی فطرت و عادت کو خراب کرنے والی اور ان کے نفوس میں پوشیدہ و خوابیدہ خیر و بھلائی کی شمعوں و قندیلوں کو بجھانے والی ہو۔

اور ان کی دلچسپیاں ایسی ہونی چاہئیں جو ان کے نفوس میں شر و فساد کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بجائے خیر و صلاح کے پہلوؤں کو جلا بخشنے والی ہوں، ان کے دلوں میں حق کے شراروں کو بھڑکانے والی ہوں نہ کہ باطل کے شراروں کو، ان میں ذوق سلیم کی تربیت کرنے والی ہوں نہ کہ ذوق سقیم کی۔

دوست یار ایسے ہونے چاہئیں جو جنت کی طرف لے جانے والے ہوں نہ کہ آگ کی طرف، حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہوں نہ کہ باطل کی طرف، ہدایت، بلندی، کامیابی اور نیکی کی راہ دکھانے والے ہوں نہ کہ گمراہی، تنزلی' ناکامی اور والدین کی نافرمانی کی طرف لے جانے والے ہوں، کیونکہ کتنے ہی دوست ایسے ہیں جنہیں ان کے دوست ہی برائی کی آماجگاہوں اور شر کی گہرائیوں اور رذالت کی گھاٹیوں میں کھینچ کر لے گئے ہیں جبکہ ماں اور باپ اپنی اولاد سے غافل ہی رہے ہیں، شاعر عدی بن زید العبادی کا قرین و ہمنشین کے بارے میں یہ کہنا پائیدار اور مناسب ہے:

''جب تو کسی گروہ میں ہو تو ان کے بہترین کی ہم نشینی اختیار کر، ان کے گھٹیا آدمی کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اس طرح تو بھی ردی کے ساتھ ردی ہو جائے گا۔ کسی آدمی

کے متعلق مت پوچھو بلکہ اس کے ہم نشین کے بارے میں دریافت کر لے کیونکہ ہر دوست اپنے ساتھیوں ہی کی پیروی کرتا ہے۔"

بس اسی طرح والدہ کی آنکھ اپنی اولاد پر کھلی رہتی ہے، ان کی تربیت و رہنمائی میں کتاب، رسالے، دلچسپی، سکول، اساتذہ، مجلس، دوست، اور ذرائع ابلاغ پر آنکھ رکھتی ہے، اس طرح ہر اس چیز پر جو اس کے بچوں کی شخصیات کے سنوارنے، ان کی عقلوں، نفسوں اور عقیدوں کی اصلاح میں اثر انداز ہوسکتی ہو، اس کے کردار میں مثبت یا منفی اثرات پیدا کرنے کے لیے اس کے افعال میں دخل انداز ہوتی ہے۔ مزید جب اسے ضرورت محسوس ہو تو بچوں کے باپ سے بھی مدد لیتی ہے، اس ضمن میں وہ حکیمانہ نفع مند اسلوب اختیار کرتی ہے جو اولاد کی عملی تربیت کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔

کتنے ہی خاندان ایسے ہیں جن میں اولاد کی کامیاب تربیت کا سہرا سمجھدار، بیدار مغز، ماہر اور ذہین ماں کے سر ہے جس نے اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا ادراک کیا ہے اور بہترین کردار ادا کیا ہے، اس طرح اس نے بچوں کو والدین کے لیے، معاشرے کے لیے بلکہ تمام لوگوں کے لیے خیر وصلاح لانے والا بنا دیا ہے۔

کتنے ہی خاندان ایسے ہیں جن میں اولاد کی تربیت میں ناکامی نظر آتی ہے کیونکہ ماں نے اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا ادراک نہیں کیا، تو اس طرح اس نے انہیں ناکارہ بنا دیا، بالآخر وہ والدین کے لیے، معاشرے کے لیے حتی کہ سب لوگوں کے لیے پھیلتے ہوئے شر اور دائمی عذاب بن گئے ہیں۔

اگر والدین...... بالخصوص مائیں...... اپنی اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں، پھر اس ذمہ داری کو باحسن طریق نبھانے کی ٹھان لیں تو اولاد کسی طرح بھی شر و فساد کا موجب نہیں بن سکتی۔

ان میں اعلیٰ اخلاق کے بیج بوتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون اپنے بچوں کے نفوس میں عمدہ اخلاق کے بیج بونے پر مکمل حریص

رہتی ہے، یعنی دوسروں سے محبت، صلہ رحمی، کمزوروں پر مہربانی، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، فعل خیر پر اظہار اطمینان، قول وفعل میں صداقت، ایفائے عہد اور بات چیت میں عدل وانصاف، اس طرح دوسرے عمدہ اخلاق اور اعلیٰ ترین صفات کی طرف ترغیب دلاتی رہتی ہے۔

بلاشبہ ذہین ہوشمند مسلمان خاتون جانتی ہے کہ اپنے بیٹوں کے دلوں کی گہرائی میں کس طرح سرایت کر جائے اور ان کے دلوں میں کس طرح یہ روشن صفات اور خوبصورت عادات کا بیج بوئے، اس ضمن میں وہ عمدہ ترین اور پاکیزہ ترین اسلوب اختیار کرتی ہے، پسندیدہ اعلیٰ نمونہ، کشادہ روئی، حسن معاملہ، مہربانی، نرمی، نگرانی، تواضع، درگزر، محبت، شفقت، نگہداشت، ترغیب، حوصلہ افزائی، ہمدردی، مساوات، عدل، خیر خواہی، پختگی اور رہنمائی کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتی ہے۔ اس طرح اولاد کی درست، سیدھی، عقول کو جلا بخشنے والی، افکار میں پختگی لانے والی، نیک بنانے والی، وفاداری سکھانے والی، نیکی پسند کرنے والی، عطیات بخشنے والی، زندگی کے مختلف پہلوؤں میں تعمیر وتہذیب کے لیے تیار رہنے والی اولاد پروان چڑھتی ہے۔ اور اس میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے کیونکہ ہر مسلمان ماں کی تربیت ہی عمدہ ترین پکے ہوئے پھل لاتی ہے، قوموں کی تربیت کرنے میں ماں ہی پہلا مدرسہ ہے، تہذیبوں کو پروان چڑھانے والی عبقری سپوتوں کی اولین استاد ماں ہی ہوتی ہے۔

......❀......

باب: 6

مسلمان خاتون اپنی بہو اور اپنے داماد کے ساتھ

اپنی بہو کے متعلق اس کا نقطۂ نظر

مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور اس کے بلند ترین اخلاق و عادات سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے والی ہے وہ اپنی بہو کو اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کی جگہ پر دیکھتی ہے، جسے تقدیر نے اس کے بیٹے کی بیوی بنا کر اس کے گھر میں لا بٹھایا ہے، وہ اس خاندان میں آ گئی ہے، اور ان کے افراد میں سے ایک فرد ہو گئی ہے۔ جس طرح ایک مسلمان دوشیزہ جس نے اسلامی اقدار اور اس کے اخلاق پر قائم رہتے ہوئے پرورش پائی ہے وہ اپنی ساس کو اپنی ماں کی جگہ دیکھتی ہے، بعد اس کے کہ اس نے اپنے والدین کے گھر کو اس نئے نویلے ازدواجی گھر کے لیے خیر باد کہہ دیا ہے۔

بہو کے انتخاب میں اچھائی کو اختیار کرتی ہے

اسی لیے دونوں (ساس اور بہو) شادی سے قبل حسن اختیار کی حریص رہتی ہیں، اور وہ اپنے بیٹے یا اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرتی ہے جو دین داری، اخلاق، عمدہ تربیت اور نیک شہرت کے حامل ہوں۔

بلاشبہ ہوشمند ذہین مسلمان خاتون جب اپنے بیٹے کے لیے پیغام نکاح دیتی ہے اور اپنے لخت جگر کے لیے کسی لائق ترین دوشیزہ کی تلاش کرتی ہے، تو اس کے ذہن میں ہمیشہ یہی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی بیٹیوں میں ایک نئی بیٹی کا اضافہ کر رہی ہے، اس

کے لیے بھی وہی اعزاز، احترام اور محبت ہوگی جو اس کی اپنی حقیقی بیٹیوں کے لیے ہے اور اس کے بھی وہی فرائض و واجبات ہوں گے جو اس کی اپنی صاحبزادیوں کے ہیں، وہ اپنی نئی نویلی بہو کے لیے جو ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے والی ہے کامیابی، خوش بختی اور قرار و سکون کی خواہاں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے بیٹے کے لیے دوشیزہ کے دلکش مناظر، یعنی ظاہری خوبصورتی، خوش مزاجی اور جاذبیت کو ہی دیکھ کر فریفتہ نہیں ہوجاتی بلکہ ان تمام پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بلکہ سب سے پہلے دین سے وابستگی، خلق حسن، باوقار متوازن شخصیت کو بھی تلاش کرتی ہے۔ ان تمام امور میں وہ رسول کریم ﷺ کی سیرت سے، جو یہ فرمان جاری کر رہے ہیں، ہدایت لینے والی ہے:

> ''عورت سے چار باتوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب و نسب کی بنیاد پر، اس کے حسن و جمال کے باعث اور اس کے دین کے پیش نظر، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تو صرف دین والی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجا۔''[1]

ازدواجی گھر میں اس کے وجود کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے

بہو کو ازدواجی گھر میں اور اس کے وجود کو اپنے بیٹے کے گھر میں اور اس جدید خاندان کے افراد کے درمیان، جس میں بہو قدم رکھ رہی ہے، اس اپنی بہو کے ساتھ حسن معاملہ کرتی ہے، گھریلو واقعات، تصرفات، اعمال اور ردعمل میں انصاف کا دامن تھام کر رکھتی ہے۔

متقی، آداب اسلام سے مزین اور اس کی اعلیٰ اقدار کی حامل مسلمان ساس کے دل پر یہ خیال نہیں گزرتا کہ اس کی بہو نے اس سے اس کے اس بیٹے کو چھین لیا ہے جسے اس نے کئی برس پالا پوسا ہے، جس کی تربیت کرنے میں اس نے مال کثیر خرچ کر ڈالا ہے، جس کے لیے دنوں کے اجالے اور راتوں کی تاریکی میں جاگتی رہی ہے، حتی کہ اسے بھرپور جوانی کی عمر میں

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث : 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث : 1466.

لا کھڑا کیا ہے، وہ عطا کرنے، خرچ کرنے اور قربانی پیش کرنے پر قادر مرد جوان بن گیا ہے، تو بیوی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خوشگوار ازدواجی گھرانے میں لے کر چلی گئی ہے۔ صالح مسلمان خاتون کے دل میں یہ شیطانی خیال تک نہیں گزرتا کیونکہ اس زندگی کے متعلق وہ سنت الٰہی کو جانتی ہے، اور اس امر کا بھی ادارک رکھتی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بچپن ہی سے اسلام کا دودھ فراہم کیا ہے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اسے اس کی حسین وخوبرو زوجہ اس کی ماں کو فراموش کروادے گی، جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اس کی بہو جسے اس نے بے شمار پاکیزہ سیرت، ایماندار دوشیزاؤں میں سے خود اختیار کیا ہے وہ اپنے خاوند کے لیے اس ''مادر فراموشی'' کو پسند کرلے گی جو کہ عین نافرمانی ہے اور جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

جب کبھی ساس پر اپنی بہو کے بارے میں غیرت کا شعور و احساس بتقاضائے ضعف بشری حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنے دین، تقویٰ اور پرہیز گاری سے پناہ لے لیتی ہے اور اس قابل نفرت شعور و احساس سے اپنا دامن کھینچ لیتی ہے، پھر وہ اپنی ایمانی بیداری اور پرہیز گاری کی جانب پلٹ آتی ہے اور اپنی بہو کے لیے سیدھے اور پختہ نظریے کی جانب رجوع کرلیتی ہے، اور ایمان دار مردوں اور عورتوں میں سے صاحبِ تقویٰ حضرات کا یہی حال اور مقام ہے کہ جب بھی انہیں کوئی شیطانی وسوسہ چھو لیتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے اور فوراً بیدار ہوجاتے ہیں، پھر ہدایت یافتہ اور صاف روشن حقیقت کو دیکھنے لگتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴾

''یقیناً جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ (اللہ کریم کی) یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''[1]

وہ نصیحت تو کرتی ہے لیکن بہو کی شخصی زندگی میں دخل نہیں دیتی

پرہیز گار دانشمند مسلمان خاتون اپنے اس پہلے ہی لمحے سے، جس میں اس کی بہو اس کے

[1] الأعراف 7:201.

صاحبزادے کی زوجہ کی حیثیت سے قدم رکھتی ہے، اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالیتی ہے کہ اس کی بہو کا حق ہے کہ وہ اپنی عائلی زندگی میں مکمل آزادی سے رہے، جب تک وہ حلال کے دائرے میں رہے، شرعی اور مباح حدود میں زندگی گزارے، کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میاں بیوی کے ذاتی اور خصوصی تعلقات میں بجز کسی ضروری حاجت وضرورت کے، اور وہ بھی ازراہ نصیحت، دخل انداز ہو، اور رسول کریم ﷺ کے فرمان اقدس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہ خیر خواہی تو ہر مسلمان سے مطلوب ہے:

[اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ......]

''دین خیر خواہی اور نصیحت کا نام ہے۔''[1]

پرہیز گار مسلمان ساس کے ہاں یہ حکمت سے معمور طرز اور ضابطہ ذہن میں جاگزیں رہنا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنی حقیقی صاحبزادی سے سلوک کرتی ہے ویسا ہی اپنی بہو سے کرے، جس طرح وہ اپنی بیٹی کے بارے میں چاہتی ہے کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں مکمل اطمینان، سعادت، رضامندی اور آزادی سے زندگی گزارے، اس کی شخصی حیات اور خصوصیات میں کوئی پریشان کن دخل اندازی اس کی زندگی کو بے کیف ومکدر نہ بنائے، بالکل اسی طرح اسے اپنی بہو کے بارے میں بھی بلا استثنا یہی سوچنا چاہیے۔

بہو کی عزت نفس کا خیال کرتی ہے

دانشمند مسلمان ساس اپنی بہو سے نیکی، حسن معاملہ اور عزت واحترام کا برتاؤ کرتی ہے، اسے اپنی محبت کا احساس دلاتی ہے، اس کی آراء کو بڑے غور اور توجہ سے سنتی ہے، پھر درست اور ٹھیک رائے کو برقرار رکھتی، اسے مضبوط بناتی اور اس پر اسے سراہتی ہے، لیکن غلط رائے کی تردید کرنے اور اس کی تصحیح کرنے میں نرمی کا رویہ اختیار کرتی ہے، دونوں صورتوں میں عدل و انصاف اور احسان کو تلاش کرتی ہے اور اس طرح فیصلہ کرتی ہے جیسے اپنی بیٹی کے متعلق فیصلہ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصحة، حديث : 55 .

کرتی اگر وہ اس کی بہو کی جگہ پر ہوتی اور اس کی ماں اس کے بارے میں اپنا اظہار خیال کرتی، صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان سے رہنمائی لیتے ہوئے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی باتیں کیا کرو۔''[1]

اس سے یہ امر او جھل نہیں رہتا کہ وہ اپنی اس خوش بختی کو بیان کرے جو وقتاً فوقتاً اس کے دل کو فرحاں وشاداں رکھتا ہے جب وہ اپنے لخت جگر کو اپنی بیوی کے ساتھ خوش وخرم دیکھتی ہے، اس انداز سے وہ اپنے بیٹے اور اپنی بہو کے خوبصورت ترین خیالات اور عمدہ احساسات کو مزید بڑھا دیتی ہے، بالکل اسی طرح وہ اسے مختلف پروگراموں میں لے جانے کو بھی نہیں بھولتی جس طرح وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ سلوک روا رکھتی ہے، وہ اپنی بہو کو بھی ان کے ہمراہ لے جاتی ہے اور اسے یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ بھی اس کی بیٹیوں میں سے ایک ہے، بلکہ وہ اس کے افراد کنبہ میں سے ایک محبوب اور پیارا فرد ہے جس دن سے وہ ازدواجی گھرانے میں داخل ہوئی ہے اور اس کے پیارے دلارے بیٹے کے ساتھ مل کر رہ رہی ہے۔

اس طرز عمل سے ساس اپنی بہو کی انتہائی پیاری بن جاتی ہے کیونکہ اس نے اپنی بہو کو اپنے دل میں انتہائی گہری جگہ دی ہوئی ہے برخلاف ان ساسوں کے جو جاہل، پسماندہ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت سے باغی وسرکش معاشروں میں ہوتی ہیں، جہاں ساس اور بہو کے مابین بغض، کینہ اور نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں حتی کہ یہی چیزیں ظاہری، روایتی عداوت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں جن کے بارے میں کئی ضرب الامثال بن چکی ہیں اور گانے نغمے گائے جا رہے ہیں گویا کہ ساس اور بہو کے درمیان یہ روایتی عداوت ہے جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی راہ نجات ہو سکتی ہے۔ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی اگر ساس اور بہو دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے کے حق کو اس طرح تسلیم کرے جس طرح اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے متعین فرما دیے ہیں۔ تو اس طرح عقلمند

[1] الاحزاب 33:70.

ساس اور بہو کے درمیان اسلامی ماحول میں اس روایتی عداوت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

اپنی بہو کے خلاف حکمت اور عدل سے فیصلہ کرتی ہے

بعض اوقات ساس کا بہو کے ناشائستہ اخلاق و کردار سے آزمایا جانا بھی ممکن ہے بلکہ بسا اوقات تو وہ بدزبانی اور برے معاملات کی حامل بھی ہوسکتی ہے اور اس صورت میں اسے حکمت، دانائی اور دانشمندی کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے اور اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کر، پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست، اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبہ والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔''[1]

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ساس حتی الوسع اپنی بہو کے منفی کردار اور اس کی خطاؤں کو اپنے صاحبزادے سے مخفی رکھے، اسے تنہائی میں سمجھائے، اس کے سامنے اپنی اس حرص و امید کو ظاہر کرے کہ وہ اس کا گھر خیر، محبت اور عمل صالح سے بھرپور دیکھنا چاہتی ہے لہٰذا اس کی مسلسل خیر خواہی اور اسے پیہم نصیحت کرتی رہے حتی کہ وہ ان منفی پہلوؤں سے بالکل دامن کش یا کسی حد تک پیچھے ہٹ جائے۔ اس طرز عمل سے بہو محسوس کرتی ہے کہ اس کی ساس اس کے لیے ایک محبت رکھنے والی دلی دوست ہے۔ وہ اس سے جھگڑنے والی، اس کی دشمن، اور اس کے لیے آفات زمانہ کا انتظار کرنے والی نہیں ہے۔

متقی دانا مسلمان ساس جب کبھی بھی اپنے بیٹے کی بہو کے برخلاف کوئی زیادتی یا حق تلفی

[1] حم السجدة 41:34-35.

دیکھتی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے اپنے فیصلوں میں عدل کا دامن تھام کر رکھتی ہے۔ وہ اس لیے کہ اس کا تقویٰ اور اس کی پرہیزگاری اسے اپنے بیٹے کی بے جا حمایت اور طرفداری کرنے میں آڑے آجاتی ہے، بلکہ اسے حق پر لانے کی پوری کوشش کرتی ہے، وہ ظلم و تعدی پر اپنے بیٹے سے محبت نہیں کرتی اور نہ ہی باطل معاملے پر اس کی مدد ہی کرتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتی ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔''[1]

سمجھدار، ہدایت یافتہ اور اس عظیم ہدایت پر غور و فکر کرنے والی مسلمان خاتون ظلم کی وادی میں نہیں گرتی اور نہ ہی اپنے فیصلے میں بجز عدل و انصاف کے کسی دوسرے فیصلے پر راضی ہوتی ہے، اگرچہ وہ فیصلہ اس کی بہو کے حق میں اور اس کے لخت جگر کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اپنے داماد کے ساتھ

داماد کے متعلق اس کا نقطۂ نظر

اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون کا اپنے داماد کے متعلق نظریہ، اپنی بہو کے بارے میں نظریے سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ بالکل جس طرح وہ اپنی بہو کو اپنی بیٹی کے مرتبے میں دیکھتی ہے اسی طرح وہ اپنے داماد کو اپنے بیٹے کے رتبے میں دیکھتی ہے، اور جس طرح وہ اپنے صاحبزادے کے متعلق چاہتی ہے کہ وہ لوگوں میں سے بہترین بن جائے اسی طرح اپنے داماد کے بارے میں بھی یہی چاہتی ہے۔

اس کا حسن انتخاب کرتی ہے

اسی لیے وہ اپنی بیٹی کے لیے اس کا اچھا انتخاب کرتی ہے، وہ دیندار لوگوں میں سے

[1] الانعام 152:6.

صاحب اخلاق اور پاکیزہ شہرت والا آدمی چنتی ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان اقدس میں ترغیب دی ہے:

''جب تمہارے پاس ایسا شخص پیغام نکاح لائے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کردو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور بہت لمبا چوڑا فساد پھیل جائے گا۔''[1]

اسے اپنی بیٹی کے منگیتر کا صرف خوش منظر یا بلند عہدہ پر فائز ہونا، یا سرمایہ دار ہونا ہی مسحور نہیں کرتا کیونکہ وہ اس بات کا اچھی طرح ادراک رکھتی ہے کہ وہ اپنی لخت جگر کی اس سے شادی کر کے اسے اپنی اولاد میں، ایک لڑکا سمجھ کر شامل کر رہی ہے، اسے اپنی بیٹی کی عزت، زندگی اور سعادت کا امین ٹھہرا رہی ہے تو اس کے لیے بجز صاحب اخلاق، دین دار، اوراعلیٰ اقدار کے حامل شخص کے کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں ہے۔

اس سے نیک رویہ اپناتی ہے

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ اس کا داماد اس کے ہاں نیکی، تکریم اور عزت کی جگہ پر ہو، وہ اسے ہر موقع پر یہی شعور دیتی ہے کہ وہ تو جب سے اس کی بیٹی کے ساتھ بندھا ہے اس کے افراد کنبہ میں سے ایک فرد بن گیا ہے، وہ اس کے لیے اور اپنی بیٹی کے لیے ان کے طویل راستے کی خاطر سعادت مندی اور موافقت کی چاہت رکھتی ہے اور بلاشبہ وہی اس کی گرانقدر عزت کا امین ہے، اس کی بیٹی کی پیاری پیاری آسوں، امیدوں اور بڑی بڑی تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے والا ہے جنہیں وہ پورا کرنے کے لیے مشتاق نظر آتی ہے۔ یہی داماد ہی تمام تر توقعات اور امیدوں کی آماجگاہ ہوتا ہے، اسے یہ بھی احساس فراہم کرتی ہے کہ وہ اس کی دوسری ماں ہے، اسے کسی طرح کی نصیحت کرنے سے بخیلی نہیں کرتی اور نہ ہی اسے، اس کی بیوی کو اور اس کی اولاد کو مسرت و فرحت اور سعادت مندی کے اسباب فراہم کرنے میں کوئی

---

[1] سنن ترمذی، النکاح، حدیث : 1085، و سنن ابن ماجه، النکاح، باب الاكفاء، حدیث : 1967.

کسر ہی اٹھا رکھتی ہے۔

بہترین عائلی زندگی گزارنے کے لیے اپنی بیٹی کی مدد کرتی ہے

ہوشمند سمجھدار مسلمان خاتون اپنی بیٹی کو نصیحت کرنے سے نہیں رکتی، اس کے گھریلو کام کاج، اس کے خاوند اور اس کی اولاد کے ہر نفع مند پہلو میں اسے اشیائے ضرورت فراہم کرتی رہتی ہے، وہ تو ہمیشہ ہر کام میں اپنی بیٹی کی آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کرتی ہے جس میں اس کے خاوند کی خوش بختی مضمر ہو، وہ اسے گھریلو، ازدواجی اور خاندانی فرائض و امور کو باحسن طریق انجام دینے کے لیے ترغیب و تحریص دیتی رہتی ہے، اگر وہ اپنی بیٹی میں کوتاہی، تاخیری حربے یا کوئی بے پروائی دیکھتی ہے تو گزشتہ کوتاہی کی تلافی کرنے کے لیے اسے سمجھانے، راہ راست پر لانے اور اس کی مدد کرنے میں بڑی جلدی کرتی ہے تاکہ اس کے داماد کو اس کی بیٹی کے خلاف کوئی ایسا موقع ہاتھ نہ آئے جس سے اس کی قدر و منزلت میں فرق پڑ جائے یا اس کی نظروں سے گر جائے۔

وہ اس امر کو بھی فراموش نہیں کرتی کہ وقتاً فوقتاً اپنی بیٹی کی موجودگی میں اپنے داماد کے مثبت پہلوؤں اور اس کی صفات حسنہ کی تعریف و توصیف کرتی رہتی ہے تاکہ اس کا اس سے رشتہ مضبوط و گہرا ہو جائے، اس سے محبت بڑھ جائے اور بیٹی ان چیزوں پر رضا مندی کا اظہار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں رکھی ہیں۔ اس طرح ماں اپنی بیٹی کی عائلی زندگی کو دوام بخشنے کے لیے، ان کی فضاؤں میں سعادت مندی کو عام کرنے کے لیے اور ان کے رشتے کو باقی رکھنے کے لیے بہترین مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اپنی بیٹی کی طرفداری کرنے کے بجائے عدل کرتی ہے

مسلمان ساس اپنے حکموں اور اپنے رویوں میں عدل و انصاف کا التزام کرتی ہے جب کبھی اس کی بیٹی اور اس کے خاوند کے مابین کوئی غلط فہمی یا اختلاف رونما ہو جاتا ہے یا اپنی بیٹی کے کردار میں خاوند کے حقوق کی ادائیگی میں کسی تقصیر و کوتاہی کو دیکھتی ہے یا گھریلو امور کی

انجام دہی میں یا خاوند کی جائز مرغوبات کا خیال رکھنے میں کوئی کمی دیکھتی ہے تو بیٹی کی طرف داری کرنے کے بجائے کلمۂ حق اور فیصلۂ عدل کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہتے ہوئے:

﴿ وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی ﴾

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔''[1]

اور اس فرمان گرامی پر:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سچی باتیں کیا کرو۔''[2]

اگر وہ اپنی بیٹی میں فضول خرچی کرنے اور بغیر حساب کے خرچ کرنے کی طرف میلان دیکھتی ہے تب وہ کلمۂ حق کہتی اور اپنی صاحبزادی کو اس کی غلطی سے آگاہ کرتی ہے جسے دین حنیف نے خرچ کرنے کے بارے میں واضح بیان کیا ہے:

﴿ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَكَانَ بَیۡنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی، بلکہ ان کی ان دونوں راستوں کے درمیان معتدل راہ ہوتی ہے۔''[3]

وہ اپنی بیٹی کی شخصیت میں سرکشی اور ایسا میلان طبع دیکھتی ہے جو شوہر کی قدر و منزلت اور ذمہ داری و نگرانی کو کم درجہ بنانے والی ہو تو وہ واضح لفظوں میں بیٹی کو سمجھانے میں جلدی دکھاتی ہے کہ بیٹی! مرد عورتوں پر محافظ و نگران ہیں، اللہ کے فرمان ذیل سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے:

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔''[4]

---

① الانعام 152:6 . ② الأحزاب 70:33 . ③ الفرقان 67:25 . ④ النساء 34:4 .

عورت پر مرد کی نگرانی و حاکمیت دو جوہری اسباب کی بنا پر ہے، عورت کو انہیں کبھی بھی بالائے طاق نہیں رکھنا چاہیے جو یہ ہیں: افضلیت اور خرچ کرنا۔

﴿ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾

''ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔''[1]

جس طرح مسلمان ساس اپنے بیٹے پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے اپنی بہو کی فضول خرچی پر اگر وہ فضول خرچ ہو تو اس پر حرف گیری کرتی ہے بالکل اسی طرح وہ اپنی بیٹی کے لیے ایسے عمل پر اعتراض بھی کرتی ہے جب وہ اسراف کرتی اور حد کو پھلانگتی ہے، صرف عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اور قرآن عظیم کی ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے۔

……❀……

[1] البقرہ 2:228.

باب: 7

مسلمان خاتون اپنے قرابت داروں کے ساتھ

اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون کے ذہن سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوتی کہ اس کے قرابت داروں کا بھی اس پر حق ہے، اور اس سے دین اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان سے صلہ رحمی کرے، ان سے اور احسان کرے۔ قرابت داروں سے مراد وہ تمام افراد ہیں جن کا نسب کے ذریعے انسان سے رابطہ و تعلق بنتا ہے، خواہ وہ وراثت میں حصہ دار ہوں یا نہ ہوں۔

صلہ رحمی کا مقام

اسلام نے صلہ رحمی کا منفرد انداز میں اکرام و خیر مقدم کیا ہے جبکہ دیگر ادیان، قوانین، ضابطے اور فلسفے اس سے عاری ہیں بلکہ انسانیت اس سے نا آشنا تھی، اسلام نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے اور اسے قطع کرنے والے پر شدید اعتراض کیا ہے۔ اسلام کا رشتہ داری و صلہ رحمی کے بارے میں جس قدر مبالغہ کے ساتھ اکرام کرنا ظاہر ہوتا ہے یہ دلکش کیفیت رسول اللہ ﷺ کی اس صحیح حدیث میں موجود ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا حتی کہ جب ان سب سے فارغ ہوا تو ''رحم'' (رشتہ داری) کھڑی ہوگئی اور بولی: یہ وہ مقام ہے جس میں، میں قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتی ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بالکل ٹھیک، کیا تو اس فیصلے پر راضی نہیں

ہے کہ میں بھی اس سے ملوں گا جو تجھے ملائے گا اور میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا جو تجھے جوڑے گا؟ بولی: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ فیصلہ ہے تیرے لیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو:''[1]

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾

''اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت کو بہرا کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا۔''[2]

اس موضوع پر قرآن کریم کی آیات بکثرت موجود ہیں جو اسلام میں صلہ رحمی کے مرتبے ومقام کو پرزور الفاظ میں بیان کررہی ہیں اور یہ آیات اس کے ساتھ احسان کرنے کی ترغیب دیتی ہیں اور اس کے ساتھ برا رویہ رکھنے سے خبردار کرتی ہیں جو بھی اس کو مجروح کرے یا اسے اذیت پہنچائے، اسے ڈراتی ہیں۔ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اس کے حق کو پورا کرنے کی تعلیم دیتی ہیں۔ ان آیات میں سے ایک یہ ہے:

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ﴾

''اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے نمبر پر رشتہ داروں کا بیان فرمایا ہے، ان کی تعظیم، اہمیت اور ان رشتہ داریوں کے مقام ومرتبہ کو بڑی تاکید سے واضح کیا ہے۔

مسلمان کے شعور میں صلہ رحمی کی یاد وتذکرے کو تروتازہ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] محمد 47:22-23. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث: 5987، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، حديث: 2554. [3] النسآء 4:1.

بہت سی آیات کریمہ میں صلہ رحمی کا، نیکی کرنے کا، احسان کرنے کا حکم ایمان باللہ کے ساتھ دیا ہے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر ملاحظہ ہو:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ﴾

''اور تیرا پروردگار فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔''[1]

پھر کچھ آگے یوں فرماتے ہیں:

﴿ وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ﴾

''اور رشتے داروں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو۔''[2]

بلاشبہ رشتہ داروں کا مقام و مرتبہ نیکی میں والدین کے بعد آیا ہے، قرآن حکیم کی رہنمائی بتدریج اعلیٰ سے ادنیٰ بیان ہوئی ہے جو انسانی تعلقات کی سیڑھی کو بیان کر رہی ہے، ان کے مراتب کی حد بندی بیان کرتے ہوئے والدین سے آغاز کیا ہے، پھر رشتہ دار، پھر یتیم، مسکین، مسافر اور پھر ہمسائے، جب نیکی بڑھے اور اس کا دائرہ وسیع ہو تو اس کی خیر قریبی، پھر اس کے بعد کے قریبی تک پہنچے گی حتی کہ انسانوں کے بہت بڑے کنبے میں تمام محتاجوں تک اس کا سلسلہ پہنچے گا۔ اس میلان کا خیال رکھتے ہوئے جس کی طرف انسانی طبائع جھکتی ہیں کہ نیکی قریبی سے شروع کی جائے، اس کے بعد دوسرے سے۔

اسلام نے صلہ رحمی کا اس قدر بلند مقام بنایا ہے کہ صلہ رحمی کو اسلام کے ابتدائی اور بنیادی اصولوں میں رکھا ہے، جن کے ساتھ اسلام عالم بشریت پر اپنی تعلیمات کے ساتھ طلوع ہوا ہے، یعنی اپنے روز اول ہی سے جن اصولوں اور ضابطوں کو رسول اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کے حکم سے دوٹوک لفظوں میں اور واشگاف طور پر بیان کیا ہے، جن کے ساتھ آپ ﷺ نے اس نئے دین کی بنیادوں کے نشانات کو واضح کیا اور صلہ رحمی کو ان نشانات میں سے

[1] بنی إسراء یل : 23 ۔ [2] بنی إسراء یل 26:17 ۔

واضح تر اور اس روشن شریعت میں نمایاں تر رکھا ہے۔ ہم یہ بات اس طویل حدیث میں پاتے ہیں جس میں ابوسفیان نے ہرقل کے سوال پر یوں جواب دیا تھا:

ہرقل: تمہارا نبی تمہیں کن امور کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے: تم اللہ واحد کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اپنے آباؤ اجداد کے اقوال چھوڑ دو، وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا ہے۔[1]

دیکھ لیجئے اس دین حنیف کے بڑے بڑے امتیازی نشانات میں صلہ رحمی کا شمار بھی آیا ہے، یعنی توحید الٰہی، اقامت صلاۃ اور صداقت و پاکدامنی کے شمار میں صلہ رحمی کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ صلہ رحمی دین کے ان امتیازی پیغامات میں سے ایک ہے جنہیں ابوسفیان نے ہرقل کے سامنے پیش کیا تھا جس نے اسلام کی بابت پہلے پہل سوال کیا تھا تاکہ اس نبی کے لائے ہوئے دین کے اہم ترین احکامات کو سمجھ لے۔

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے جو اسلام کے جملہ قواعد و آداب پر مشتمل ہے، اس میں سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں مکہ میں (نبوت کے ابتدائی دور میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: آپ کیا ہیں؟ فرمایا: نبی۔ میں نے کہا: نبی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ میں نے عرض کی: آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا:

[أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ، وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ، وَأَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ......]

"اس نے مجھے صلہ رحمی، بت شکنی اور اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننے اور اسے شرک سے مبرا رکھنے کے احکامات کے ساتھ بھیجا ہے۔"[2]

---

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ، حديث: 7 وصحيح مسلم، الجهاد، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل ملك الشام، حديث : 1773 . [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب إسلام عمرو بن عبسة، حديث : 832 .

کتنی ہی ایسی نصوص ہیں جو پیہم اور بالوضاحت صلہ رحمی پر ابھار رہی، اس کا حکم دے رہی اوراس کی رغبت دلا رہی ہیں، مزید قطع رحمی سے ڈرا رہی اور بے رخی برتنے والے کو وعیدیں سنا رہی ہیں۔

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے ایسے اعمال بتا دیں جو مجھے جنت میں داخل کروا دیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ]

”تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، تو نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے اور صلہ رحمی کرے۔“[1]

صلہ رحمی کا کس قدر بلند و عظیم مقام ہے! انسان کے اعمال کے وزن میں یہ کس قدر بھاری ہے! یہ عبادت الٰہی، توحید باری تعالیٰ، اقامت نماز اور ادائے زکاۃ کے ساتھ ایک ہی سیاق میں آ رہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان عظیم نیک اعمال میں صلہ رحمی بھی شامل ہے جو آدمی کو جنت میں داخل کرنے والے اور اسے دوزخ سے بچانے والے ہیں۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

”جو شخص یہ پسند رکھتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی کر دی جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر خیر تادیر باقی رہے، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔“[2]

بلاشبہ صلہ رحمی کرنے والے کے رزق میں یہ باعث برکت ہے، اور اس کی عمر میں بھی باعث برکت ہے، اس کے مال کو بڑھاتی اور اس کی افزائش کرتی ہے۔ اس کی موت کو آگے

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب فضل صلة الرحم، حديث: 5983، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة، حديث: 13. ② صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث : 5986 ، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، حديث : 2557.

(مؤخر) کرتی اور اسے بابرکت بناتی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: ''جو شخص اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے، اور صلہ رحمی کرے، اس کی موت کو آگے کر دیا جاتا ہے، اس کا مال بڑھ جاتا ہے اور اس کے اہل خانہ اس سے محبت کرتے ہیں۔''①

مسلمان خاتون کے ذہن و دماغ سے یہ امر اوجھل نہیں رہتا کہ صلہ رحمی یکساں طور پر عورت سے بھی بالکل اسی طرح مطلوب ہے جس طرح مرد سے مطلوب ہے، اس میں خطاب اگرچہ انسان مسلمان سے ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسلمان تو ہے، شرعی امور واحکام سب کے لیے عام ہیں۔ اس لیے مسلمان خاتون بھی صلہ رحمی کے لیے دل کی صداقت، اپنی پوری کوشش اور قلبی حرارت سے لپکتی ہے، دنیاوی مصروفیات و خانگی ذمہ داریاں، خواہ جس قدر بھی زیادہ ہوں وہ اسے صلہ رحمی سے پھیر نہیں سکتیں۔

جب کہ اس کے مدمقابل قطع رحمی نحوست، بلا اور اللہ تعالیٰ کی اور لوگوں کی ناراضی کا سبب ہے بلکہ اسے جنت دارالقرار سے دور لے جانے کا باعث بھی ہوگی۔ عورت کو قطع رحمی کرنے والے کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا فرمان سن لینا ہی کافی ہوگا:

[لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ]

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''②

اور اس کے لیے اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ رحمت الٰہی قاطع رحم سے کنارہ کش رہتی ہے، اس پر نہیں اترتی بلکہ ایسی قوم پر بھی نہیں اترتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو، جس طرح کہ اس حدیث میں یہ بات موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں بیان کیا ہے:

---

① أخرجه البخاري، في الأدب المفرد : 140/1 ، باب من وصل رحمه أحبه الله. ② صحيح البخاري، الأدب، باب إثم القاطع، حديث : 5984، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، حديث : 2556.

[إِنَّ الرَّحْمَةَ لَاتَنزِلُ عَلٰى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ]

''بلاشبہ رحمت ایسی قوم پر نہیں اترتی جن میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔''[1]

اسی لیے تو جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسی مجلس میں دعا کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جس میں قاطع رحم موجود ہوتا، کیونکہ وہ شخص نزول رحمت اور قبولیت دعا میں آڑے آتا ہے، ایک دفعہ جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات آپ نے ایک مجلس میں یوں اعلان فرمایا: ''اس مجلس میں جو کوئی قطع رحمی کرنے والا ہے وہ اٹھ کر چلا جائے۔''

کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا، حتی کہ آپ نے یہی اعلان تین مرتبہ کیا۔ ایک نوجوان اپنی پھوپھی کے پاس آیا جسے اس نے عرصہ دو برس سے چھوڑ رکھا تھا، اس کے پاس حاضر ہوا، وہ بولی: اے میرے بھتیجے! تجھے یہاں کون سی چیز لے آئی ہے؟ وہ بولا: میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایسے ایسے فرماتے سنا ہے، پھر وہ بولی: ان کے پاس جاؤ اور سوال کرو کہ آپ نے ایسا کیوں کہا ہے؟ وہ کہتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

[إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَشِيَّةَ كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ]

''بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کی شام اور شب جمعہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔''[2]

یقیناً یہ بہت بڑی بلا اور مصیبت ہے جو قطع رحمی کرنے والی کو گھیر لیتی ہے، وہ دعائیں مانگتی ہے لیکن اس کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں، وہ عمل کرتی ہے لیکن کوئی عمل اوپر نہیں جاتا، وہ اپنے رب کی رحمت کی طرف لوٹتی ہے لیکن وہ اس سے دور ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا، یہ ناممکن بات ہے کہ مسلمان خاتون جس کے دل میں اسلام کی چمک دمک رچ بس گئی ہو وہ قطع رحمی کرنے والی بنے۔ قطع رحمی کا گناہ ایسا زبردست ہے کہ اس کی سزا

---

① الأدب المفرد: 144/1، باب لاتنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم. ② الأدب المفرد: 142/1، برالأقرب فالأقرب.

اللہ تعالیٰ آخرت میں دینے سے قبل دنیا میں بھی دیتا ہے، جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں اس طرف اشارہ موجود ہے:

[مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا...... مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ...... مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ]

''ظلم اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرتکب کو دنیا میں جلد سزا دے...... علاوہ ازیں اس کے لیے آخرت میں بھی ذخیرہ کرے......''[1]

اس لیے کہ قطع رحمی اور ظلم دونوں جڑواں (دوشاخہ) ہیں، اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ میں ان دونوں کو جمع فرمایا ہے۔ قطع رحمی اور ظلم کے درمیان تعلق اور رشتے کو تاکید سے بیان کیا ہے، میں یہ بات قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قطع رحمی بہت بڑا ظلم ہے، اس سے بڑھ کر اور کون سا ظلم ہوگا کہ قریبی رشتوں کو کاٹ رہی ہے، محبت کے حلقوں کو توڑ رہی ہے اور پیار کی رسی کو کاٹ رہی ہے؟

البتہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور رحم کی ظلم اور قطع تعلقی کی شکایت کرنے کی صورت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں جرم اس پر واقع ہو رہے ہیں، تب اللہ تعالیٰ اس کے سوال پر جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس سے تعلق جوڑے گا جو اسے جوڑے گا اور وہ اسے تعلق توڑ لے گا جو اس سے توڑے گا: ''رحم'' رحمٰن کی جانب سے ایک گھنی ٹہنی ہے، وہ کہتی ہے: اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں ظلم کا شکار ہوں، اے میرے رب! مجھے توڑ دیا گیا ہے، اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں...... تب اللہ تعالیٰ اسے یہ جواب دیتے ہیں:

[أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ وَأَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ]

---

[1] مسند أحمد: 38/5، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث: 4211، بإسناد صحيح

''کیا تو اس پر رضا مند نہیں ہے کہ میں اس سے تعلق توڑلوں جو تجھے تعلق توڑے گا اور میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھے تعلق جوڑے گا۔''①

ایک دوسری حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ داری کے لفظ ''رحم'' کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے، تو اسی اشتقاق ہی سے اس رشتہ داری کی عظمت، عزت اور شرافت و بلندی عیاں ہو رہی ہے:

[أَنَا الرَّحْمٰنُ وَأَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَاشْتَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِيْ فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ]

''میں رحمٰن ہوں، اور میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا ہے، اور میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے، تو جو اسے جوڑے گا، میں اس سے تعلق جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اس سے تعلق توڑلوں گا۔''②

ان نصوص و دلائل میں کتنی تاکیدیں ہیں کہ صلہ رحمی کرنے والا کس قدر سعید، محبوب اور مکرم ہے، وہ اپنے پروردگار کی رضوان و رحمت سے انعام یافتہ ہے اور قطع رحمی کرنے والا اپنے رب کی رحمت و مہربانی سے کتنا شقی، منحوس، قابل نفرت اور مقطوع ہے اور اس کی مغفرت و رضا مندی سے کس درجہ محروم ہے!

مسلمان خاتون صلہ رحمی کرتی ہے

مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی ہے، وہ صلہ رحمی سے غافل نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ اس سے تعلق استوار رکھتی ہے، مادرانہ مصروفیات، گھریلو ذمہ داریاں اور خاوند کے فرائض اس تعلق کی استواری اور پائیداری سے اسے غافل نہیں کرتے، جب وہ اپنے قرابت داروں کی ملاقات کو ترتیب دیتی ہے تو زیادہ قریبی، کم قریبی کی ترتیب کو اسلامی ہدایات کی روشنی میں قائم کرتی ہے، ماں سے صلہ رحمی کرتی ہے پھر باپ سے پھر زیادہ قریبی

① الأدب المفرد: 146/1. ② الأدب المفرد: 132/1، باب فضل صلة الرحم.

پھر اس سے کم قریبی سے جس طرح اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایت مبارکہ رہنمائی کر رہی ہے، نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک آدمی حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا:

''یارسول اللہ! میری اچھی صحبت کا کون زیادہ حقدار ہے؟ فرمایا: تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ پھر اس کے بعد تیرا قریبی، پھر اس سے قریبی۔''[1]

مسلمان خاتون کو اپنے قرابت داروں سے نیکی کرنے اور ان سے صلہ رحمی کرنے میں دوہرا اجر ہوتا ہے، قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر، جب وہ اصحاب ثروت میں سے ہوتی ہے، تو بوقت ضرورت ان کی مالی معاونت بھی کرتی ہے، تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دوگنا اجر وثواب پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے، اور اس چیز کو اسلام بھی محبوب رکھتا ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی اس حدیث میں اس کو دعوت دی ہے جسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''یا معشر النساء! تم صدقہ وخیرات کیا کرو، خواہ اپنے زیورات میں سے ہی کر لیا کرو۔''

وہ کہتی ہیں: میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئی اور یوں عرض کی: آپ کم مال والے آدمی ہیں، اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دریافت کریں، اگر وہ صدقہ میری طرف سے آپ کو کفایت کر سکتا ہے تو درست ورنہ میں یہ کسی دوسرے کو دے دوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بلکہ تو خود ہی جا، چنانچہ میں چلی آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک انصاری خاتون نبی کریم ﷺ کے دروازے پر موجود ہے، اس کی حاجت بھی میرے والی حاجت تھی، اور رسول اللہ ﷺ کے رعب ودبدبہ کے باعث اندر نہیں جا رہی تھی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر سے باہر نکلے تو ہم نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور آپ کو اطلاع دیں کہ دروازے پر دو عورتیں

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حديث: 5971، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين، حديث: 2548 واللفظ له.

ہیں، وہ آپ سے یہ مسئلہ دریافت کر رہی ہیں کہ کیا ان کی طرف سے ان کے خاوندوں کو صدقہ کفایت کر سکتا ہے اور گود میں پرورش پانے والے یتیم بچوں پر بھی صدقہ لگ سکتا ہے؟ اور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے بارے میں مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟ تب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اندر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے۔ آپ ﷺ سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا وہ دونوں کون ہیں؟ عرض کی: ایک انصاری خاتون ہے اور ایک زینب۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون سی زینب ہے یہ؟ عرض کی: عبداللہ کی زوجہ، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا:

''ان کے لیے دوہرا اجر ہے، قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔''①

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہی ہے جبکہ رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو اجر ہیں: صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔''②

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ میمونہ بنت حارث ام المومنین رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے ایک لونڈی آزاد کر دی ہے اور آپ سے اجازت بھی نہیں لی۔ تو جب ان کا وہ دن آیا جس میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آیا کرتے تھے تو کہنے لگیں: یارسول اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی آزاد کر دی ہے؟ پوچھا: کیا تو نے ایسے کر لیا ہے؟ بولیں: جی ہاں، فرمایا: اگر تو وہ اپنے کسی ماموں کو دے دیتی تو تیرا اجر عظیم ہوتا۔''③

یقیناً رسول اکرم ﷺ نے ہر پیش آمدہ موقع پر اور ہر مناسبت میں قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنے کی افضیلت اور اولیت کو تاکیداً بیان فرمایا ہے۔ جس وقت مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

---

① صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام، حديث : 1466، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين، حديث : 1000. ② سنن الترمذي، الزكاة، باب: (26)، حديث : 658 وقال حديث حسن. ③ صحيح البخاري، هبة، باب هبة المرأة لغير زوجها، حديث : 2592 ، و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقه والصدقة على الأقربين، حديث : 999.

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے۔''[1]

تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوگئے، اور یوں عرض پرداز ہوئے: ''یارسول اللہ! بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾[2]

''تو مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنا کھجوروں کا باغ ہے، میری طرف سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے، اس پر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی اور ذخیرے کا امیدوار ہوں، یارسول اللہ! جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ سمجھائے، اسے وہاں استعمال فرمالیں۔''

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واہ خوب! یہ تو نفع مند مال ہے، یہ تو انتہائی سودمند کاروبار ہے، تو نے جو کچھ کہا ہے، وہ میں نے یقیناً سنا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کردے۔ تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں ایسے ہی کیے دیتا ہوں، پھر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قرابت داروں میں اور اپنے چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گہری رشتہ داری کو زمانے کے دل میں بہت آگے تک بیان فرمایا ہے۔ زمانوں اور مدتوں کے گزرنے کے باوجود بھی اسے یوں اجاگر کیا ہے، یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ نے قوم مصر کے متعلق یوں وصیت فرمائی تھی:

''یقیناً تم عنقریب مصر فتح کرلو گے، وہ ایسی سرزمین ہوگی جس میں ''قیراط'' کا پیمانہ استعمال ہوتا ہوگا، تو جب تم اسے فتح کرلو تو اس کے باشندوں کے ساتھ

---

① آل عمران 92:3. ② آل عمران 92:3. ③ صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، حديث : 1461، و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين، حديث : 998.

احسان و نیک سلوک کرنا کیونکہ ان کا عہد اور قرابت داری ہے، یا آپ نے یہ فرمایا:
ان کا عہد اور سسرالی تعلق ہے۔''[1]

علمائے کرام نے اپنی تشریحات میں یہ تحریر کیا ہے: ان کی قرابت داری سے مراد سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا ان میں سے ہونا ہے اور سسرالی رشتہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا اس قوم سے ہونا ہے۔

کیا کہنے ہیں نبوت کی اس وفاداری کے! اور اس وسیع و عریض محبت داری کے، نیکی کو سرانجام دینے کے! اور اس انسانی سخاوت اور کرم نوازی کے جو برسوں اور مدتوں کے گزرنے کے باوجود بھی ان دونوں معزز رشتوں کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی نچلی نسلوں تک پھیل رہی ہے اور دراز ہو رہی ہے!

جب کوئی مسلمان خاتون اس بلند ترین نبوی ہدایت کو سنتی ہے تو اسے اپنے قرابت داروں کی طرف دست تعاون دراز کرنے، انہیں اپنی خالص محبت عطا کرنے، ان کے ساتھ دائمی صلہ رحمی قائم رکھنے اور اپنی مسلسل نیکی کو جاری رکھنے کے سوا کوئی اور چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

وہ غیر مسلموں سے بھی صلہ رحمی کرتی ہے

مسلمان خاتون اپنے دین کی ہدایت پر نظر رکھتی ہے تو دیکھتی ہے کہ وہ اپنی عالی ظرفی، فراخ دلی اور مانوسیت میں بلند تر ہی ہوتی جاتی ہے جو صلہ رحمی کی تلقین و ترغیب دیتا بلکہ حکم دیتا ہے، خواہ رشتہ دار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علانیہ آواز میں...... دبی آواز میں نہیں...... فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

''فلاں کے باپ کی اولاد، وہ میرے اولیاء نہیں ہیں بلکہ میرا ولی تو اللہ تعالیٰ اور صالح اہل ایمان ہیں، لیکن ان کے ساتھ میری رشتہ داری ضرور ہے جسے میں تر رکھوں گا، یعنی ان سے صلہ رحمی قائم رکھوں گا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب وصية النبي ﷺ بأهل مصر، حديث: 2543.

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب تبل الرحم ببلالها، حديث : 5990، وصحيح مسلم، الإيمان، باب موالاة المؤمنين ومقاطعة غيرهم، حديث: 215.

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی نازل ہوا:

﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴾

''اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرائیے۔''[1]

تو رسول اللہ ﷺ نے قریشیوں کو بلایا، سب عام و خاص جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

- اے بنی کعب بن لؤی! اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔
- اے بنی مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچالینا۔
- اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچالو۔
- اے بنی عبد مناف! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچالینا۔
- اے بنی ہاشم! تم بھی اپنے آپ کو آتش دوزخ سے بچالو۔
- اے بنی عبد المطلب! تم بھی اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔
- اے فاطمہ! تو بھی اپنی جان کو آگ سے بچالے۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کچھ مالک نہ ہوں گا، سوائے اس کے کہ تمہارے لیے رشتہ داری ضرور ہے جس کی میں پاسداری کروں گا۔''[2]

دور اول میں یہی بلند ترین نبوی ہدایت مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے کانوں میں سرایت کر گئی تھی اور اس نے ان کے دلوں میں اپنا اثر بھی دکھایا تھا، جس کے باعث وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کے ساتھ، خواہ وہ غیر مسلم ہی تھے، نیکی کرتے تھے۔ اس حقیقت کے شواہد میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جسے امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں اور امام ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: اے امیر المومنین! صفیہ (رضی اللہ عنہا) ہفتہ کے دن سے محبت رکھتی ہے اور یہودیوں سے صلہ رحمی کرتی ہے، چنانچہ سیدنا عمر فاروق

---

[1] الشعراء 26:214. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالیٰ: (وانذر عشیرتك الاقربین)، حدیث : 204.

رضی اللہ عنہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس دریافت کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا، تو انہوں نے یہ جواب دیا: ''رہی بات ہفتہ کے دن سے پیار کرنے کی تو جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے بدلے میں جمعہ کا دن دے دیا ہے تو میں نے اس سے پیار نہیں کیا، اور رہی بات یہودیوں سے محبت کرنے کی تو ان کے ساتھ میری رشتہ داری ہے، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں۔''

پھر آپ رضی اللہ عنہا اپنی لونڈی کی جانب متوجہ ہوئیں تو اس سے استفسار فرمایا کہ تجھے ایسا کرنے پر کس چیز نے ابھارا ہے تو وہ بولی: شیطان نے! اس وقت صفیہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ تھا: ''جا چلی جا تو آزاد ہے۔''[1]

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ ریشمی چوغہ اپنے مشرک اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کو دینے کو کوئی تنگی نہیں پائی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف بھیجا تھا۔[2]

اسلام نے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی ترغیب وتحریص دلائی ہے، خواہ وہ دونوں مشرک ہی ہوں۔ جی ہاں! بالکل وہی دین قرابت داروں سے نیکی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

وہ قطع رحمی کرنے والوں سے بھی صلہ رحمی جاری رکھتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس کی روح اپنے دین حق کی ہدایت سے سیراب ہو چکی ہے، وہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی جاری رکھتی ہے، خواہ وہ اس سے قطع تعلق ہی رکھیں، یہ ان سے برابری کی بنیاد پر سلوک نہیں کرتی کہ اگر وہ ملتے رہیں گے تو یہ بھی ملنا جاری رکھے گی اور اگر وہ اس سے ترک تعلق کر لیں گے تو یہ بھی ان سے قطع تعلق ہو جائے گی کیونکہ مسلمان خاتون تو صلہ رحمی کرنے والی ہی ہوتی ہے، وہ اپنی برادری سے صلہ رحمی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ثواب کی متلاشی رہتی ہے، اور وہ اپنے تعلقات کو برابری کی بنیاد پر استوار نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ صلہ رحمی کا تبادلہ کرتی ہے، اسی لیے تو یہ اپنے افعال و کردار میں بلند ترین

---

① الاستيعاب: 4/1872، والإصابة: 8/127. ② صحيح البخاري، الأدب، باب صلة الأخ المشرك، حديث: 5981، وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم لبس الحرير...... حديث: 2068.

انسانی اخلاق میں ضرب المثل کے طور پر بیان کی جاتی ہے جسے اسلام نے ازل ہی سے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بلند تر مگر مشکل گھاٹی ہے، بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور جن کے دل اللہ عزوجل کی رضا مندی کے حصول کے لیے مطیع ومنقاد ہو جائیں، ان کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے اس انداز اور فکر سے فیض یاب ہونے والی ہے، وہ بھی انہی ترقی یافتہ، بلند اخلاق اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسن معاملہ کرنے والی مستورات میں سے ہے، اور وہ بھی مندرجہ ذیل فرمان رسول پر عمل پیرا رہتی ہے:

[لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا]

"برابر برابر بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے لیکن صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ داری توڑی جائے تو وہ اسے جوڑتا ہے۔"[1]

یہ ہے وہ بلند ترین انسانی اخلاق جس کے متعلق اسلام چاہتا ہے کہ سب مسلمان مرد اور عورتیں اپنے اقارب وارحام کے ساتھ معاملات کرنے میں اس درجہ تک بلند مقام حاصل کر لیں۔ اسی لیے تو نبوی ہدایت میں یہ بات آتی ہے جو ان میں حلم، صبر، درگزر اور عفو کے اخلاق کو مضبوط و مستحکم بناتی ہے اور بالخصوص صلہ رحمی کرنے والے کے دل میں جو اپنے قرابت داروں سے میل جول رکھتا ہے اور خود ان کی طرف سے قطع تعلقی، دوری، اعراض، سختی اور برائی ہی کو پاتا ہے۔ وہ دل میں یہ بات بٹھا لیتا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی آدمی کے ساتھ ہوتا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے، خواہ اسے صلہ رحمی کرنے پر برابر کا بدلہ نہ بھی ملے، اور اس خوفناک انجام اور سزا کو ذہن میں رکھتا ہے جو دور ہونے والوں سخت دل والوں، بدکلامی کرنے والوں، قریبی تعلقات کو توڑنے والوں اور رشتوں ناتوں کو قطع کرنے والوں کو مل سکتی ہے، نبی مکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں ایک شخص حاضر ہو کر یہ عرض کرتا ہے: یارسول اللہ! میرے چند رشتہ دار ہیں، میں ان سے ملتا ہوں لیکن وہ مجھ سے ترک تعلق رکھتے ہیں، میں ان سے نیک رویہ رکھتا

① صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافي، حديث :5991.

ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ برائی کا رویہ رکھتے ہیں، میں ان کے متعلق نیک جذبات رکھتا ہوں جبکہ وہ میرے ساتھ جہالت والا معاملہ روا رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا ہے تو گویا تو انہیں گرم راکھ (بھوبھل) کھلاتا ہے جب تک تو اسی طرح رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیرے ساتھ ان کے خلاف ایک مددگار رہے گا۔''[1]

قطع رحمی کرنے والوں اور والیوں کو کس قدر عظیم گناہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نے اس طرح مثال دے کر سمجھایا ہے جیسے کوئی گرم راکھ (بھوبھل) کھانے والا ہوا، یہ سزا ہے اس شخص کی جو صلہ رحمی کرنے والے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے قطع تعلق اختیار کرتا ہے۔

مذکورہ صورت حال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ راست باز مسلمان خاتون ہر حال میں صلہ رحمی کرتی ہے، وہ ان سے قطع تعلق نہیں ہوتی اگرچہ وہ اس سے ترک تعلق بھی کر لیں، اس سے اس کا مقصد اپنے پروردگار کی رضا مندی ہوتی ہے، وہ ان تمام جہالتوں، حماقتوں اور بری کارگزاریوں سے بلند تر رہتی ہے، جو وقتاً فوقتاً اس کے بعض عزیز و اقارب سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، ایسے چھوٹے چھوٹے امور سے اعراض و درگزر کرتی رہتی ہے جو حقیر و گھٹیا لوگوں کو مصروف کیے رکھتے ہیں، اور جن سے ان کے سینے بھرے رہتے ہیں، وہ اس حقیقت پر ایمان و یقین رکھتی ہے کہ یہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی حرکتوں، جہالتوں، حماقتوں اور فضولیات کی سطح تک اتر آئے جو اعمال کو اکارت کر دیتے ہیں اور قرابت داروں کے مابین تعلقات کی صفائی کو مکدر کر ڈالتے ہیں اور وہ اس گڑھے میں گرنے سے دور رہتی ہے بلکہ وہ تو اس فرمان رسول ﷺ پر کان لگائے رکھتی ہے: ''رشتہ داری عرش سے لٹک رہی ہے اور یہ کہتی جا رہی ہے جو مجھے جوڑے گا اللہ اس سے تعلق جوڑے گا اور جو مجھے توڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق توڑے گا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، حديث : 2558. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث : 5989، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم، حديث : 2555.

باب: 8

مسلمان خاتون اپنی ہمسائیوں کے ساتھ

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور اس کے مضبوط کڑے کو تھام کر رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے ہمسایوں سے احسان اور نیکی کرنے والی ہوتی ہے اور ان کے امور و معاملات کا خیال رکھنے والی ہوتی ہے۔

ہمسائیوں کے متعلق اسلامی ہدایات پر کار بند رہتی ہے

وہ اس طرح کہ سمجھدار مسلمان خاتون ہمسائے کی بابت اپنے دین اسلام کی بلند ترین ہدایات کو یاد رکھتی ہے جسے اس انسان دوست سخی دین نے ایسے بلند ترین مقام پر رکھا ہے جس سے انسانیت ناواقف و ناآشنا چلی آ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں ہمسایوں کے ساتھ گرم جوشی سے احسان کرنے کا واضح حکم دیا ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام، کنیز)۔''[1]

---

[1] النسآء 36:4.

قرابت دار ہمسایہ وہ ہے جسے ہمسائیگی کے ساتھ ساتھ نسب یا دین کا رشتہ بھی تجھے اکٹھا رکھتا ہو اور اجنبی ہمسایہ وہ ہے جس کے ساتھ تیرا نسب یا دین کا تعلق نہ ہو اور پہلو کے ساتھی سے مراد اچھے کام کا ساتھی ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان انسان کا جو بھی ہمسایہ ہو، اس کا اس پر ہمسائیگی کا حق بنتا ہے، خواہ ان دونوں کے درمیان نسب کا یا دین کا کوئی رشتہ اور رابطہ نہ ہو، اس میں ہمسائے کی کتنی عزت و تکریم موجود ہے اور وسیع الظرف روشن دین اسلام میں ہمسائے کے تعلق کی کتنی عظیم شان موجود ہے۔

متواتر احادیث رسول ﷺ ہمسائیگی کے اس تعلق کے بارے میں ان بلند ترین انسانی اقدار کو تاکید سے بیان کر رہی ہیں جو قرابت داری یا دین داری کے تعلق پر نگاہ رکھے بغیر ہمسائے کے متعلق یہ وصیت کر رہی ہیں:

[مَازَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ]

”جبریل مجھے مسلسل ہمسائے کے متعلق وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے یہ خیال لاحق ہونے لگا کہ اسے وارث ہی بنا دے گا۔“[1]

ہمسائے کے متعلق جبریل علیہ السلام کی بار بار وصیت کے سامنے رسول اللہ ﷺ ہمسائے کے بارے میں احسان کرنے کی ترغیب دینے کے دلدادہ نظر آتے ہیں، آپ ہر مناسب موقع پر اس کا حکم دیا کرتے تھے اور جب آپ حجۃ الوداع میں اپنا جامع ترین تاریخی خطبہ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں بھی ہمسائے کے لیے حصہ موجود تھا اور جب ہم اس امر کو جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس عظیم ترین خطبے میں ہر اس بات کا خیال رکھا ہے جسے آپ مسلمانوں کے لیے فرمانا چاہتے تھے کیونکہ اس وقت آپ نے اس عظیم مقام میں اس حقیقت کا احساس کر لیا تھا کہ اس مقام میں آپ کا یہ آخری خطبہ ہے، تو ہم یہ بات اچھی

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الوصاءة بالجار، حديث: 6014، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: 2625.

طرح جان لیتے ہیں کہ ہمسائے کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی کتنی بڑی اہمیت ہے۔ یقیناً ابوامامہ صحابی جلیل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع میں ہمسائے کا مرتبہ سمجھانے کو اس طرح سمجھا تھا کہ گویا کہ آپ اسے وارث ہی بنا دیں گے اور یہ بات ان کے اس فرمان میں موجود ہے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں اپنی جدعاء اونٹنی پر یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: میں تمہیں ہمسائے کے متعلق وصیت کرتا ہوں حتی کہ آپ نے یہ بات کئی مرتبہ ارشاد فرمائی، مجھے گمان ہوا آپ اسے وارث ہی قرار دے دیں گے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات عمل صالح پر ابھارنے کے لیے اپنے صحابہ کے جذبات کو انگیخت کرتے تھے تو آپ ایسے موقع پر اپنی نصیحت و موعظت کو بایں الفاظ شروع فرمایا کرتے تھے:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَفْعَلْ كَذَا وَلْيَفْعَلْ كَذَا......]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے ایسا اور ایسا کرنا چاہیے۔''

آپ اس انگیخت کرنے والی عبارت کو بار بار دہراتے، نیکی کا حکم کرنے کے لیے یا عمدہ اخلاق میں سے کسی خلق پر رغبت دلانے کے لیے اور ان احادیث مبارکہ میں سے جن میں آپ نے اس مؤثر ترین اسلوب کو اختیار فرمایا: آپ کا یہ فرمان بھی ہے:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهٖ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْلِيَسْكُتْ]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کے ساتھ نیکی کرے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے

---

[1] رواه الطبراني : بإسناد جيد، و مجمع الزوائد: 165/8 .

چاہیے کہ اپنے مہمان کی تکریم کرے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیکی کی بات کہے یا پھر خاموش ہی رہے۔''[1]

صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ......]

''جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسائے کو اذیت نہ پہنچائے۔''[2]

آپ ﷺ نے حدیث مبارکہ کی ابتدا ہی میں پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بات ارشاد فرمائی ہے اور آپ نے اس نیک سلوک کو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی علامات میں سے ایک علامت قرار دیا ہے اور ان کے بہترین ثمرات میں سے ایک پکا ہوا پھل قرار دیا ہے۔

اپنے پڑوسیوں کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنے لیے کرتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس نے ربانی ہدایت کے سامنے نفس کو بالکل بچھا لیا ہے انتہائی رقیق القلب، عالی ظرف، نرم مزاج اور اپنے پڑوسیوں سے محبت کرنے والی ہوتی ہے، مزید ان کو اذیت دینے والی ہر چیز یا ان کے وقار و مرتبے کو مجروح و مخدوش کرنے والی بات یا کسی برائی اور تکلیف دہ بات کو نہایت تیزی سے محسوس کرنے والی ہوتی ہے۔ ان کے لیے خیر و بھلائی بالکل اسی انداز سے پسند کرتی ہے جس طرح اپنی ذات کے لیے کرتی ہے۔ ان کی خوشی سے خوش ہوتی اور ان کے دکھ سے خود بھی دکھ پاتی ہے اور اپنے فہم کو مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ کے ماتحت چلاتی ہے:

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث میں ہے:

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، حديث : 6019، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرم الجار والضيف، حديث : 48.

[2] صحيح البخاري، حديث : 6018، و صحيح مسلم، حديث : 47 .

[وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهٖ۔ أَوْقَالَ لِأَخِيهِ۔
مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا حتی کہ اپنے پڑوسی کے لیے...... یا فرمایا اپنے بھائی کے لیے...... وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔''[1]

سمجھدار مسلمان خاتون کی سمجھداری اور ہوشیاری سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ وہ گاہے گاہے اپنے تنگ دست ہمسایوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے، ہدیہ دینے اور ہبہ کرنے کے ساتھ، یا جب کبھی پکانے اور بھوننے کی اس کے گھر سے خوشبو اٹھے، تو وہ اس مزیدار اور لذیذ کھانے کے لیے ان کی خواہش کا احترام کرتی ہے، جبکہ وہ مفلس و تنگدست ہوں اور اس جیسا کھانا تیار کرنے کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں، تو وہ اس میں سے کچھ انہیں بھی بھیج دیتی ہے، اس معاشرتی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے جس پر رسول اکرم ﷺ نے ابھارا ہے اور جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے:

''اے ابوذر! جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال لو اور اپنے ہمسایوں کا بھی خیال رکھو۔''[2]

ایک روایت میں اس طرح ہے:

''جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال لو، پھر اپنے پڑوسیوں میں سے کسی اہل خانہ پر نگاہ ڈالو، تو اس میں سے انہیں بھی کچھ بھیجو۔''[3]

اس کے ساتھ ساتھ مسلم خاتون اس فرمانِ رسول کریم ﷺ کو بھی سنتی ہے:

[مَآ اٰمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ]

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب من خصال الإیمان أن یحب لأخیه، حدیث: (72) 45.

② صحیح مسلم، البر والصلة، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه، حدیث: (142)2625.

③ صحیح مسلم، البر والصلة، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه، حدیث: (142)2625.

''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کرے جبکہ اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہا ہو اور اسے علم بھی ہو۔''①

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی سنتی ہے:

[لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ]

''ایسا شخص مومن نہیں ہے جو خود شکم سیر ہوتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہتا ہے۔''②

ان سے حسن سلوک کرتی ہے

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کسی ایسی نیکی سے لاتعلق نہیں رہتی جسے وہ اپنی ہمسائی کے ساتھ کر سکتی ہے بلکہ اپنی ہمت کے مطابق اس کے ساتھ نیکی کرتی ہے، خواہ وہ بالکل معمولی اور قلیل مقدار ہی میں کیوں نہ ہو، اس سلسلے میں کوئی شرمندگی یا بہتات اور تفاخر کی چاہت آڑے نہیں آتی بلکہ اپنے پاس موجود تھوڑی چیز بھی پیش کرتی رہتی ہے، وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ چیز اس کے لائق نہیں ہے، اسے روکے نہیں رکھتی اتنی دیر کے لیے کہ جب اس کے لائق اور کثیر مقدار میں ہو، تب بھیجوں گی، اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنی ہمسائی کو بہت بڑی بھلائی سے محروم کرے گی اور ایک منتظر آس شدہ چیز کے انتظار میں بیٹھی رہے گی، اور بسا اوقات وہ کثیر مقدار اسے میسر نہیں آتی تو اس طرح وہ عمل صالح اور فعل خیر کے موقع کو ہاتھ سے گنوالے گی، اور یہی وہ بات ہے جس کی رسول اکرم ﷺ نے خواتین کو آگاہی دی ہے:

''اری مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی اپنی ہمسائی کے لیے کوئی چیز حقیر نہ سمجھے، خواہ وہ بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔''③

''بکری کا پایہ'' یہ قلیل مقدار سے کنایہ ہے، یعنی کوئی ہمسائی اس نیکی کو حقیر نہ جانے جو وہ

① الطبراني والبزار بإسناد حسن، ومجمع الزوائد : 167/8. ② الطبراني وأبو يعلى اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد : 167/8. ③ صحيح البخاري، الأدب، باب لاتحقرن جارة لجارتها، حديث: 6017، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بالقليل، حديث: 1030.

اپنی ہمسائی سے کرسکتی ہے، خواہ مقدار میں قلیل ہی ہو، مثلاً: بکری کا پایہ، اور فرمان باری تعالیٰ بھی اس طرح ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾

''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی یوں ارشاد فرمایا ہے:

''آگ سے بچ جاؤ، خواہ کھجور کے کچھ حصے سے ہی سہی، اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو پاکیزہ بول کے ذریعے ہی بچ جاؤ۔''[2]

''بکری کا پایہ'' میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ یہ نہی اس ہمسائی کے لیے بھی ہو جسے کوئی چیز بھیجی گئی ہے کہ وہ اسے حقیر نہ جانے، تو اس احتمال کے پیش نظر معنی یوں ہوں گے: کوئی ہمسائی اس نیکی کو حقیر نہ جانے جو اس کی ہمسائی نے اس کے ساتھ کی ہے، اگرچہ یہ نیکی بالکل ہی قلیل مقدار ہو جیسے کہ بکری کا پایہ ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ اس پر اس کا شکریہ ادا کرے، نیکی پر شکریہ ادا کرنے میں ہمسایوں کے مابین الفت بڑھے گی اور مودت نمو پائے گی، باہمی ہمدردی اور رحم دلی کے جذبات فروغ پائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت تو تسلیم شدہ ہے کہ انسان میں نیکی پر شکریہ ادا کرنا ایک اعلیٰ اسلامی اخلاق ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے تاکیداً بیان فرمایا ہے اور یوں اس کی ترغیب بھی دی ہے:

[لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ]

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔''[3]

اسلام کا ارادہ ہے کہ ہمسایوں کے درمیان موَدت، باہمی محبت اور خیر سگالی کے جذبات

---

[1] الزلزال 7:99. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب طيب الكلام، حديث : 6023، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولوبشق تمرة، حديث : 1017. [3] الأدب المفرد : 310/1، باب من لم يشكر الناس و سنن أبي داود، الأدب، باب في شكر المعروف، حديث : 4811.

فروغ پائیں اور اس مودت، باہمی محبت اور یگانگت کے لیے بے شمار راستے ہیں، ان میں سے ایک تحائف و ہدایا کا تبادلہ بھی ہے، لہٰذا ایک مسلمان خاتون کو جو سمجھداری سے زندگی گزار رہی ہے اس عظیم جذبے سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ہمسائی کو روانہ کرنے والے ہدیہ کو یا ہمسائی کی طرف سے آنے والے ہدیہ کو بنظر حقارت دیکھے کیونکہ اسلام کی نظر میں جذبے کا خلوص، مادی اشیاء پر مقدم ہے۔

ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے میں قریبی، زیادہ قریبی کا خیال رکھتی ہے

اپنی دینی ہدایت کو سمجھنے والی مسلمان خاتون کی ذہانت وفطانت سے وہ اصول اوجھل نہیں رہتے جو اسلام نے ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے کے سلسلے میں مقرر فرمائے ہیں کیونکہ اس نے قریبی، زیادہ قریبی کے اعتبار سے نیکی کرنے کا حکم صادر کیا ہے، اور ہمسایوں کے درمیان قریبی گھر والے کو زیادہ مرتبہ دیا ہے کیونکہ ان کی باہمی الفت، مودت اور اتفاق کو باقی رکھنا زیادہ آسان اور ممکن ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری دو ہمسائی ہیں تو میں کس کی طرف ہدیہ روانہ کروں؟ فرمایا:

''دونوں میں سے قریب تر دروازے والی کی طرف۔''[1]

ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے میں ترجیحات کا اصول یہ مفہوم قطعاً نہیں رکھتا کہ مسلمان خاتون اپنے بعیدی ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے یا ان کا خیال کرنے میں صرفِ نظر کرے بلکہ اس کے گھر کے گردونواح میں موجود تمام صالح مستورات اس کی ہمسائیگی میں داخل ہیں، ان تمام کا اس پر ہمسائیگی کا حق ہے، یہ مذکورہ قریبی ہمسائے کو مقدم رکھنے کا بیان صرف تنظیمی نوعیت کا ہے، اس میں رسول کریم ﷺ نے قریبی ہمسایوں کی نفسیات کا خیال رکھا ہے کیونکہ قریبی ہمسایوں کے درمیان ہی باہم رابطے، جھگڑے اور باہمی معاملات کے رشتے قائم رہتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب حق الجوار في قرب الأبواب، حديث: 6020

سچی مسلمان خاتون بہترین ہمسائی ہوتی ہے

یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون معاشرے میں بہترین ہمسائی ہوتی ہے، وہ اس لیے کہ ہمسائے کے ساتھ احسان کرنا، اس مسلمان خاتون کے وجدان میں ایک عمدہ اسلامی اخلاق کی حیثیت میں موجود ہوتا ہے جس نے اسلام کے منور اخلاق اور اس کے خوبصورت شمائل میں تربیت پائی ہے جو ایک ہمسائی کو اپنی دوسری ہمسائی کے لیے بکثرت احسان کرنے والی بنا دیتے ہیں اور ہمسایوں کے لیے بہترین شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہترین ہوتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساتھیوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہترین ہے اور ہمسایوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے لیے بہترین ہے۔"①

نبوی سیرت نے اس امر کو بڑی تاکید سے بیان کیا ہے کہ نیک ہمسائیگی زندگی میں مسلمان انسان کی سعادت کے ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن ہے کیونکہ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک، خوشگواری، راحت قلبی اور اطمینان کی دولتیں پوشیدہ ہوتی ہیں:

"دنیا میں مسلمان آدمی کی سعادت میں سے یہ چیزیں بھی ہیں کہ نیک ہمسایہ ہو، گھر وسیع ہو اور خوشگوار سواری ہو۔"②

سلف صالحین تو نیک ہمسائیگی کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ لگایا کرتے تھے اور اسے ایسی نعمتوں میں سے شمار کیا کرتے تھے جن کا مال سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور ایسی غنیمتوں میں سے سمجھا کرتے تھے جن کا دنیاوی زندگی کے ساز و سامان میں سے کوئی بھی نعم البدل نہ جانتے تھے، اس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے جسے تاریخ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ایک ہمسائے نے اپنے گھر کا ایک لاکھ درہم میں سودا کر لیا، پھر خریدار سے

---

① سنن الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حق الجوار، حديث: 1944. ② المستدرك للحاكم: 166/4، في كتاب البر والصلة.

کہا: یہ تو گھر کی قیمت ہے، اور تو سعید بن العاص کی ہمسائیگی کی کیا قیمت ادا کرتا ہے؟ تو جس وقت سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس کی طرف قیمت بھیجی اور اسے اس کے گھر ہی میں باقی رکھا۔

یہ ہے منور اور روشن رخ نیک ہمسائیگی کا تو اس کے بالمقابل بری ہمسائیگی کا کیا رخ ہوگا؟

بری ہمسائی نعمت ایمان سے محروم ہوتی ہے

اس کی بدبختی، ناراضی اور نحوست کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نعمت ایمان سے محروم ہوجاتی ہے، جو انسان کی زندگی میں سب سے بڑی اور اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس انسان سے جو اپنے ہمسائے کے ساتھ برائی کرنے کا عادی بن جائے حتیٰ کہ اسے برے ہمسائیوں میں شمار کیا جانے لگے تو اس نعمت ایمان کے الگ ہوجانے کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے ایسی زبردست تاکید سے بیان فرمایا ہے جس میں کوئی رورعایت ہے نہ کوئی نرمی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے ایمان کے ختم ہوجانے پر تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی ہے:

[وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ! لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: مَنْ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ! اَلَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ]

''اللہ کی قسم! وہ آدمی ایمان نہیں رکھتا، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان نہیں رکھتا، اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان نہیں رکھتا، عرض کی گئی: کون یارسول اللہ! فرمایا: جس شخص کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور مکاریوں سے محفوظ نہ رہے۔''[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

[لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ]

''وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور فتنوں سے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب إثم من لم يأمن جاره بوائقه، حديث: 6016.

مامون نہ ہو۔''[1]

غور فرمائیں! یہ کس درجہ بڑا جرم ہے اور اس کا گناہ کس قدر عظیم ہے! جس میں انسان الٹا ہی ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے ہمسائے سے برائی کرنا شروع کر دے، تو اس طرح اس سے ایمان الگ ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے داخلے سے محروم ہو جاتا ہے!

ہمسایوں سے برا سلوک رکھنے والی کے عمل برباد ہو جاتے ہیں

تو جب بری ہمسائی اپنے ایمان ہی سے محروم ہو جاتی ہے جس طرح کہ مذکورۃ الصدر حدیث مبارکہ میں وارد ہے تو پھر اس کے تمام اعمال صالحہ بھی بے کار اور برباد ہو جاتے ہیں، اس روز کے بعد سے اس کی کوئی اطاعت اسے نفع مند نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کوئی عمل صالح ہی اٹھایا جاتا ہے، جب تک وہ اپنے ہمسائیوں کی ایذا دہی میں جاری وساری رہتی ہے کیونکہ تمام اعمال صالحہ کا دارومدار تو ایمان باللہ ہے اور ایمان باللہ صرف ایسا لفظ ہی نہیں ہے جسے زبان ادھر ادھر کرتی رہے بلکہ یہ تو ان اعمال کو کرنے کا ایسا عقیدہ ہے جن کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارادہ رکھتے ہیں تو جس وقت وہ اپنے ہمسائیوں کو ایذا دینے کے عمل کو جاری وساری رکھنے سے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے تو اس کے بعد اس کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کا کوئی عمل قبول ہوتا ہوگا، خواہ کس درجہ کا بھی ہو، اگرچہ ایسی خاتون اپنے دن کی سفیدی اور اپنی شب کی تاریکی اعمال صالحہ میں ہی گزارتی رہے۔

نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! فلاں خاتون راتوں کو قیام کرتی ہے، دنوں کو روزے رکھتی ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتی ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو اذیت بھی پہنچاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس میں کچھ بھی خیر و بھلائی نہیں ہے وہ تو دوزخ والوں میں سے ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا: اور فلاں خاتون صرف فرض نمازیں پڑھتی ہے اور پنیر کے ٹکڑے خیرات کر لیتی ہے لیکن وہ کسی کو اذیت نہیں دیتی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، حديث : 46 .

"وہ اہل جنت میں سے ہے۔"[1]

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے برے ہمسائے کو ان بے نفع لوگوں میں بیان کیا ہے جنہیں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل فرمان گرامی میں محدود کیا ہے:

"تین شخص بے فیض لوگوں میں سے ہیں۔"

- وہ امام (حکمران) کہ اگر تو اس کے ساتھ نیکی کرے تو وہ اس کی قدر نہ کرے اور اگر تو اس کے ساتھ برائی کرے تو درگزر نہ کرے۔
- وہ برا ہمسایہ کہ اگر وہ کوئی اچھائی دیکھے تو اسے دفن ہی کر دے اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اسے اچھال دے۔
- وہ خاتون کہ اگر تو حاضر ہو تو تجھے اذیت پہنچائے اور اگر تو اس سے غائب ہو تو تیری خیانت کرے۔"[2]

وہ رسول اکرم ﷺ کی تنبیہ کو دل میں رکھتی ہے اور اس کی آواز کو اپنے کانوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی:

[أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ]

"روز قیامت سب سے پہلے دو جھگڑنے والے دونوں ہمسائے ہوں گے۔"[3]

اپنے ہمسایوں سے نیکی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی

متقی مسلمان خاتون اپنے ہمسایوں کو اذیت و تکلیف دینے سے ہاتھ روکنے کو ہی کافی نہیں سمجھتی بلکہ وہ مقدور بھر ان کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ہمیشہ جلدی دکھاتی ہے اور وہ ان کی خاطر نیکی، خیر اور معروف کے دروازوں کو کھلا رکھتی ہے، اور ان کے حق میں کوتاہی کا ارتکاب کرنے سے بچتی رہتی ہے جب بھی ان کا خیال رکھنے، ان کا اکرام کرنے اور ان کے

---

① الأدب المفرد: 210/1، باب لا یؤذی جاره، و مسند أحمد :2/440. ② رواه الطبرانی فی الکبیر : 267/18 ورجاله ثقات. ③ مسند أحمد : 151/4 والطبرانی باسناد حسن، ومجمع الزوائد : 170/8 .

ساتھ احسان کرنے کا کوئی داعیہ پیدا ہوتا ہے، اس اندیشے کے ساتھ کہ کہیں وہ فرمان رسول ﷺ اس پر صادق نہ آ جائے جو آپ ﷺ نے کینہ رکھنے والے، بخیل، تنگ ذہن اور کم نیکی کرنے والے ہمسائے کے متعلق بیان فرمایا ہے:

''کتنے ہی ایسے ہمسائے ہوں گے جو قیامت کے روز اپنے ہمسائے کو پکڑے ہوں گے۔ ہر کوئی کہتا ہوگا: اے میرے پروردگار! اس نے میرے لیے اپنے دروازے کو بند رکھا اور اپنی نیکی کو مجھ سے روکے رکھا تھا۔''[1]

کتنا برا انجام ہے! ہمسائے کے لیے کس قدر خسارے والی بات ہے جو اپنے ہمسائے سے نیکی روکنے والا اور کنجوسی برتنے والا ہے! کس درجہ کی خرابی ہوگی جس دن لوگ رب العالمین کے حضور مجرموں کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے!

بلاشبہ اسلام کی نظر میں مسلمان مرد اور عورتیں ایک باہم جڑی ہوئی بلند ترین عمارت ہیں، جس کی اینٹیں اس امت کے افراد ہیں، ہر ایک اینٹ کو مضبوط، ایک دوسری سے باہم جڑی ہوئی اور باقی اینٹوں کے ساتھ انتہائی ربط میں ہونا چاہیے تاکہ عمارت کی مضبوطی، قوت اور پختگی حد درجہ کی بنتی جائے وگرنہ وہ عمارت کمزوری، دراڑوں اور منہدم ہونے کے لیے بالکل قریب ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنی اینٹوں کو مضبوط تعلق میں رکھنے کے لیے روحانی غذا کو وافر مقدار میں فراہم رکھنے کے لیے مکمل احاطہ کیا ہوا ہے، جو ان کی باہمی پکڑ، ایک دوسرے کا سہارا بننے اور باہمی مضبوطی کی حفاظت کرتا ہے، تاکہ مسلمانوں کی عمارت قوی سے قوی تر رہے، آفاتِ زمانہ کے عوارض اسے کسی طرح کا گزند اور خراش نہ پہنچا سکیں اور زمانے کی سختیاں اس کے اندر کو ہلا نہ سکیں۔

مسلمان مردوں اور عورتوں کی باہمی مضبوطی، ان کی آپس کی کفالت اور باہمی سہارا بننے کی صلاحیتوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی میں کس قدر عمدہ تمثیل میں ذکر کیا گیا ہے:

---

[1] الأدب المفرد: 200/1، باب من أغلق بابه على الجار.

[اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا]

''مومن، مومن کے لیے عمارت کی مثل ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔''[1]

اس فرمان گرامی میں:

[مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِذَا اشْتَكَىٰ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّىٰ]

''اہل ایمان کی باہمی محبت، باہمی رحمدلی اور باہمی لطف وکرم کی مثال ایک جسم کی مثل ہے، جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کا باقی جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''[2]

بلاشبہ دین اسلام، افراد کے باہمی تعلق کا اس درجہ اور عجیب تعلق کا حریص ہے، جو بدیہی ہے کہ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط ومستحکم بنائے رکھے اور اس تعلق کو مودت، نیکی، باہمی یگانگت اور حسن معاملہ کی پختہ مضبوط بنیادوں پر استوار رکھے۔

اپنی ہمسائیوں کی اذیتوں پر صبر کا دامن تھام کر رکھتی ہے

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی ہے، وہ اپنی ہمسائیوں کی اذیت پر صبر کرنے والی ہوتی ہے۔ ان کی برائیوں کا مقابلہ ان کی مثل سے نہیں کرتی۔ اگر ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو غصے سے آگ بگولا نہیں ہوتی۔ ان کی لغزشوں، تقصیروں اور خطاؤں کو ان کے سامنے شمار نہیں کرتی رہتی بلکہ اس کا نفس عفو و درگزر کو اختیار کرتا ہے۔ اپنے صبر، عفو و درگزر کرنے پر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضا، حديث: 6026، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، حديث: 2585. ② صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6011، و صحيح مسلم، حديث: 2586.

امید رکھتی ہے اور یہ یقین رکھتی ہے کہ اس کا عفو و درگزر کرنے والا عمدہ ترین موقف اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کی محبت اور رضوان کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنے گا، اس پر وہ حدیث شاہد عدل کے طور پر پیش خدمت ہے جسے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس وقت بیان کیا تھا جس وقت مطرف بن عبداللہ آپ سے ملے تھے، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے یہ عرض کی تھی:

''اے ابوذر! مجھے آپ کی طرف سے ایک حدیث پہنچی ہے، بنابریں میں آپ کی ملاقات کا متمنی تھا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع تو عطا فرما دیا ہے، آپ کی ملاقات تو ہوگئی ہے۔ پھر میں نے عرض کی: ایک حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے بیان کی تھی، فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ ثَلَاثَةً وَّيُبْغِضُ ثَلَاثَةً]

''اللہ تبارک وتعالیٰ تین افراد سے محبت اور تین افراد سے بغض رکھتا ہے۔''

فرمایا: اس میں یہ خیال نہ کرنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں گا، میں نے عرض کی: اچھا ذرا فرمائیے، وہ تین افراد کون سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں؟ فرمایا:

[رَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ]

''ایک وہ آدمی جو فی سبیل اللہ صبر کا دامن تھامتے ہوئے ثواب کی امید رکھتے ہوئے لڑائی کرتا ہے، قتال کرتا ہے حتی کہ وہ شہید ہو جاتا ہے۔''

تم اس بات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی پاتے ہو، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''[1]

میں نے عرض کی اور دوسرا شخص کون ہے؟ فرمایا:

''ایسا آدمی جس کا کوئی برا ہمسایہ ہو جو اسے اذیت پہنچاتا ہو اور یہ اس کی اذیتوں پر صبر کرتا ہو حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے زندگی میں یا موت کے ساتھ کافی ہو جائے۔''[2]

---

① الصف 4:61. ② مسند أحمد: 153/5 والطبرانی بإسناد صحیح، و مجمع الزوائد: ◄◄

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس کو اسلام نے مہذب بنادیا ہے اور اس کے جذبات وخیالات کو جلابخشی ہوئی ہے، ہمسایوں کی ایذارسانی پر صبر کرنا اس کے اخلاق میں شامل ہوتا ہے، جس قدر بھی اس میں استطاعت موجود ہوتی ہے، اور ان کی ایذارسانی کو بہترین انداز سے دفع کرتی ہے، وہ اپنے صبر اور بہترین کردار کے ساتھ ہمسائے کے ساتھ حسن معاملہ کرنے میں ان کے لیے ایک بہترین مثال بنتی ہے اور ان کے نفوس میں دھنسی ہوئی برائی کی جڑوں، بغض کی گدلاہٹ اور عداوت وکینہ پروری کے میلانات کو جڑوں سے اکھیڑتی ہے، ان تمام امور کے ساتھ ساتھ وہ نبی اکرم ﷺ کی اس سیرت وہدایت کو اختیار کرتی ہے جو اس طرح فرما رہے ہیں:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ......]

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔''[1]

یہ بات بھی ذہن میں تازہ کرلیں کہ ہمسائیوں کو بعض خواتین سے جو اپنی راہ راست کو گم کر بیٹھتی ہیں ایسی باتیں سننا پڑتی ہیں کہ جب ان کا کوئی بچہ ہمسائیوں کے بچے کے ساتھ لڑتا جھگڑتا ہے، جس پر وہ اپنی آنکھوں کو بند کرلیتی ہیں اور اپنی ہمسائیوں پر غیر موزوں کلام، تلخ باتیں اور تکلیف دہ سب وشتم کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں، ہمسائیگی کے تمام تر رشتوں کو دیوار پر پھینک مارتی ہیں، غصے کے لمحے میں باہمی قربت، مودت اور باہمی معاشرت کے تعلقات کو توڑ ڈالتی ہیں، وہ یہ بات اچھی طرح سن لیں کہ ایسی مستورات ہمسائے کے معاملے میں اسلامی ہدایات کو پس پشت ڈال کر ان کی مخالفت کرتی ہیں اور اپنے نفسوں کے لیے بری ہمسائی کہلوانے پر رضامند ہوجاتی ہیں۔

تہذیب یافتہ صبر وحلم، بردباری وسنجیدگی اور خوش اسلوبی سے آراستہ ہمسائیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس کرنی چاہیے جو اپنی ہمسائیوں کی برائیوں کا جواب ویسے ہی نہیں دیتیں، وہ اس لیے کہ وہ ایسی نیک ہمسائیاں ہیں جن کے بہترین حکیمانہ کردار کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الأخر فلايؤذ جاره، حديث : 6018. ‹‹ 171/8.

باب: 9

مسلمان خاتون اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ

ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھتی ہے

سچی مسلمان خاتون کے رابطے اور اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ تعلقات، دیگر عورتوں کے معاشرتی تعلقات اور رابطوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بہنوں کے ساتھ تعلقات اور اپنے رابطوں کو ''الحب للہ والبغض فی اللہ'' کی مستحکم بنیاد پر استوار رکھتی ہے۔ ''اللہ کے لیے محبت رکھنا اور اللہ کی خاطر بغض رکھنا'' بلند ترین رابطہ ہے جو دو انسانوں کے مابین ہوسکتا ہے، خواہ مرد کے درمیان ہو یا عورت کے درمیان اور یہ رابطہ ایمان باللہ کا رابطہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمان ذیل میں اپنے تمام ایمان دار بندوں کے درمیان باندھا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾

''سوائے اس کے نہیں سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''[1]

ایمانی بھائی چارہ دلوں کے درمیان رابطوں میں سے سب سے مضبوط رابطہ ہے اور نفوس کی کڑیوں میں سے سب سے پائیدار کڑی ہے اور عقلوں اور روحوں کے تعلقات میں سے سب سے بلند ترین تعلق ہے۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ہم ایسی بہنوں کو دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والیاں ہیں کہ وہ انتہائی مضبوط، مستقل اور پائیدار تعلق پر...... یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے کی بنیاد پر...... قائم رہتی ہیں اور یہ انسانی زندگی میں

[1] الحجرات 49:10 .

سب سے بلند، سب سے پاکیزہ اور سب سے صاف شفاف محبت ہے۔ یہ ایسی محبت ہے جو ہر منفعت سے خالی، ہر غرض سے مبرا اور ہر طرح کے شائبے سے پاک صاف ہے، کیونکہ وہ اپنی صفائی، اپنی شفافیت اور اپنی ستھرائی کو وحی کے سرچشمے سے توانائی فراہم کرتی اور نبوی ہدایت سے فیض یاب کرتی ہے اور وہی پاکیزہ محبت ہے جس میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان کی حلاوت وشیرینی کو پاتی ہیں:

''تین باتیں جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ایمان کی حلاوت کو پا لے گا:

① اللہ اور اس کا رسول اسے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔

② کسی دوسرے شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے۔

③ کفر میں واپس لوٹنے کو، جس سے اسے اللہ تعالیٰ نے بچالیا ہے، اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والیوں کا مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والے اور محبت کرنے والیوں کا مقام ومرتبہ، عزت و رفعت اور شان واکرام یہی کافی ہے کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے اللہ رب العزت ان پر خصوصی توجہ فرمائے گا اور انہیں پکارے گا:

''میرے جلال کے باعث باہم محبت رکھنے والے کدھر ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں سایہ فراہم کروں گا جس دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔''[2]

تو یہ کس درجہ عظیم شرف ومنزلت ہے! اور کس قدر بلند ترین مقام ومرتبہ ہے؟ اور کس قدر اعلیٰ قدر ومرتبہ ہے! جسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر محبت رکھنے والے اور محبت رکھنے والیاں پائیں گی جس دن ہولناکی، سختی، شدت اور کرب عظیم ہوگا۔

---

① صحيح البخاري، الإيمان، باب حلاوة الإيمان، حديث : 16 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الايمان، حديث : 43. ② صحيح مسلم، البروالصلة، باب فضل الحب في الله، حديث : 2566.

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کہ میں نے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

[قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَّنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَآءُ]

''اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: میرے جلال کی وجہ سے محبت رکھنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے جن کی انبیاء اور شہداء بھی تمنا کریں گے۔''[1]

بلکہ اس بات میں بھی کوئی تعجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مکرم و معزز بندوں کو ایسی نعمتیں بھی عنایت فرمائے گا جو اس مرتبے اور اس انعام سے بھی کہیں بڑھ کر، کہیں عظیم تر اور کہیں بلند تر ہوں گی، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بلند ترین اور پیاری ترین محبت عطا فرمائے گا جس کے لیے بندوں کی گردنیں بھی کاٹی جاسکتی ہیں، جس کے سامنے دنیا و آخرت کی ان کی خواہشات کی حلاوتیں بھی ہیچ ہیں اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ روایت فرماتے ہیں:

''ایک آدمی نے اپنے کسی بھائی کی جو دوسری بستی میں تھا، زیارت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو کھڑا کردیا، جب وہ اس کے پاس پہنچا تو بولا: تو کدھر جا رہا ہے؟ اس نے کہا: میں اپنے اس بھائی کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہوں جو اس بستی میں رہتا ہے، وہ بولا: کیا تیرا اس پر کوئی احسان ہے جسے تو اس پر قائم رکھنے جا رہا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں، میں تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھتا ہوں، وہ فرشتہ بولا: میں تو تیرے لیے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور تجھے یہ بتانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے ویسے ہی محبت کرتا ہے جس طرح تو اس کی ذات کی خاطر اپنے اس بھائی سے محبت رکھتا ہے۔''[2]

---

[1] سنن ترمذی، الزهد، باب ماجاء في الحب في الله، حديث : 2390. [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الحب في الله، حديث : 2567.

انسان کے لیے یہ محبت کس درجہ باعث برکت ہے! جو انسان کو اس درجے تک بلند کر دیتی ہے جس میں وہ محبتِ الٰہی اور رضوانِ ایزدی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ اس طاہر و منزہ، صاف شفاف محبت کے اثر کا ادراک فرما رہے ہیں جو انسانی معاشروں کی تقویت، ان کی بلندی اور خوش بختی کا ضامن ہے، آپ ﷺ کوئی ایسا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس میں آپ مسلمانوں کو باہمی محبت رکھنے، باہم قریب کرنے اور دلوں کی صفائی پیدا کرنے کے لیے دیکھتے تھے، آپ ﷺ فوراً انہیں باہمی محبت کو جتانے اور علانیہ بیان کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ دلوں کے بند خانے بھی کھل جائیں اور نفوس میں مودت والفت اور پاکی کو مزید جلا ملے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اچانک آپ کے پاس سے ایک اور شخص گزرا، وہ بولا: یارسول اللہ! میں اس شخص سے محبت رکھتا ہوں، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو نے اسے بتایا ہے؟ وہ عرض کرنے لگا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے بتا، چنانچہ یہ اسے جا کر ملا اور بولا: ''میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھتا ہوں۔'' تو وہ بولا: ''تجھ سے اللہ تعالیٰ محبت کرے جس کی خاطر تو نے مجھ سے محبت کی ہے۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ بذات خود یہ عمل کیا کرتے تھے، مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے کہ وہ کس طرح محبت و پیار اور بھائی چارے کی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر کر سکتے ہیں، آپ ﷺ نے ایک روز سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر فرمایا: ''اے معاذ! اللہ کی قسم! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔'' پھر اے معاذ! میں تجھے یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ پڑھنا مت چھوڑنا:

[اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ]

''اے اللہ! تو اپنا ذکر کرنے، اپنا شکریہ ادا کرنے اور اپنی اچھی عبادت بجالانے پر

① سنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يحب الرجل على خير يراه، حديث: 5125.

میری مدد فرما۔‘‘[1]

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اس پاکیزہ محبت کی مہک و خوشبو کو مسلمانوں کے مابین پھیلانے کے لیے دیارِ اسلام میں جاتے ہیں، پھر انہیں وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت فرمائی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی خاطر محبت کرنے والوں کے لیے انتہائی زیادہ اجر و ثواب تیار فرمایا ہوا ہے، اور اس کی محبت تو سب سے بڑی چیز ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ’’موطا‘‘ میں صحیح اسناد سے ابوادریس خولانی رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کی ہے، کہتے ہیں:

’’میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں ایک چمکیلے دانتوں والا نوجوان ہے، جس کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جب ان میں کوئی اختلاف بڑھ جاتا تو اس کے پاس لاتے ہیں، اور اس کی رائے دریافت کرتے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا: یہ ہیں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو جب اگلا روز ہوا تو میں صبح سویرے ہی آن پہنچا، تو میں نے آپ کو اپنے سے پہلے ہی پہنچا ہوا پایا، میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، تو میں نے آپ کے نماز پوری کرنے کا انتظار کیا، پھر میں آپ کے چہرے کے سامنے سے حاضر ہوا، سلام کہنے کے بعد یوں عرض پرداز ہوا:

’’اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔‘‘

تو فرمانے لگے: کیا اللہ کی قسم! میں نے عرض کی: جی اللہ کی قسم!

پھر فرمانے لگے: کیا اللہ کی قسم! میں کہا: جی ہاں اللہ کی قسم!

تب آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے میری چادر کے کنارے سے پکڑا، اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: خوش ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہو جاتی ہے جو

---

[1] مسند أحمد: 245/5 بإسناد صحيح، وسنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1522.

میری وجہ سے باہم محبت رکھنے والے ہیں، جو میری ذات کی وجہ سے مل کر بیٹھنے والے ہیں، جو میری ذات کی خاطر ایک دوسرے کی ملاقاتیں کرنے والے ہیں اور جو میری ذات کی خاطر باہم خرچ کرنے والے ہیں۔"[1]

مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کے لیے محبت رکھنے کے اثرات

یقیناً اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے تاکہ ایسا اعلیٰ وارفع معاشرہ تشکیل دے جو محبت بھائی چارے اور باہم خیر خواہی و خیر سگالی کے جذبات پر قائم ہو، تو اس کے لیے ضروری تھا کہ ان افراد کے دلوں میں محبت کو بوئے جن سے مل کر معاشرہ تشکیل پاتا ہے، اسی لیے اسلام نے ایمان دار مردوں اور ایمان والی خواتین کے درمیان اس محبت کو ایمان کی شروط میں سے ایک شرط قرار دیا ہے۔ جس کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوں گے، یہ بات اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب کہ تم ایماندار نہ بن جاؤ، اور تم ایمان دار نہیں بن سکتے جب تک تم باہم محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی چیز کی رہنمائی نہ کردوں کہ جب تم وہ کرنے لگو تو تم باہمی محبت کرنے لگ جاؤ گے؟ آپس میں "سلام" کو عام کرلو۔"[2]

اسی صاف وشفاف محبت کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں اور عورتوں کی اس مختصر سی جماعت کے نفوس کی تعمیر فرمائی تھی، جو اس مضبوط بنیاد پر قائم رہے جس پر اسلام کا عالی شان اور بلند و بالا محل کھڑا ہے جو لوگ بشریت کے سیاہ آسمان پر جگمگاتے ستارے ہیں جنہوں نے امتوں اور قوموں کے لیے راستے کو منور و روشن بنا دیا ہے۔ اسی صاف شفاف اور سچی محبت کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مثالی انسانی معاشرہ

---

① الموطأ: 953/2 الشعر، باب ماجاء في المتحابين في الله. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لايدخل الجنة الاالمؤمنون۔ حديث: 54.

قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جو اخوت ایمانی کی بنیادوں پر استوار تھا جو اپنی پختگی و پامردی میں اور جہاد کے نتائج اور قربانیوں کو پیش کرنے کی ہمتوں کو قبول و برداشت کرنے میں ایک شاہکار تھا تاکہ اسلام کو آفاق عالم میں پھیلایا جاسکے اور اس کے جھنڈوں کو مشرق و مغرب میں گاڑا جاسکے بالکل اسی طرح یہ معاشرہ اپنی باہمی رواداری، یگانگت اور خیر سگالی کے جذبات میں بھی ایک شاہکار تھا جس کی رسول اللہ ﷺ نے خوبصورت ترین اور اعلیٰ ترین صورت اس طرح متعین فرمائی تھی:

''مومن، مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔''[1]

اور اپنے اس فرمان گرامی میں بھی:

''اہل ایمان کی باہمی محبت، باہمی رحم دلی اور باہمی ہمدردی کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''[2]

اپنی بہنوں سے قطع تعلق نہیں ہوتی

اپنے دینی احکامات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون کے دل و دماغ سے یہ امر اوجھل نہیں ہوتا کہ جس اسلام نے باہمی بھائی چارے، باہمی محبتوں اور ہمدردیوں کی ترغیب دی ہے بالکل اسی نے آپس میں قطع تعلقی، بے رخی اور ترک موالات کو بھی حرام قرار دیا ہے اور اس بات کو تاکیدًا بیان کیا ہے کہ عارضی پریشانیاں سچی اور اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والیوں کے درمیان جدائی نہیں ڈال سکتیں، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر محبت کے رشتے اس بات سے کہیں مضبوط، قوی اور پائیدار تر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کے

① صحیح البخاري، الأدب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضا، حدیث : 6026، و صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنین، حدیث : 2585. ② صحیح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث : 6011، و صحیح مسلم، حدیث : 2586.

درمیان پہلا گناہ ہی ان میں جدائی ڈالنے میں کامیاب ہو جائے، اس بات کی شہادت فرمان رسول ﷺ اس طرح دے رہا ہے:

''اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی میں یا اسلام میں دو محبت کرنے والے ایسی محبت نہیں رکھیں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے سرزد ہونے والا پہلا گناہ ہی دونوں میں جدائی ڈال دے۔''[1]

بعض اوقات ضعف بشری کے لمحات میں عورت کے نفس پر غضب و غصے کا حملہ قدرے تیز ہو جاتا ہے تو ان میں سے دوسری کے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے اور بسا اوقات یہی غصہ اور اشتعال دونوں کے درمیان مقاطعہ کا باعث بھی بن جاتا ہے، دریں صورت یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان خاتون سے یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ اسلامی ہدایات، انسانی نفس کی طبیعت سے غافل نہیں ہے کہ وہ اشتعال، جذباتی حملوں اور تقلبات کا شکار بن سکتی ہے، تو ایسی صورت حال میں اسلام نے اس کی ایک حد بھی مقرر کر دی ہے جس حد میں انسانی نفس اپنے اشتعال سے واپس لوٹ سکتا ہے اور جس میں غصے کی آواز خاموش ہو سکتی ہے، تو اس نے اس کے لیے تین دنوں کو مقرر کیا ہے، باہم نزاع کرنے والوں کے لیے ان تین ایام سے آگے گزرنے کو حرام ٹھیرایا ہے کہ وہ مصالحت اور اتفاق کی طرف پیش قدمی نہ کریں، اس ضمن میں رسول اکرم ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''کسی بھی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ دونوں باہم ملاقات کریں، پھر ایک ادھر کو منہ پھیر لے اور دوسرا اُدھر کو رخ کر لے، ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''[2]

---

[1] الأدب المفرد : 493/1 باب هجرة المسلم. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب السلام للمعرفه، حديث : 6237، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام، حديث : 2560.

لفظ ''کسی بھی مسلمان'' سے بالکل واضح ہے کہ یہ ہر مسلمان کو شامل ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ایسی تمام شرعی تکلیفی نصوص میں، جو دنیائے اسلام میں خاندان اور معاشرے کی زندگی کو منظم کرتی ہیں، دونوں یکساں ہی مراد ہیں۔

وہ یہ بات جانتی ہے کہ ان میں سے بہتر وہی ہوگی جو سلام کہنے میں پہل کرے گی، اگر تو اس کی بہن اس کے سلام کا جواب دے دے تو مصالحت کے اجر وثواب میں دونوں ہی شریک ہوں گی اور اگر وہ اس کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والی قطع تعلقی اور ہجران کے گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گی اور سلام کا جواب نہ دینے والی ہی صرف گناہ لے کر لوٹے گی، اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف اسلام نے ہدایت فرمائی ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح موجود ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

''کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دنوں سے زیادہ کسی مومن کو چھوڑے رکھے، تو جب تین دن گزر جائیں تو چاہیے کہ وہ اسے ملے پھر اسے سلام کہے، تو اگر وہ اسے سلام کا جواب دے دے تو وہ دونوں اجر وثواب میں شریک ہو گئے، اور اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والا قطع تعلقی کے گناہ سے پاک وصاف ہو گیا۔''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بھی فرمایا ہے:

[مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ]

''جس نے اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھا تو وہ اس کے خون بہانے کے برابر ہے۔''[2]

اسلامی شریعت میں مقاطعہ اور ہجران کا جرم کس قدر گھناؤنا ہے اور اس کے مرتکب پر اس

---

① الأدب المفرد: 505/1 باب إن السلام يجزى من الصوم، و سنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل اخاه، حديث: 4912. ② الادب المفرد: 497/1 باب من هجر اخاه سنة۔ سنن أبي داود، حديث: 4915.

کے گناہ کا بوجھ کس قدر ثقیل ہے! حتی کہ اس کو حلال خون بہانے کے برابر قرار دیا جا رہا ہے۔
وہ اس لیے کہ تربیت نفوس میں اسلام کا منہج محبت، باہم بھائی چارے، باہم قربت و نزدیکی اور باہم الفت و مودت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی سے باہمی بغض و حسد اور بے رخی کو جڑ سے ختم کرنے کا متمنی ہے، اور اس بات پر کسی صورت راضی نہیں ہوتا کہ ان حقیر اخلاق و عادات میں سے کوئی چیز جو اخوت ایمانی سے دور لے جانے والی ہے ان کی زندگی کی صفائی ستھرائی کو مکدر بنا دے، یہی وجہ ہے کہ جب سے سطح ارضی پر انسان کا وجود ظاہر ہوا ہے اسلام کی ہدایت کے اعلیٰ ترین اور عمدہ ترین منہج اس کے کانوں سے ٹکراتے رہے ہیں جنہیں بشریت جانتی پہچانتی آئی ہے:

''ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے سے بے رخی نہ برتو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ رکھو، بھائی بھائی بن جاؤ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔''[1]

اور یہ فرمان گرامی:

''خاص طور پر بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، لوگوں کے عیوب کی کرید نہ کرو، نہ ہی جاسوسی کرو، اور نہ باہم مقابلے بازی کرو، اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ باہم بغض رکھو، نہ ہی بے رخی کا برتاؤ کرو، بلکہ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔''[2]

اس مسلمان خاتون کو چاہیے جس کے جذبات و احساسات کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہے کہ وہ نبوی ہدایت کی ان نصوص پر غور و فکر کرے، جو ساری کی ساری مکارم اخلاق پر مشتمل ہیں یعنی باہمی محبت، رواداری، مودت، بھائی چارہ، خیرسگالی، رحمدلی اور ایثار وغیرہ پر، اس

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس، حديث : 2563.
② صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، حديث : 6064، و صحيح مسلم، حديث : 2563/28.

کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے سینے کو بغض وعناد میں لپیٹے رکھے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ وہ قطع تعلقی پر مصر رہے، بغض وعناد پر قائم اور قطع تعلقی پر مصر تو صرف وہی عورت رہ سکتی ہے جس کے دل میں مرض، جس کے نفس میں کنجوسی، جس کے اخلاق میں الجھاؤ اور جس کی عقل میں فتور ہو۔ جبکہ مسلمان خاتون تو ان حقیر وذلیل عادات واعمال سے مکمل طور پر دور رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سخت دل والوں، کم عقل والوں، مردوں اور عورتوں کے لیے جو اس حکیمانہ ہدایت سے کجی اختیار کرنے والے ہیں، جن کے نفوس اس کی سخاوت، نورانیت اور فیض سے محروم رہنے والے ہیں اور جو اپنی قطع تعلقی اور ہجران پر مصر رہنے والے ہیں، وعیدیں بھی وارد ہیں، ان کی آخرت کے لیے دھمکیاں موجود ہیں، ان سے رحمتِ ایزدی اور بخششِ الٰہی دور رہے گی اور ان کے لیے ابوابِ بہشت بند ہی رہیں گے اور یہ باتیں مندرجہ ذیل فرمانِ رسول اکرم ﷺ میں موجود ہیں:

''سوموار اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا بخش دیا جاتا ہے مگر وہ آدمی کہ جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ وبغض موجود ہو، تو فرمایا جاتا ہے ان دونوں کو مہلت دے دو حتیٰ کہ دونوں صلح کرلیں، ان دونوں کو ڈھیل دے دو تا آنکہ صلاح کرلیں، ان دونوں کو وقت دے دو حتیٰ کہ دونوں باہم صلح کرلیں۔''[1]

بزرگ صحابی سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کیا میں تمہیں وہ چیز بیان نہ کروں جو تمہارے لیے صدقات وصیام سے بہتر ہے؟ (اور وہ ہے) باہم صلاح وصفائی رکھنا، خبردار یہ بھی یاد رکھو کہ باہمی ناراضی تو اجروثواب کو ختم کردینے والی چیز ہے۔''[2]

اس بزرگ صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی یہ بات اس حدیث رسول ﷺ سے اخذ کی

---

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن الشحناء، حديث: 2565 . ② الأدب المفرد 505/1: باب الشحناء.

ہے، جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ ہی سے روایت کیا ہے:

''کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتادوں جو درجے میں روزوں، نماز اور صدقے سے بھی افضل ہے۔ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: باہم تعلقات کو بہتر رکھنا، بلاشبہ آپس میں تعلقات کو بگاڑنا تو مونڈ دینے والی چیز ہے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

[هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ]

''یہ مونڈ دینے والی چیز ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دینے والی ہے بلکہ یہ تو دین کو مونڈ دینے والی ہے۔''[2]

ان کی غلطیوں سے درگزر کرتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس کو ہدایتِ اسلام پلا دی گئی ہے اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے درگزر کرنے والی ہوتی ہے، وہ اپنے سینے میں بغض، نفرت اور خفگی و ناراضی کو چھپائے نہیں رکھتی، اگر اسے اپنی کسی بہن کی طرف سے کوئی غصہ بھی آ جائے تو اپنے غصے کو پی جاتی ہے اور اپنی خطا کار بہن کو معاف کر دیتی ہے اور وہ بھی بڑی کشادہ روئی، فراخدلی اور بڑی آسانی کے ساتھ، اس معافی کا اعلان کرنے میں وہ اپنے نفس میں کوئی گھٹن نہیں پاتی اور نہ ہی کسی ذلت و بے عزتی کا احساس دامن گیر رکھتی ہے بلکہ وہ تو اپنی اس معافی میں جسے اپنے سخی دل سے اٹھا رہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے احسان و نیکی کی خواہش مند ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جانب سے پسند فرماتا ہے اور انہیں اس کے عوض میں اپنا قرب نصیب فرماتا ہے:

﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

''غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''[3]

---

① سنن الترمذی، صفة القيامة، باب(56) حديث: 2509. ② سنن الترمذی، حديث: 2509. ③ آل عمران 3:134.

بلاشبہ غضب وغصے کی ہنڈیا نفس انسانی میں جوش مارتی ہے اور اس کے صاحب کو دبا لیتی ہے اور وہ اگر اس کے اوپر عفوو درگزر کا پانی نہیں چھڑکتے تو یہی کیفیت دشمنی، بغض اور کینہ میں تبدیل ہو جاتی ہے تو یہ صورت حال انسان پر غصے سے بھی بڑھ کر مشکل اور خطرناک بن جاتی ہے، لیکن جب انسان اس کے اوپر عفوو درگزر یا بخشش کا پانی بہا دیتا ہے تو وہ غصے کے انگارے کو بجھا دیتا ہے اور نفس کو کینے، بغض اور خفگی کے میل کچیل سے دھوڈالتا ہے اور یہی وہ احسان کا مرتبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے جو بھی اس کے ایماندار بندوں میں سے اس کی جانب رسائی کریں گے:

''اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''[1]

وہ مسلمان خاتون جسے اسلام نے محسنین میں شامل کر کے اس اس طرز پر اپنی ہدایت پر ڈھال لیا ہے، وہ غیظ وغضب کو محفوظ نہیں رکھتی جو اس کے سینے میں جوش مارتا اور بھڑکتا ہے، کیونکہ جوش مارنے والا غیظ وغضب تو اس کے نفس پر ایک بھاری بوجھ بنا رہتا ہے اور ایک آگ کی لپٹ اور دھواں ہوتا ہے جو قلب کو جھلسا دیتا ہے، بلکہ وہ عفوو درگزر اور بخشش کرنے میں جلدی سے کام لیتی ہے۔ تب وہ اپنے دل میں طمانیت کی ٹھنڈک کو اترتا ہوا محسوس کرتی ہے، راحت، سلامتی اور رشک کی بہاریں اس کے ضمیر ووجدان کو ڈھانپ لیتی ہیں۔

اس مشکل اخلاقی چوٹی پر چڑھنے میں مسلمان خاتون کی مدد اس کا یہ احساس وادراک کرتا ہے کہ خطاکار مسلمان بہن سے درگزر کر لینے سے اسے ذلت اور عار لاحق نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عزت ورفعت میں مزید اضافہ ہی ہوگا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

[مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ]

''اللہ تعالیٰ معافی دینے سے کسی بندے کو عزت ہی زیادہ دیتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید بلندی عطا فرماتا ہے۔''[2]

---

[1] آل عمران 134:3. [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588 .

بلاشبہ وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایت کی ٹھنڈی بہاروں اور ہواؤں میں ٹھنڈک کا احساس پالیا ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے دل میں کسی کے خلاف کینے، بغض اور شدید عداوت کے آثار رہ جائیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت اور اس کی رضوان میں ان ناپاک گندگیوں کے مقابلے میں معافی کی قدر و قیمت، دل کی صفائی اور نفس کی ستھرائی کا مکمل طور پر ادراک کر لیتی ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

''تین باتیں جس شخص میں نہ ہوں گی، اس کے علاوہ اس میں جو کچھ بھی ہوگا اگر وہ چاہے گا تو اسے معاف فرما دیا جائے گا:

① مرتے دم تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

② جو شخص جادوگر نہ ہو کہ وہ جادوگروں کی پیروی کرتا ہو۔

③ جو شخص اپنے بھائی کے خلاف بغض و کینہ نہ رکھتا ہو۔''[1]

ان سے خندہ پیشانی سے ملتی ہے

راست باز مسلمان خاتون خندہ رو، روشن خطوط والی، منور چہرے والی اور ہنس مکھ مزاج والی ہوتی ہے، جب بھی بہنوں سے ملتی ہے تو خندہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ان کی طرف بڑھتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اس فرمان گرامی میں خواہش مند ہیں:

[لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ]

''کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جان خواہ تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

کیونکہ خندہ پیشانی سے ملنا ایک اچھی خوبی ہے جس پر اسلام نے ترغیب دلائی ہے، جسے اسلام نے انسان کے لیے ایک قیمتی زیور قرار دیا ہے، جو دنیا میں لوگوں کی محبت کو حاصل

① الأدب المفرد : 505/1 باب الشحناء. ② صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث : 2626.

کرنے کا ایک ذریعہ ہے، جسے اسلام نے ان اعمال صالحہ میں سے رکھا ہے جن کے ذریعے اجر وثواب اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ خندہ روئی عموماً اور غالباً دل کی صفائی اور باطن کی ستھرائی پر دلالت کرتی ہے اور اسی صفائی وستھرائی کی اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں میں حرص وتمنا کی ہے اور اسے ہمیشہ کے لیے اختیار کرنے کی تلقین کی ہے، حدیث مبارکہ ہے:

[تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ]

''تیرا اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔''①

اور خود رسول اکرم ﷺ بھی خندہ رو تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ہنس مکھ رہا کرتے تھے، جب بھی آپ کی نگاہ ان پر پڑا کرتی تھی ان کے سامنے تبسم فرمایا کرتے تھے، جس طرح کہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو منکشف فرماتے ہیں:

''جب سے میں اسلام لایا ہوں رسول اللہ ﷺ نے مجھے روکا نہیں ہے اور جب بھی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا ہے آپ نے تبسم فرمایا ہے۔''②

بلاشبہ اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ چاہتا ہے کہ ان کے درمیان محبت و پیار کے رشتے بندھے رہیں، اخوت کے رابطے مضبوط ومستحکم رہیں، اسی لیے تو اس نے ان کے لیے سلام کو پھیلانے کو محبوب رکھا ہے، اور خندہ روئی، نرمی گفتار اور بہترین ملنساری کو پسند فرمایا ہے۔

ان کی خیر خواہی کرتی ہے

راست باز مسلمان خاتون کی اچھی عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مکمل طور پر خیر خواہ ہوتی ہے اللہ کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے سربراہوں کی اور عام مسلمانوں کی،

① سنن ترمذی، البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف، حديث: 1956. ② صحيح البخاري، الأدب، باب التبسم والضحك حديث: 6089، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل جرير بن عبدالله رضي الله عنه، حديث: 2475.

جس طرح کہ صحیح حدیث مبارکہ میں وارد ہے:

[اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ]

''دین خیر خواہی کا پیکر ہے، ہم نے عرض کی: کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمان سربراہوں کے لیے اور ان کی عوام کے لیے۔''[1]

مسلمان خاتون کی یہ عادت اسے اپنی بہنوں کی خیر خواہی کرنے والی بنا دیتی ہے، وہ ان کو دھوکا دیتی ہے اور نہ ہی ان سے فریب کرتی ہے اور نہ ہی ان سے خیر و بھلائی کو سمیٹتی لپیٹتی ہے، اور جس وقت وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے خیر خواہی کا معاملہ کرتی ہے تو ازراہ اظہار تعلق نہیں کرتی اور نہ ہی معاشرتی خوش خلقی کے طور پر کرتی ہے بلکہ اس اعتقاد سے کرتی ہے کہ خیر خواہی تو اسلام کے ان بڑے بڑے قواعد وضوابط میں سے ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے جن پر اولین مسلمان، رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کیا کرتے تھے، اس بات کی تاکید سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی نماز قائم کرنے پر، زکوۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتے رہنے پر۔''[2]

ابھی ہم نے اس فقرے کے آغاز میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کا تعارف صرف ایک ہی لفظ'' نصیحة '' میں کروایا ہے، اور یہ اس امر کی واضح تاکید ہے کہ خیر خواہی ہی دین کا مرکزی محور ہے بلکہ یہ صحت ایمان اور کمال ایمان کی ایک شرط ہے، جس طرح کہ مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ سے بھی یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے

---

[1] صحيح مسلم، الايمان، باب بيان ان الدين النصيحة، حديث: 55. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب البيعة على ايتاء الزكاة، حديث: 1401، و صحيح مسلم، حديث: 56.

لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[1]

وہ سچی مسلمان خاتون جس کے خیالات کی گہرائیوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہو کہ اس کا اپنی بہن کے لیے وہی چیز پسند کرنا جو وہ اپنے لیے کرتی ہے صحت ایمان اور کمال ایمان کی شروط میں سے ایک شرط ہے اور یہ کہ اس کا دین نصیحت و خیر خواہی پر ہی قائم ہے، جو یقین کر لے کہ وہ اس بلند ترین اور مشکل ترین سیڑھی پر چڑھنے کی اہل ہے، بلکہ یہ بلند ترین معانی اس کی زندگی میں اور اس کے اپنی بہنوں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ تصرفات کرنے میں ایک طبعی امر بن جاتے ہیں، پھر وہ ان کے لیے ایک سچا آئینہ بن جاتی ہے، ان کی خیر خواہی کرتی ہے، ان کے لیے بجز خیر کے کچھ بھی آرزو اور تمنا نہیں کرتی، جس طرح کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ إِذَا رَای فِيهِ عَيْبًا أَصْلَحَهُ]

''مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے جب اس میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اسے درست کر دیتا ہے۔''[2]

اور بلاشبہ یہ ایک طبعی اور قدرتی امر ہے کہ سچی مسلمان خاتون کے اپنی بہنوں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ عمومی تعلقات اس درجہ اونچے، رفیع اور بلند سطح کے بن جاتے ہیں کہ اگر وہ اس سطح سے نیچے آنا بھی چاہے تو اس کی طاقت نہیں پاتی، کیونکہ جو محبت کی عطر بیز وفا کی مہک اور اخوت کی بارش میں لبریز پاک صاف ہواؤں فضاؤں میں زندگی بسر کرنے کی عادی ہو وہ کراہیت، خیانت، کینے، انانیت اور غرور کے گڑھوں میں گر نہیں سکتی، کیونکہ ہر برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے، کستوری سے خوشبو کے سوا کچھ بھی نہیں ٹپکتا اور پاکیزہ مٹی سے عمدہ اور پاکیزہ نباتات ہی اگا کرتی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب من الايمان أن يحب لأخيه مايحب لنفسه، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الداليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم، حديث: 45. [2] الأدب المفرد، حديث: 2331 باب المسلم مرآة اخيه.

وہ وفا شعار رہتی ہے

اسلام نے صرف اپنے ہی بیٹوں، بیٹیوں، دوستوں اور سہیلیوں سے نیکی کی ترغیب نہیں دی بلکہ نفس انسانی میں وفاداری اور نیکی سازی کی فضیلت کی تاکید کرتے ہوئے اور حیات اسلام میں اس فضیلت کی مضبوطی کو بیان کرتے ہوئے والدین کے دوستوں کے ساتھ بھی نیکی کرنے کی تحریص و ترغیب دی ہے۔ اور ہماری ورثے کی کتابیں وفا اور نیکی کے واقعات سے بھری پڑی ہیں جنہیں ہمارے سلف صالحین نے اختیار کیا تھا اور جن سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کیا تھا، ہمارے یہی اسلاف انسانیت کی پیشانی کا جھومر ہیں۔

اسی حقیقت کی غمازی کرنے کے لیے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

[إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ]

''بلاشبہ نیکیوں میں سے سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے۔''[1]

یقیناً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان خاتون کے لیے ایک فانوس روشن کر دیا ہے جس سے وہ وفا اور نیکی کرنے میں روشنی لے سکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا ان کی وفات کے بعد بھی خیال رکھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نیکی و احسان کرنے کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا اس قدر خیال و اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ یہ اہتمام ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصہ بھی دلا دیتا تھا، آپ اس پر غیرت کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

''میں نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کھائی جتنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کھائی ہے، حالانکہ میں نے انہیں کبھی دیکھا بھی نہیں ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم، حديث : 2552 .

ان کا تذکرہ بکثرت فرمایا کرتے تھے، بسا اوقات آپ بکری ذبح فرماتے، گوشت کے چند ٹکڑے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کی طرف بھیجا کرتے تھے اور بعض اوقات تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہہ دیا کرتی تھی گویا کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی دوسری خاتون ہی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: بلاشبہ وہ وہی تھی، اس سے میری اولاد بھی ہوئی۔"[1]

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے: "بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح فرمایا کرتے پھر اس میں سے ان کی سہیلیوں کی جانب ان کی ضرورت کے مطابق ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔"[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں اور اس سیرت و کردار میں وفا اور نیکی کی اصل بنیاد موجود ہے جو فوت شدہ باپوں اور ان کے دور والے دوستوں اور بیویوں اور ان کی سہیلیوں کو بھی شامل ہے، تو جو زندہ اور قریبی سہیلیاں ہیں ان کا مقام کس درجہ ہوگا؟

ان کی غیبت نہیں کرتی

سمجھدار بیدار مغز مسلمان خاتون ان مجالس میں غیبت کے پیچھے نہیں چلتی جن میں غیبت کی باتیں چل نکلتی ہیں بلکہ وہ عمومی طور پر ان میں بحث کرنے سے اور خصوصی طور پر اپنی بہنوں اور سہیلیوں کی غیبت کرنے سے اپنی زبان کو روکے رکھتی ہے، وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے کہ مجلس کو غیبت کے خطرناک جوہڑ میں گرنے سے محفوظ رکھے، کیونکہ قرآن کریم کی نص سے غیبت حرام ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾

"اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ خديجة وفضلها، حديث: 3818، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة، حديث: 2435. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ خديجة وفضلها، حديث: 3818.

کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔'' [1]

یقیناً متقی مسلمان خاتون ہمیشہ زبان کو ان باتوں میں پڑنے سے روکے رکھتی ہے جو غیبت میں لے جانے والی ہیں، اور وہ اس بات کو یاد رکھتی ہے جو اس نے اپنے دین کی ہدایت سے سن رکھی ہے کہ زبان ایسی چیز ہے جو اپنے استعمال کرنے والے کو آتش دوزخ میں جھونکنے والی ہے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا تھا: ''اس پر قابو رکھو'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! کیا ہمارا اپنی گفتگو کردہ باتوں پر مؤاخذہ کیا جائے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیری ماں تجھے گم پائے، نہیں گرائیں گے لوگوں کو آتش جہنم میں ان کے چہروں کے بل۔ یا فرمایا: ان کے نتھنوں کے بل...... مگر ان کی زبانوں کے بول ہی۔'' [2]

بلاشبہ غیبت ایک قابل مذمت عادت ہے، وہ مسلمان خاتون جو اپنے دین کی ہدایت سے روشنی حاصل کرنے والی ہے اس کی عادی نہیں ہو سکتی، اس کی وہ شخصیت جو اس دین کے فضائل و محامد سے سیراب ہوتی ہے اس سے انکار کرتی ہے کہ وہ دو چہروں والی اور دو زبانوں والی بنے وہ متلون مزاج بنے، کیفیت و حالت تبدیل کرتی رہے، منافقت اختیار کرے، ظاہراً خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے اور مجالس میں اپنی بہنوں اور سہیلیوں کی غیبت کرتی رہے، یعنی جب ان سے ملاقات کرے تو ان کے لیے بڑی ہشاش بشاش رہے، ان کے سامنے مودت اور دوستی کے رشتے ظاہر کرے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ متلون مزاجی اس شریعت اسلام میں حرام ہے جو شریعت استقامت، صداقت اور وضاحت کی بنیادوں پر قائم ہے اور جس نے اہل ایمان مردوں عورتوں کی طبائع کو اس کے مطابق ڈھال لیا ہے، اور جس شریعت نے ان

---

[1] الحجرات 12:49. [2] سنن الترمذی، الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، حدیث: 2616، وسنن ابن ماجه، الفتن، باب کف اللسان فی الفتنة، حدیث: 3973.

کے لیے تلون مزاجی اور نفاق کو ناپسندیدہ ٹھہرایا ہے، اور یہ بات رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی میں موجود ہے:

''تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس بدترین لوگوں میں سے دو چہروں والے کو پائے گا جو ان لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسروں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آتا ہے۔''[1]

اور راست باز مسلمان خاتون کا چہرہ ایک ہوتا ہے دو چہرے نہیں ہوتے، اور وہ چہرہ بڑا چمکدار، روشن، ہنس مکھ اور نہایت صاف شفاف ہوتا ہے، جو نہ تو رنگ بدلتا ہے اور نہ ہی حالات کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتا ہے، وہ تمام لوگوں سے ایک ہی چہرے سے ملاقات کرتی ہے، اس کے ذہن سے یہ امر اوجھل نہیں رہتا کہ دو چہروں والی منافق ہوتی ہے، اور اسلام اور نفاق دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، اور منافق عورتیں تو دوزخ کے نچلے گڑھے میں ہوں گی۔

اذیت دہ مزاح اور وعدہ خلافی سے اجتناب کرتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون کی صفات میں سے یہ باتیں بھی ہیں کہ وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں سنجیدگی، فطانت اور حکمت سے کام لیتی ہے، وہ انہیں لڑائی جھگڑے اور اکتا دینے والی اور نفرت پیدا کرنے والی کٹ حجتی سے پریشان نہیں کرتی اور نہ ہی انہیں تکلیف دہ مزاح سے تنگ کرتی ہے، اور نہ ان سے کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی ہی کرتی ہے، ان تمام باتوں میں وہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت سے راہ یاب ہونے والی ہے، جو اس طرح فرما رہے ہیں:

[لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ]

''اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر، اس سے تکلیف دہ مزاح نہ کر، اور نہ اسے ایسا وعدہ

---

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب ماقیل فی ذی الوجهین، حدیث : 6058، و صحیح مسلم، البر والصلة، باب ذم ذی الوجهین، حدیث : 2526.

دے جس کی تو خلاف ورزی کرے۔''[1]

یہ بات یاد رکھیں کہ جدل ومخاصمہ سینوں میں کینے بھرتے، دشمنی اور نفرتیں پیدا کرتے ہیں، اسی طرح موذی جارح مزاح بھی دو بہنوں کے درمیان صاف ستھرے تعلق کو مکدرو گدلا بنا دیتا ہے، اور وعدوں کی خلاف ورزی اخوت و دوستی کے رشتہ کو کمزور بنا ڈالتی ہے، اور آپس کے باہمی احترام کو کم کر دیتی ہے۔ معزز و شریف مسلمان خاتون اس طرح کے معاشرتی اختلافات سے حتی الوسع دور ہی رہتی ہے جو انسان کی شخصیت کو عیب دار اور ہلاک کرنے والے ہوں۔

بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کے لیے دعائیں کرتی ہے

وہ سچی مسلمان خاتون جس کے دل میں ایمانی بشاشت رچ بس گئی ہے اپنی دینی بہن کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتی ہے، اسی لیے وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعائیں کرنے کو نہیں بھولتی، ایک غائب کی دوسرے غائب کے لیے دعا، جو اخوت کی سچی حرارت سے لبریز ہوتی ہے، جو مخلص اور محبت رکھنے والے دل سے نکلتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ ایسی دعا قبولیت کے اعتبار سے سب سے برق رفتار ہوتی ہے، کیونکہ اس میں سچی گڑگڑاہٹ، شعوری حرارت اور مقصد کی بلندی وفوقیت شامل ہوتی ہے، اس امر کی تاکید مندرجہ ذیل فرمان رسول ﷺ سے ہو رہی ہے:

[اَسْرَعُ الدُّعَآءِ اِجَابَةً دُعَآءُ الْغَائِبِ لِغَائِبٍ]

''قبولیت کے اعتبار سے تیز ترین دعا وہ ہے جو ایک غائب دوسرے عدم موجود بھائی کے لیے مانگتا ہے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الادب المفرد میں صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے یہ روایت

---

[1] الأدب المفرد: 485/1 باب لاتعد أخاك شيئا فتخلفه۔ سنن الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في المراء، حديث: 1995. [2] الادب المفرد: 83/2 باب دعاء الاخ بظهر الغيب.

ذکر کی ہے جن کے عقد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی لخت جگر درداء تھیں۔ کہتے ہیں: میں ملک شام میں ان کے ہاں حاضر ہوا، تو میں نے ام الدرداء کو گھر میں تنہا پایا میں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو گھر میں موجود نہ پایا، وہ پوچھنے لگیں: کیا تو حج کا ارادہ رکھتا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! فرمانے لگیں: ہمارے لیے بھی دعائے خیر کرنا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے:

''مسلمان آدمی کی دعا اپنے عدم موجود بھائی کے لیے قبول ہوتی ہے، اس کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: آمین، اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہے۔''

کہتے ہیں: پھر میں بازار میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملا تو انہوں نے بھی ایسا ہی فرمایا، وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔[1]

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس وقلوب میں اجتماعی روح کو مستحکم فرمارہے ہیں اور باہمی مودت ومحبت کے رشتوں کو ان کے درمیان مضبوط بنارہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کی کڑیوں کو پختہ کررہے ہیں، ان میں اجتماعیت کی روح کو عام کررہے ہیں، پیش آمدہ ہر موقف میں فردیت اور انانیت کی رگ کو سرے سے کاٹ رہے ہیں، تاکہ مسلم معاشرے کی زندگی میں محبت، باہمی رابطے، احساسات خیرسگالی، مودت، صلہ رحمی، تعلق داری اور ایثار کے جذبات کو راسخ کردیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان مرد وعورت کو ہر زمان ومکان میں رہتے ہوئے یہ تعلیم دیتے تھے کہ ہر اس شخص کو یہ زیب نہیں دیتا جو شہادتین کا اقرار کرچکا ہے کہ وہ خیر وبھلائی کے لیے صرف اپنے آپ کو ترجیح دے کیونکہ مومن کو ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔

خلاصہ گفتگو یہ کہ وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تربیت کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر

---

[1] الأدب المفرد: 84/2 باب الدعاء بظهر الغيب، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، حديث: 2733.

اپنی اسلامی بہنوں سے اور اپنی اسلامی برادری سے محبت رکھتی ہے، وہ ان سے محبت رکھنے میں صادق اور ان کے ساتھ رشتہ اخوت میں مخلص ہوتی ہے، ان کی خیر خواہ رہتی ہے، ان کے لیے ہر نفع بخش کام میں حریص نظر آتی ہے، ان کے لیے وہی چیز پسند کرتی ہے جو اپنے وجود کے لیے کرتی ہے، اپنے اور ان کے درمیان اخوت اور محبت کے تعلقات کو دوام بخشنے کی حریص رہتی ہے ان سے قطع تعلق کرتی ہے اور نہ ہی انہیں چھوڑتی ہے، وہ ان کی لغزشوں اور غلطیوں کو کشادہ دلی سے معاف کرنے والی اور درگزر کرنے والی ہوتی ہے، ان کے خلاف کوئی کینہ، حسد، بغض اور رنجش اٹھائے نہیں رکھتی، وہ ان سے ہر دم خندہ پیشانی، کشادہ روئی، ہنس مکھ اور خوش مزاجی سے ملتی ہے، وہ ان کے ساتھ وفا داری اور نیکوکاری سے برتاؤ کرتی ہے، ان سے نرمی کا برتاؤ کرتی ہے، ان کی چغلی نہیں کھاتی، ان کی غیبت نہیں کرتی، ان کے جذبات کو شدید جھگڑوں اور لڑائیوں بھڑائیوں سے مجروح نہیں کرتی، ان پر سخاوت کرتی ہے، ان کا اکرام کرتی ہے، اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے لیے دعائے خیر جاری رکھتی ہے۔

......❀......

باب: 10

مسلمان خاتون اپنے معاشرہ کے ساتھ

مسلمان خاتون شرعی احکامات کی پابندی کرنے کے حکم میں مرد کی مانند ہے، یہ زندگی میں ایک مقصد کی حامل ہے، اسی لیے واجب اور لازم ہے کہ وہ فعال اور مؤثر معاشرتی خاتون بن کر رہے، خواہ اس کی زندگی، خاندان اور ماحول کے حالات وظروف کیسے ہی کیوں نہ ہوں، وہ حتی الوسع عورتوں سے میل جول رکھتی ہے اور اسلام کے اس بلند ترین اخلاق کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتی ہے جو اسے دیگر عورتوں سے ممتاز بناتا ہے۔

مسلمان خاتون جس نے قرآن کریم کی ہدایت سے روشنی پائی ہے اور سنت مطہرہ کے سر چشمے سے سیرابی پائی ہے ایک معاشرتی اور طرز اول پر ترقی پانے والی شخصیت ہے، وہ اس مقام کی اہل ہے کہ وہ نسوانی معاشروں میں اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے، وہ اس دین عظیم کی ہدایات پر اپنے کانوں، آنکھوں اور ذہن کو کھول کر رکھنے والی ہے جس نے دنیا میں تاریخ نسوانیت میں خاتون کو بہت جلد اتنا اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے، اور اسے مکارم اخلاق کا ایک بڑا حصہ بطور زادِ راہ عنایت کیا ہے، جن کا تذکرہ اس دین حنیف نے قرآن کریم اور حدیث شریف کی بے شمار نصوص میں فرما دیا ہے، اور جنہیں اختیار کرنے اور اپنانے کو اس نے دین قرار دیا ہے، جن کے کرنے پر آدمی کو ثواب اور جن کے ترک کرنے پر محاسبہ کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے، یہ نصوص اتنی طاقت رکھتی ہیں کہ سچی مسلمان خاتون کی شخصیت اس قابل بنا دیں کہ وہ معاشرتی، ترقی یافتہ، مہذب، متقی، پاکدامن، بہترین اور عفت پسند خاتون کے لیے ایک منفرد نمونہ قرار پائے۔

مسلمان خاتون اپنے کردار، عادات، اطوار اور معاملات کے لیے اسی اسلامی وسیع وعریض چشمے سے پانی حاصل کرتی ہے، اور اسی چشمۂ صافی اور آبِ شیریں کے گھاٹ سے پانی پیتی ہے تاکہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اپنی معاشرتی اسلامی شخصیت کا ڈھانچہ ترتیب دے سکے۔

اخلاق حسنہ کا پیکر ہوتی ہے

متقی مسلمان خاتون اخلاق حسنہ کی خوگر ہوتی ہے احوال و اشغال میں عمدہ تر، طبیعت کی نرم تر، قول و گفتار میں ملائم، بات کرنے میں نرم مزاج، معاملات طے کرنے میں خوش خلق، الفت کرنے والی اور الفت پانے والی ہوتی ہے، وہ اپنے تمام عادات و اطوار میں رسول کریم ﷺ کے اخلاق کی پیروی کررہی ہوتی ہے جن کے متعلق آپ ﷺ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ بایں الفاظ شہادت پیش کررہے ہیں:

[كَانَ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا]

''آپ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر اچھے اخلاق والے تھے۔''[1]

اور یہ اس بنا پر ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کا وہ اخلاق مشاہدہ کیا ہے جو کسی دوسرے انسان نے مشاہدہ نہیں کیا، اور جس اخلاق کا وجود کسی دوسرے انسان و بشر میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، آیئے ملاحظہ فرمائیں وہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہمیں رسول مکرم ﷺ کے اخلاق کی ایک جھلک اس طرح دکھا رہے ہیں:

''بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس برس تک خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے مجھے ایک بار بھی ''اف'' تک نہیں کہا، اور نہ ہی آپ نے اس کام پر جو میں نے کیا ہوتا یہ کہا: تو نے ایسے کیوں کیا ہے؟ اور نہ ہی اس کام پر جو میں نے نہ کیا ہوتا یہ کہا: ''تو نے اس طرح کیوں نہ کیا؟''[2]

---

① صحيح البخاري، الادب، باب الكنية للصبى، حديث : 6203 وصحيح مسلم، الفضائل، باب حسن خلقهﷺ حديث : 2310. ② صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبىﷺ حديث : 3561 و صحيح مسلم، حديث : 2309.

رسول اللہ ﷺ تو اس خلق عظیم پر فائز تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴾

''اور بیشک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ مسلمان انسان کی شخصیت سازی کے لیے حسن اخلاق کے الفاظ کو بار بار صحابہ کرام کے کانوں میں ڈالا کرتے تھے، اس لیے کہ اس حسن اخلاق کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی درجہ انتہائی بلند ہے اور لوگوں کے درمیان بھی اس کا عظیم مرتبہ ہے، اسی ضمن میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

[اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا]

''تم میں سے بہترین وہی ہیں جو اخلاق میں تم میں سب سے اچھے ہیں۔''[2]

آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے:

''قیامت کے دن تم میں سے میرا زیادہ پیارا اور بلحاظ مجلس میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جو تم میں سے اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہوگا اور قیامت کے دن تم میں سے میرے نزدیک زیادہ مبغوض اور مجھ سے زیادہ بعید وہ لوگ ہوں گے جو یاوہ گوئی کرنے والے اور باچھیں کھول کھول کر باتیں کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! یاوہ گوئی کرنے والے اور باچھیں کھول کھول کر باتیں کرنے والے تو ہم جان گئے ہیں مُتَفَیْهِقُوْنَ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: اَلْمُتَکَبِّرُوْنَ (تکبر کرنے والے لوگ)۔''[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرد ہوں یا عورتیں حسن اخلاق کے متعلق ان بلند ترین نبوی ہدایات کو

---

① القلم 68:4. ② صحیح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق حدیث: 6035 و صحیح مسلم، الفضائل، باب کثرة حیائه ﷺ حدیث: 2321. ③ سنن ترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، حدیث: 2018.

ہمہ تن گوش ہو کر سماعت کرتے ہیں اور اخلاق کریمہ کی زندہ جیتی جاگتی تصویر شخصیتِ رسول ﷺ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان کے نفوس میں مکارم اخلاق منعکس ہو جاتے ہیں، جو ان کی خصوصیات میں سے خصوصیت اور ان کی عادات میں سے عادت بن جاتے ہیں تو پھر اس طرح خیر القرون میں اس مثالی معاشرہ میں یہ منفرد اخلاق کے حامل لوگوں کا گروہ تشکیل پاتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ نہایت رحم کرنے والے تھے، آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا مگر آپ اس سے وعدہ کر لیتے تھے، اگر آپ کے پاس ہوتا تو آپ اسے پورا ہی کر دیتے تھے (ایک بار) نماز کی اقامت ہو چکی تھی، ایک اعرابی آگے بڑھا اس نے آپ کو کپڑے سے تھام لیا اور بولا: ابھی میری تھوڑی سی حاجت باقی ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں اسے بھول جاؤں گا، آپ ﷺ اس کے ساتھ کھڑے رہے حتی کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گیا، پھر آپ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کی بات سننے اور اسے اپنی حاجت پوری کرنے میں کوئی تنگی نہیں دی حالانکہ نماز کے لیے اقامت بھی ہو چکی تھی اس اعرابی کے لیے آپ کا سینہ مبارک بھی تنگ نہیں ہوا جس نے آپ کو دامن سے پکڑ لیا تھا اور نماز سے قبل ہی اپنی حاجت کو پورا کرنے پر اصرار کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ اخلاق کا معاشرہ تشکیل دے رہے تھے، اور آپ ﷺ اپنے عمل و فعل سے مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسلمان پر کس طرح اپنے بھائی سے معاملہ کرنا واجب ہے اور آپ ﷺ ان کے لیے ایک اخلاقی بنیاد متعین و مقرر فرما رہے تھے جسے مسلمانوں کے معاشرے کی قیادت و سیادت نبھانے کے لیے ضروری ہونا چاہیے تھا۔

بروز قیامت مومن انسان کے ترازو میں حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی دوسرا عمل زیادہ وزنی نہیں ہوگا، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مندرجہ ذیل فرمان اقدس میں اس

[1] الادب المفرد: 375/1 باب سخاوۃ النفس۔

حقیقت سے روشناس فرمایا ہے:

''قیامت کے روز مومن کے میزان میں خلق حسن سے بڑھ کر کوئی چیز بھی وزنی نہیں ہوگی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان شخص سے بغض رکھتا ہے۔''[1]

بلکہ اسلام نے حسن اخلاق کو کمالِ ایمان قرار دیا ہے کیونکہ اس نے بلحاظ اخلاق لوگوں میں سے بہترین شخص کو کامل ترین ایمان والا شمار کیا ہے اور یہ بات رسول کریم ﷺ کے فرمان اقدس میں موجود ہے:

[اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا]

''سب اہل ایمان میں سے کامل تر ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق ان میں سے بہترین ہے۔''[2]

اور اسلام نے لوگوں میں سے اچھے اخلاق والے شخص کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ قرار دیا ہے، اس پر سیدنا اسامہ بن شُرَیک رضی اللہ عنہ کی حدیث شہادت پیش کر رہی ہے:

''ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں، ہم میں سے کوئی بھی محو گفتگو نہ تھا، آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور عرض پرواز ہوئے: اللہ تعالیٰ کو سب بندوں میں کون سا بندہ زیادہ محبوب ہے؟ ارشاد فرمایا: ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والا۔''[3]

یہ بھی دیکھ لیں کہ یہی حسن خلق، نماز اور روزے کے برابر بھی ہے جو کہ اسلام کے دو بڑے بڑے رکن ہیں، جس طرح کہ رسول صاحب خلق عظیم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے:

---

[1] سنن الترمذی، أبواب البر، باب حسن الخلق، حدیث : 2002 وقال حدیث حسن صحیح. [2] سنن الترمذی، أبواب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث : 1162 وقال حدیث حسن صحیح. [3] مسند أحمد : 278/4 رواہ الطبرانی فی الکبیر 181/1 ورجالہ رجال الصحیح.

''ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی اور یقیناً حسن اخلاق اپنے صاحب کو روزے اور نماز کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔''[1]

اور ایک روایت میں الفاظ یوں بھی ہیں:

[إِنَّ الْعَبْدَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ]

''بلاشبہ بندہ اپنے حسن اخلاق سے روزے دار اور شب زندہ دار کے درجے کو پالیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حسن خلق کی اہمیت کی تاکید اور اس سے آراستہ ہونے کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور اپنے قول وفعل سے مختلف اسالیب و طرق سے ان کے نفسوں میں اسے پسندیدہ بنایا کرتے تھے، اس بات کا ادراک رکھتے ہوئے کہ طبیعتوں کو مہذب بنانے، نفوس کا تزکیہ کرنے اور اخلاق کو خوبصورت بنانے میں اس کا انتہائی گہرا اثر ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''حسن خلق اضافہ ہے، برا خلق نحوست ہے، نیکی عمر میں زیادتی ہے اور صدقہ بری موت کو روکتا ہے۔''[2]

اور آپ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی:

[اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِي فَاَحْسِنْ خُلُقِي]

''اے اللہ! تو نے میری تخلیق خوبصورت بنائی ہے لہذا تو میرا اخلاق بھی خوبصورت بنادے۔''[3]

بے شک رسول اکرم ﷺ کا دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے خلق کو بہترین بنادے حالانکہ آپ کی ذات گرامی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمائی ہے:

---

① سنن ترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث : 2003. ② مسند أحمد : 502/3 ورجاله ثقات. ③ مسند أحمد :403/1 ورجاله رجال الصحيح.

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴾

''اور بیشک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔''[1]

آپ کے حسن خلق کا انتہائی زیادہ اہتمام کرنے پر بہت گہری دلیل ہے، اور آپ کی پرجوش رغبت پر واضح دلیل ہے کہ مسلمان ہمیشہ اس چیز میں مزید اضافہ چاہتے رہیں خواہ مسلمان اس کے روشن درجوں میں سے جس بھی درجے پر فائز ہوں، جس طرح ان کا عظیم نبی بھی اس دعا کے ذریعے اضافہ کا خواہشمند اور متمنی ہے۔

حسن خلق ایک جامع لفظ ہے، اس کے تحت وہ تمام عمدہ اخلاق آجاتے ہیں جن کے ساتھ انسان خوبصورتی حاصل کرسکتا ہے، اپنا تزکیہ کرسکتا ہے اور جس کے ساتھ بلندی و رفعت کی منازل پاسکتا ہے جیسے کہ حیا، حلم، نرمی، عفو، فیاضی، خندہ روئی، صداقت، امانت، نصیحت، خیرخواہی، استقامت اور باطن کی صفائی وغیرہ سب مکارم اخلاق ہیں۔

ایک مسلمان انسان کی خواہ وہ مرد ہے یا عورت ہستی کو ممتاز کرنے والی چند ایک صفات مندرجہ ذیل ہیں:

راست گو ہوتی ہے

مسلمان خاتون تمام لوگوں کے ساتھ راست گو اور سچی رہتی ہے کیونکہ اس نے اسلام کی ابتدائی تعلیمات کو سمجھ لیا ہے جو سچائی اور راستی کی ترغیب دیتی ہیں، وہ اسے راس الفضائل اور تمام مکارم اخلاق کی اساس خیال کرتی ہے اور جھوٹ سے بچتی ہے اور اسے منبع رذائل و مفاسد اور اعمال بد کا مصدر مانتی ہے اور اس لیے بھی کہ مسلمان خاتون یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور وہ اپنے صاحب کو جنت تک پہنچا دیتی ہے اور جھوٹ، فجور اور بدکاری کی جانب دھکیلتا ہے جو اپنے صاحب کو آتشِ دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، جس طرح کہ اس بات کی رسول کریم ﷺ نے خبر دی ہے۔

---

[1] القلم 68:4 .

''بلا شبہ سچائی نیکی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور بلا شبہ نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے، اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے، اور بے شک جھوٹ بدکاری کی جانب لے جاتا ہے، اور بدکاری دوزخ کی جانب لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔''[1]

جھوٹی گواہی نہیں دیتی

وہ متقی مسلمان خاتون جس کی شخصیت کو اسلامی تعلیمات اور اس کی بلند و بالا ہدایت نے ڈھال لیا ہوتا ہے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتی کیونکہ جھوٹی گواہی شریعت اسلامیہ میں حرام ہے:

﴿ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾

''اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کیا کرو۔''[2]

جھوٹی شہادت حرام ہونے کے علاوہ امانت داری کو داغدار بناتی، شرافت میں خلل انداز ہوتی اور اپنے صاحب کی شخصیت کو مجروح بھی بناتی ہے، پھر اسے لوگوں کی نظروں میں ٹیڑھا، حقیر اور گھٹیا بنا کر ظاہر کرتی ہے، اسی لیے قرآن کریم نے عباد الرحمٰن اور پسندیدہ برگزیدہ ہستیوں سے، خواہ مرد ہوں یا مستورات، یکساں طور پر ان سے اس گناہ کی قطعی نفی کی ہے، جہاں اس نے ان سے دیگر کبائر کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾

''اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغویت پر ان کا گزر ہوتا ہے تو بزرگانہ طور پر گزر جاتے ہیں۔''[3]

اس معصیت کے گھناؤنا اور گرانبار ہونے پر اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى (يٰٓايها الذين آمنوا اتقوا الله ...) حديث: 6094 و صحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذاب و حسن الصدق، حديث: 2607.

② الحج 22:30. ③ الفرقان 25:72.

رسول اللہ ﷺ نے اسے معاصی کی فہرست میں دو کبیرہ ترین گناہوں کے بعد ذکر کیا ہے جو انسان کو نعمت ایمان سے تہی دامن بنا دیتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، پھر بعد ازاں مسلمانوں کے کانوں میں بار بار اس لفظ کو پہنچایا ہے تا کہ اس میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں اور خبردار رہیں اور آپ ﷺ اس وقت انتہائی غصے اور اشتعال میں تھے جب آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا:

''کیا میں تمہیں اکبر الکبائر سے آگاہ نہ کردوں؟ ہم نے عرض کی: ہاں کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی آپ مسلسل یہی فرماتے گئے، حتی کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپ خاموش رہتے۔''[1]

خیر خواہی کرتی ہے

فہم رکھنے والی متقی مسلمان خاتون مذموم عادات سے صرف اپنے نفس کو بچائے رکھنے پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ ہر اس خاتون کی بھی خیر خواہی اور درست رہنمائی کرتی ہے جس کا اس سے رابطہ اور تعلق ہوتا ہے، بالخصوص ان خواتین کی جو ہدایت الٰہی سے سرکش اور دور ہوتی ہیں، معاشرے میں کتنی ایسی خواتین ہیں جو اپنی جانوں پر زیادتی کرتی ہیں تو انہیں سمجھانے والوں کی اور ان کی خیر خواہی کرنے والوں کی کس قدر حاجت وضرورت ہے جو ان کی نظروں کو اس جادۂ حق اور صراط مستقیم کی جانب موڑ سکیں جس پر چلنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون کا اپنی بہنوں کی رہنمائی کرنا اور ان کی خیر خواہی کرنا کوئی نفلی، زائد اوران کے اکرام واحترام والا کام نہیں ہے بلکہ یہ تو واجب اور ضروری کام ہے جس پر دین اسلام نے رغبت دلائی ہے بلکہ دین تو عین خیر خواہی کا نام ہے جس طرح کہ رسول کریم ﷺ

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث : 5976 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر واكبرها، حديث : 87.

نے اپنے فرمان میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے:

''دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کی: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے اور ان کی عوام کے لیے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو رسول اللہ ﷺ سے نماز، زکوۃ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے، اس کی شہادت سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان دے رہا ہے:

[بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی نماز قائم رکھنے پر، زکوۃ کی ادائیگی کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔''[2]

رسول اکرم ﷺ نے نصیحت و خیر خواہی کی کس قدر عمدہ تعبیر بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' آپ ﷺ نے اس ایک لفظ ''خیر خواہی'' میں دین کو سمو کر کوزے میں دریا بند کر دیا ہے، یہ احساس بیدار کرنے کے لیے کہ ایک مسلمان کے ہاں نصیحت کی کس قدر زیادہ قدر و قیمت ہے اور اس کا افراد، خاندانوں اور معاشروں کی زندگی میں کس قدر گہرا اثر ہے، کسی بھی قوم میں خیر خواہی عام نہیں ہوتی مگر وہ صراط مستقیم کی رہنمائی دے دیے جاتے ہیں اور کسی بھی قوم میں خیر خواہی ناپید نہیں ہوتی مگر وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس صحابی جلیل کی رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنے میں نصیحت و خیر خواہی کو نماز اور زکوۃ کے ساتھ ملانے میں اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمان انسان کے اعمال کے ترازو میں اس کی کس قدر اہمیت ہے، اور آخرت میں اس کے کس درجہ خطرات سامنے آ سکتے ہیں اور یہی وجہ

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إن الدين النصيحة، حديث: 55. [2] صحيح البخاري، الزكاة باب البيعة على إيتاء الزكاة، حديث: 1401 وصحيح مسلم، حديث: 56.

نظر آتی ہے کہ یہ ایک سچے متقی مسلمان آدمی کے اخلاق میں ایک بنیادی اخلاق کی حیثیت رکھتی ہے جو قیامت کے دن اپنے حسن انجام کا آرزومند ہو جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے جوابدہی کے لیے کھڑے ہوں گے۔

اور جب ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ اسلام میں ذمہ داری مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر شامل ہے اور ہر کسی کو اس کے معاشرتی دائرہ کار میں ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جسے رسول کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں پوری طرح واضح فرمایا ہے:

''تم سبھی نگران ہو، اور تم سبھی اپنی اپنی نگرانی کے متعلق ذمہ دار ہو، امام نگران ہے اور اپنی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا، آدمی اپنے اہل وعیال میں نگران ہے اور اپنی رعیت کے متعلق مسئول ہوگا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اور اپنی ذمہ داری کی بابت باز پرس کی جائے گی، خادم اپنے مالک کے مال میں نگران ہے اور اپنی رعیت و ذمہ داری کی بابت پوچھا جائے گا، لہٰذا تم سبھی نگران ہو اور اپنی اپنی رعیت ونگرانی کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔''[1]

تو جب ہم ان باتوں کو جان لیں گے تو ہمیں خیر خواہی کرنے کے حوالے سے عورت کی ذمہ داری کا ادراک ہو جائے گا کہ اسے اپنے دائرہ کار میں جہاں وہ زندگی بسر کر رہی ہے ہر اس خاتون کی خیر خواہی کرنی چاہیے جو اس سے نفع حاصل کر سکتی ہے۔

خیر کی طرف رہنمائی کرتی ہے

وہ متقی مسلمان خاتون جس کے نفس کو اسلام نے مہذب بنایا اور اسے انانیت اور غلبہ پسندی کے میل کچیل سے پاک ومنزہ بنایا ہے، وہ ہر اس خیر پر رہنمائی کرتی ہے جسے وہ جانتی ہے تاکہ وہ اسے نور کی جانب نکال لائے، اور لوگ اس سے نفع حاصل کر سکیں، یہ دونوں پہلو اس کے لیے یکساں ہیں کہ وہ عمل خیر اس کے ہاتھوں پر پورا ہو یا کسی دوسری کے ہاتھوں سرانجام پائے کیونکہ

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث: 893 وصحيح مسلم، الامارة، باب فضيلة الامير العادل حديث : 1829.

وہ جانتی ہے کہ نیکی پر رہنمائی کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر وثواب ملتا ہے جو کرنے والے کو ملتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اس کی خبر دی ہے:

[مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ]

''جس نے خیر پر رہنمائی کی اس کے لیے کرنے والے کے ثواب کے برابر اجر ہے۔''[1]

ملاوٹ اور دھوکا فریب نہیں کرتی

راست گو مسلمان خاتون جو صداقت کی جویا اور اس سے مانوس ہوتی ہے بلکہ صداقت و راستی اس کے خصائل میں سے ایک خصلت اور اس کے عالی اخلاق میں سے ایک خلق بن چکا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو دھوکا دیتی ہے اور نہ ہی ان سے دغا فریب کرتی ہے، کیونکہ ملاوٹ، دھوکا اور دغا گھٹیا اخلاق میں سے ہیں جو صداقت کے منافی ہیں اور اس سے میل نہیں کھاتے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ صداقت، خیر خواہی، استقامت، وفاداری، عدل اور انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور دھوکا بازی، کذب بیانی، چکر بازی، دھوکا اور ملاوٹ سے دور رکھتی ہے۔

بلاشبہ سچی، دین حنیف اسلام کی ہدایت سے شکم سیر ہونے والی مسلمان خاتون کی فطرت ملاوٹ، دھوکا اور دغا سے نفرت کرتی ہے۔ وہ برے اخلاق کے متعلق یہ ذہن رکھتی ہے کہ ان کے ارتکاب سے مرتکب کی اسلام سے نسبت بھی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں ذکر کیا ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

[مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا]

''جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔''[2]

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غلے کے ڈھیر کے

---

[1] صحيح مسلم، الامارة، باب فضل اعانة الغازى فى سبيل الله، حديث: 1893. [2] صحيح مسلم، الايمان، باب قول النبى ﷺ: من غشنا فليس منا، حديث: 101.

اس سے گزرے، اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو تراوٹ محسوس ہوئی، تو آپ ﷺ نے پوچھا: ارے بھئی! یہ کیا ہے؟ بولا: یارسول اللہ! اسے بارش پہنچی ہے، تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''تو نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[1]

بلاشبہ اسلام نے دھوکا دہی، ملاوٹ اور دغا بازی کو ایسے گھناؤنے جرائم میں شمار کیا ہے جو ان کے صاحب کو دنیا میں بے عزت اور آخرت میں روسیاہ کر دیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام دغا بازوں کو الگ جمع کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ساتھ ایک ایک منادی ہوگا جو اعلان کر رہا ہوگا تا کہ سبھی اسے دیکھیں اور سب لوگوں کی نظریں اس کی دغا بازی کا مشاہدہ کرتی ہوں گی:

[لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ]

''قیامت کے دن ہر دغا باز کے لیے ایک جھنڈا ہوگا کہا جائے گا: یہ فلاں کی دغا بازی ہے۔''[2]

قیامت کے روز ان کی رسوائی اور شرمندگی اس وقت مزید بڑھ جائے گی جب وہ اس رسول مکرم ﷺ کو یوں پائیں گے جن پر اس خوفناک مقام پر شفاعت کی امیدیں وابستہ ہوں گی کہ وہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ان لوگوں سے خود لڑنے والے ہوں گے کیونکہ انہوں نے دغا بازی والے بھاری جرم کا ارتکاب کیا ہوگا، بلاشبہ یہ بہت بڑا جرم ہے جو اس کے مرتکب کے لیے رحمت الٰہی کے سامنے آڑ بن جائے گا اور اس کے رسول ﷺ کی شفاعت سے اسے محروم کر دے گا:

---

[1] صحيح مسلم، الايمان، باب من غشنا فليس منا، حديث: 102. [2] صحيح البخاري، الجهاد، باب اثم الغادر، حديث: 3186-3188 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث: 1735-1738.

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قیامت کے دن میں تین طرح کے لوگوں سے جھگڑوں گا:
وہ آدمی جس نے میرے نام پر دیا پھر بے وفائی اور دھوکا دہی کی، وہ آدمی جس نے کسی آزاد کو فروخت کیا پھر اس کی قیمت کھائی، اور وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اس سے کام تو پورا لیا لیکن اسے اس کی مزدوری نہ دی۔"[1]

بلاشبہ وہ سچی مسلمان خاتون جس نے اپنے سچے دین کی ہدایت سے سیرابی پائی ہے وہ ملاوٹ، دھوکے، فریب اور دغابازی کے اخلاق سیئہ کی تمام شکلوں اور صورتوں سے دور رہتی ہے جبکہ دور حاضر کی عورتوں میں یہ چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ یہ مسلمان خاتون اپنے نفس کو ان دھوکہ باز اور دغاباز عورتوں کے گروہ میں شامل ہونے اور ان کے راستے پر چلنے سے دور رکھتی ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے منافق عورتوں میں شمار کیا ہے:

"چار باتیں جس میں ہوں گی وہ پکا اور خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات ہوگی حتی کہ اسے چھوڑ دے جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو بے وفائی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔"[2]

وعدے کا پاس کرتی ہے

راست باز مسلمان خاتون کے اخلاق اور اس کے بلند درجہ خصائل وشمائل میں سے ایک وعدے کو وفا کرنے والا خلق بھی ہے، کیونکہ وہ راستی اور سچائی کا ساتھی ہے اور اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ اور اس کے لاتعداد ثمرات میں سے ایک ثمر ہے۔

وعدے کو وفا کرنا ایک عمدہ اور قابل تعریف خصلت ہے جو اس سے متصف خاتون کی ترقی پر غماز ہے، جو اس کی زندگی میں کامیابی پر مددگار اور لوگوں میں محبت، احترام اور مرتبہ

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب اثم من باع حرا، حديث : 2227. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34، وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث : 58 .

پانے کا ایک ذریعہ ہے۔

بچوں اور بچیوں میں اخلاقی اور نفسیاتی فضائل کو بونے کے لیے وفاداری اور ایفائے عہد کا اثر مخفی نہیں ہے جب وہ اپنی ماؤں کو اس سے آراستہ پائیں گے جو ان کے سامنے اعلیٰ نمونہ اور عمدہ مثالیں پیش کر رہی ہیں۔

وعدے کو وفا کرنے والی عادت مسلمان خاتون کے ہاں ایک معاشرتی زینت نہیں ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے ساتھیوں، ہم عمروں اور سہیلیوں پر فخر کرتی ہو بلکہ یہ تو بنیادی اسلامی اخلاقیات میں سے ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ تو صحتِ ایمان اور صدقِ اسلام پر واضح دلیل ہے۔ اس کو پائیدار بنانے اور اس سے کردار کو آراستہ کرنے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں بے شمار نصوص وارد ہیں:

''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔''[1]

''اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔''[2]

اور یہ بھی جان لیں کہ بعض آیات میں عہد کو اللہ تعالیٰ کی جانب بھی منسوب اور مضاف کیا گیا ہے جو اس عہد کی عظمت اور فرضیت پر دلالت کرتی ہیں:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو۔''[3]

یہی وجہ ہے کہ اسلام بدزبانی کرنے والے مردوں اور عورتوں، وعدوں پر بڑائی جتانے والے مردوں اور عورتوں اور بہت زیادہ بولنے والے مردوں اور عورتوں پر ناراض ہوتا ہے جو عملاً کچھ نہیں کرتے نہ انہیں پورا کرتے ہیں اور نہ انہیں نبھاتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾

''اے مسلمانو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا

---

[1] المائدۃ 5:1۔ [2] الاسراء 17:34۔ [3] النحل 16:91۔

اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور مومن خواتین کے لیے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ وہ بکواس اور یاوہ گوئی کے گڑھوں کے قریب ہوں یا خالی خولی بے مقصد وعدوں کو کرتے پھریں، پھر ان کی خلاف ورزی کریں اور اپنے عہدوں سے جان چھڑاتے پھریں اور ان کے تقاضے پورے کرنے سے راہ فرار اختیار کرتے رہیں کیونکہ یہ باتیں مومنین اور مومنات کے لائق نہیں ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ کے ابتدائی حصے میں استفہام انکاری وارد ہے جو اس بڑی ناراضی کو بیان کررہا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے ناپسندیدہ قرار دے رہا ہے کہ اس میں مبتلا ہوں کہ وہ ایسی باتیں کہیں جو عملاً خود نہ کریں۔ اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

[آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ]

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امین ٹھہرایا جائے تو خیانت کرے۔''[2]

اور مسلم کی روایت میں ہے:

[وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ]

''اگرچہ وہ روزے رکھے، نمازیں پڑھے اور یہ گمان بھی رکھے کہ وہ مسلمان ہے۔''[3]

مسلمان خاتون کے وجود سے صرف وہی امور صادر ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں وعدہ خلافی نہ ہو، معاملات میں دھوکا و ملاوٹ شامل نہ ہو، وعدوں اور معاہدوں کی خیانت نہ ہو۔ راست گو اور اپنے دین حنیف کی تعلیمات کو سمجھنے والی مسلمان خاتون کی زندگی میں مذکورہ سب برائیاں نہیں ہوتیں، بلکہ اس کی روشن اور اعلیٰ ہدایت پر کاربند رہنے والی ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ سب چیزیں اسلامی اخلاقیات کے منافی ہیں اور ایسی چیزیں

---

[1] الصف 61:2، 3. [2] صحيح البخاري، الايمان، باب علامات المنافق، حديث : 33 وصحيح مسلم، الايمان، باب خصال المنافق، حديث : 59 . [3] صحيح مسلم، الايمان، باب بيان خصال المنافق.

صرف منافق مردوں اور منافق عورتوں کے برے اعمال ہی میں پائی جاسکتی ہیں۔ یہ حقیقت ان عورتوں کو جان لینی چاہیے جو اپنے بچوں کے ساتھ جھوٹ بولتی ہیں، ان سے وعدے کر کے وعدوں کی خلاف ورزی کر جاتی ہیں کہ وہ اپنے عملوں سے ان بچوں کے نفوس میں جھوٹ بولنے اور وعدوں کی خلاف ورزی کے بیج بو رہی ہیں، اور ان عورتوں کو جو اپنے وعدے کو دیوار پر پھینک مارتی ہیں اور اپنے کیے ہوئے وعدوں کے الفاظ کی عظمت کی پاسداری نہیں کرتیں، ان کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ وہ اس خلاف ورزی کا ارتکاب کر کے اپنے وعدوں کو بے قدر بنا کے منافق خواتین کی جماعت میں داخل ہو رہی ہیں اور منافق کی سزا تو جیسے کہ مشہور ہے دوزخ میں نچلا طبقہ ہوگا۔

نفاق سے دامن بچا کر رکھتی ہے

راست گو ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنے اقوال اور احکام میں بالکل صاف ہوتی ہے، وہ منافقت، مداہنت (چاپلوسی) حرام خوش مزاجی اور جھوٹی تعریفوں سے مکمل طور پر دور رہتی ہے، کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ بات جانتی ہے کہ منافقت حرام ہے اور ایک راست گو مسلمان کی شخصیت کے لائق نہیں ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے منافقت اور چاپلوسی کی کیچڑ میں گرنے سے بچانے کے لیے راستے میں نشاناتِ راہ لگا دیے ہیں، جب نبی اکرم ﷺ نے بنی عامر کے لوگوں کو فرمایا تھا جو آپ کی ان لفظوں میں تعریف کرنے لگے تھے: ''آپ ہمارے سید ہیں'' تو آپ نے فرمایا تھا: ''سید اللہ تعالیٰ ہے'' انہوں نے کہا: ''آپ فضیلت میں ہم سب سے افضل ہیں، اور مہربانی اور کرم وسخاوت میں ہم سب سے بڑھ کر ہیں'' فرمایا: ''اپنی باتیں کرو جو تم کہنا چاہتے ہو، پوری بات کر دیا کچھ بات کرو، اور شیطان تمہیں تکلف سے باتیں کرنے پر نہ اکسائے، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبے سے بلند کرو جس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[1]

[1] أحمد: (25،24/4) سنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية التماد، حديث:

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی تعریف کرنے میں حد سے آگے نکلنے پر مدح سراؤں کے لیے راستے بند کر دیے ہیں اور ان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جو قابل مدح وستائش بھی نہ ہوں، جب آپ نے اپنی مدح میں سیادت، فضیلت اور سخاوت کے اوصاف بیان کرنے والوں کو بھی روک اور ٹوک دیا تھا، حالانکہ آپ بلاشک وشبہ سید المرسلین، اعظم المسلمین اور افضل الناس ہیں کیونکہ آپ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اگر مدح وستائش کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیے گئے تو یہ لوگوں کو منافقت کے خطرناک میدانوں میں لے جائیں گے جس کی اسلام کی صاف، پاکیزہ اور بے عیب روح اجازت نہیں دیتی، جسے وہ حق بھی قبول نہیں کرتا جس حق پر یہ دین الٰہی کھڑا ہے، نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انسان کے روبرو اس کی مدح وستائش کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے کہ کہیں مدح کرنے والا انسان تکلف وتصنع کا شکار نہ ہو جائے تاکہ ممدوح کو غرور، تکبر، اکڑپن، غلبہ پسندی اور خود پسندی کا نشہ اور مستی نہ آن دبوچے۔

شیخین نے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص نے دوسرے آدمی کی ستائش بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیری خرابی ہو! تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی ہے، تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی ہے اور کئی بار یہی فرمایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی مدح وستائش کرنے کو ضروری سمجھتا ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے:

[اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ وَلَا اُزَكِّيْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا اَحْسِبُهٗ]

''میں فلاں کو ایسا خیال کرتا ہوں ویسے اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب رکھنے والا ہے،

4806۔ اس حدیث مبارکہ میں عربی الفاظ ''لایستجرینکم'' استعمال ہوئے ہیں یہ لفظ ''الجری'' سے ہے جس کا معنی وکیل ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے ہیں: وہ باتیں کرو جو تمہارے ذہنوں میں مستحضر ہیں مبالغہ آمیزی اور تکلف وتصنع سے باتیں نہ بناؤ جیسے کہ تم شیطان کے وکیل اور قاصد ہو گویا کہ تم اس کی زبان سے باتیں کر رہے ہو۔

میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں پاک نہیں کہتا میں صرف اس کے متعلق گمان ہی کرتا ہوں۔''

اگر وہ اس کے متعلق ایسی ایسی باتیں جانتا ہو تب کہے۔ ①

تعریف وستائش اگر ضرور ہی بیان کرنی ہو تو چاہیے کہ ممدوح کے حال کے مطابق ہو اور یہ چاہیے کہ معتدل اور محفوظ انداز سے ہو جس میں کوئی غلو ہو نہ زیادتی اور نہ ہی مبالغہ کی آمیزش ہو، اس ایک طریقہ سے ہی معاشرے کو منافقت، کذب بیانی، دھوکا دہی، ریاکاری اور ظلم وزیادتی کے وبائی امراض سے بچایا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ نے مدح وستائش سنانے کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس کے اس انسانی نفس پر، جو اس کے سننے کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے، بہت ہی زیادہ نفسیاتی اثرات ہیں تو پھر ممدوح لوگوں پر غرور کرتا، تکبر سے ناک چڑھاتا اور ان سے رخسار پھیرتا ہے۔ بالخصوص جب منافق جھوٹے دھوکے باز مداح، حکمران طبقے اور بڑے بڑے عہدے داروں اور سلطانوں کے اردگرد زیادہ تعداد میں ہو جائیں، تو پھر وہ ایسے لوگوں سے تعریفیں سننے کے عادی بن جائیں گے بالآخر وہ نصیحت اور تنقید کو سننا بھی گوارا نہیں کریں گے بلکہ تعریف وتقریظ، مدح وثنا اور خراج تحسین وصول کرنے اور خوشامدی انگیٹھیوں کے سلگانے کے علاوہ کچھ اور قبول ہی نہیں کریں گے۔ ایسی صورت حال کے بعد پھر تعجب نہیں کہ حق ضائع ہونے لگے، عدل کو قتل کر دیا جائے فضیلت ومعیار کو زندہ درگور کر دیا جائے اور معاشرہ تباہ وبرباد ہو جائے۔ ②

یہی باعث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ وہ مداحوں کے چہرے پر خاک ڈالیں تاکہ اسلامی معاشرے میں ان کی تعداد زیادہ نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے بڑھنے سے نفاق عام ہوتا ہے، مبالغہ آمیزی کی بہتات ہوتی ہے اور بلائیں

---

① صحيح البخاري، الادب، باب مايكره من التمادح، حديث: 6061 وصحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن الافراط في المدح، حديث: 3000 . ② أحمد : 32/5 واسناده صحيح.

عام ہوتی ہیں۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدح وستائش سے حرج محسوس کرتے تھے جب بھی مدح سرا انہیں اس پیمانے سے ناپتے تھے، حالانکہ وہ اس ستائش وتعریف کے زیادہ حقدار اور اہل بھی تھے، صرف اس کی خطرناکیوں اور اس کی ہلاکتوں سے ڈرتے ہوئے اور بنیادی اسلامی اخلاق سے آراستہ رہتے ہوئے جو ایسے ارزاں اور بے مقصد کلمات سے بہت بلند تھے۔ نافع رحمہ اللہ اور دیگر حضرات سے مروی ہے کہ کسی آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: يَا خَيْرَ النَّاسِ ! يَاابْنَ خَيْرِ النَّاسِ !یعنی اے لوگوں میں سے بہترین ! اے لوگوں میں سے بہترین کے صاحبزادے! تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں لوگوں میں سے بہترین نہیں ہوں اور نہ لوگوں میں سے بہترین کا صاحبزادہ ہوں بلکہ میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھتا ہوں اور اس سے ڈرتا بھی ہوں، اللہ کی قسم! تم کسی آدمی کے متعلق ایسی باتیں بناتے رہتے ہو حتی کہ اسے ہلاکت میں ڈال دیتے ہو۔[1]

بلاشبہ یہ ایک صحابی جلیل کا حکیمانہ مقولہ ہے جو اسلامی احساس کا شاہکار اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شناسا تھا اور اس سیرت کو اپنے ظاہر و باطن میں اختیار کرنے والا بھی تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے کہا: ہم بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں ہم ان کے پاس ان باتوں کے برخلاف باتیں کرتے ہیں جو ہم ان کے ہاں سے چلے آنے کے بعد کرتے ہیں، تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''ہم تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقت شمار کیا کرتے تھے۔''[2]

اور راست گو مسلمان خاتون کے لیے دینی ہدایت اس طرح کی ہے جو اسے منافقت کی خطرناک وادیوں میں گرنے سے بچاتی ہے، جس میں دور حاضر کی بے شمار خواتین گری ہوئی ہیں جبکہ وہ یہ بھی خیال رکھتی ہیں کہ انہوں نے خوش مزاجی کی حدود کو تجاوز نہیں کیا وہ یہ نہیں

---

[1] حياة الصحابة : 103/3 . [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب مايكره من ثناء السلطان، حديث : 7178.

جانتیں کہ کچھ خوش مزاجیاں حرام بھی ہوتی ہیں، وہ لاشعوری طور پر ایسی ہلاکت خیز اور ناپسندیدہ دور دراز کی وادیوں میں جا گرتی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ بیان حق سے خاموش رہتی ہیں یا ایسے لوگوں کی مدح وستائش کر گزرتی ہیں جو مدح وستائش کے حق دار ہی نہیں ہوتے۔

حیا داری سے متصف رہتی ہے

یہ بات طبعی امور میں سے ہے کہ عورت کی طبیعت میں حیا داری شامل ہے اور جو حیا داری یہاں پر میری مراد ہے اس کی علما کرام نے یوں تعریف کی ہے:

''وہ اعلیٰ اور عمدہ خلق جو ہمیشہ ترکِ قبیح کا باعث ہو اور حق والوں کے حقوق میں کوتاہی کے ارتکاب سے دور رکھے۔''

اور خود رسول اللہ ﷺ حیا داری میں اعلیٰ نمونہ تھے جس طرح کہ عظیم صحابی سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے آپ کی بابت بیان کیا ہے:

''رسول اکرم ﷺ کسی پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی بڑھ کر حیا دار تھے، آپ جب کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتے تو ہم اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک پر پہچان لیتے۔''[1]

رسول کریم ﷺ نے حیا داری کے خلق کو اپنی متعدد احادیث مبارکہ میں سراہا ہے۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اَلْحَیَآءُ لَا یَأْتِی إِلَّا بِخَیْرٍ]

''حیا بجز خیر کے کچھ نہیں لاتا۔''[2]

اور صحیح مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے:

---

① صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ حديث : 3562 وصحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه صلى الله عليه وسلم، حديث : 2320 . ② صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث : 6117 وصحيح مسلم، الايمان، باب شعب الايمان، حديث : 37.

''حیا سب کا سب ہی خیر ہے۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان رسول ﷺ مروی ہے فرمایا:

[وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ]

''اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''[2]

بلا شبہ راست گو متقی مسلمان خاتون شرم و حیا کا پیکر، مہذب، خوش مزاج اور بیدار شعور ہوتی ہے اس سے کوئی ایسا فعل یا قول صادر نہیں ہوتا جو لوگوں کو اذیت دیتا ہو یا ان کے اعزازات و کرامات کو مخدوش کرتا ہو۔

وہ اس لیے کہ حیا کی عادت جو اس کی طبیعت میں مضبوط ہو چکی ہو اور جو اسلامی حیا کے فہم سے تائید یافتہ ہو، اسے شرع کی مخالفت سے روکتی رہتی ہے اور لوگوں سے معاملات طے کرنے میں ہر طرح کے انحراف اور کجی سے دور رکھتی ہے، وہ صرف انہی سے شرم و حیا نہیں کرتی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے حیا رکھتی ہے اور اس سے اپنے دامن کو بچائے رکھتی ہے کہ اس کے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ ہو کیونکہ حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس تک عورت حیا داری سے آراستہ ہو کر پہنچ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ با حیا مسلمان خاتون اس مغربی خاتون سے ممتاز نظر آتی ہے جو اپنے تمام حجابات و نقابات کو اتار چکی ہے۔

صاحب عفت اور خود دار ہوتی ہے

مسلمان خاتون کی عادات میں سے عفت اور خود داری بھی ہیں جب کبھی اسے کوئی تنگی لاحق ہوتی اور اسے کوئی فاقہ کی نوبت آتی ہے تو وہ صبر کا دامن تھام کر رکھتی، عفت و خود داری سے تمسک رکھتی اور لاحق ہونے والے فاقے کے بحران سے نکلنے کے لیے اپنی جدو جہد کو بڑھا لیتی ہے، اس کیفیت اور صورت حال میں دستِ سوال اور دستِ بھیک بالکل دراز نہیں

---

[1] صحيح مسلم الايمان، حواله سابق. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب أمور الايمان، حديث : 9 و صحيح مسلم، الإيمان، باب شعب الايمان، حديث : 35 .

کرتی اور نہ ہی ایسا سوچتی ہے بلکہ اسلام اس صورت حال اور موقف میں راست باز مسلمان خاتون کو اس درجہ تک گرنے سے بچاتا ہے اور اسے پاکدامنی، استغناء اور صبر کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا اور صبر وغنا اور پاکدامنی پر اسے ثابت قدم رکھتا ہے:

[مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا أُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ]

''جو پاکدامنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن بنا دیتا ہے، اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن تھام کر رکھنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توفیقِ صبر بھی دے دیتا ہے، اور کوئی بھی ایسی عطا وعنایت نہیں دیا گیا جو بہتری اور کشادگی میں صبر سے بڑھ کر ہو۔''[1]

وہ عورت جو اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی ہے یقیناً جانتی ہے کہ اسلام نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کا حق مقرر کیا ہے۔ وہ بغیر کسی احسان مندی، اذیت اور ملامت کے اس کا تقاضا کر سکتے ہیں، وہی اسلام بیک وقت فقراء سے یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اس حق سے بے نیاز رہنے کی کوشش کریں اور یہ اعلان کرتا ہے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ مسلمان خواہ مرد ہوں یا عورتیں اپنے ہاتھوں کو نیچے والا نہ بنائیں، یہ ان کے لیے زیادہ بہتر لائق اور عزت بخش ہے اور اس میں کم دولت والوں اور تھوڑے سرمائے والیوں کو بھی درس ہے کہ وہ اپنی کوششیں تیز تر کر دیں، صدقات وعنایات پر ہی بھروسا نہ رکھیں، اس طرز میں ان کے چہرے کی رونق وتازگی کی بھی حفاظت ہے اور ان کی شرافت وخودداری کی بھی ضمانت ہے تاکہ کسی دن انہیں کوئی اذیت نہ دیکھنی پڑے، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ منبر پر اعلان فرماتے ہوئے صدقہ کرنے اور دستِ سوال دراز کرنے

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، حديث : 1469 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل التعفف والصبر، حديث : 1053 .

سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں:

[اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ]

''دست بالا دست زیریں سے بہتر ہے اور دست بالا خرچ کرنے والا ہے جبکہ دستِ زیریں مانگنے والا ہے۔''[1]

بے مقصد امور میں دخل اندازی نہیں کرتی

سمجھدار مسلمان خاتون ذہین اور ہوشمند ہوتی ہے لایعنی اور بے مقصد امور میں دخل نہیں دیتی اور نہ ہی اپنے اردگرد کی خواتین کے نجی حالات کی بحث و کرید کرتے ہوئے اپنی آنکھوں کو دراز کرتی ہے اور نہ ہی ان کے خاص امور میں اپنے آپ کو دھنساتی ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے مخصوص کام میں اپنے نفس کو چپکاتی ہے اور نہ ہی قریب یا بعید سے اس کے پیچھے پڑتی ہے جس کا نتیجہ گناہ یا مواخذہ کی صورت میں سامنے آ سکتا ہو جب وہ فضول معاملات میں دخل اندازی سے اجتناب کرتی اور اپنے نفس کو لغویات سے بچائے رکھتی ہے تو پھر اپنے دین کے پختہ ترین اخلاق کو مضبوطی سے تھام لیتی ہے جس نے مسلمان انسان کو ایسے گھٹیا پن سے اسے بلند تر کر دیا ہے، اسے مکارم اخلاق سے آراستہ بنا دیا ہے اور اسے لوگوں سے معاملات طے کرنے میں بہترین راستہ اختیار کرنے کی رہنمائی کی ہے:

[مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ]

''آدمی کے بہترین اسلام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بے مقصد امور و اقوال کو چھوڑ دے۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، حدیث: 1033.

[2] سنن الترمذی ابواب الزھد، باب (11)، حدیث: 2317، وسنن ابن ماجه، الفتن، باب کف اللسان عن الفتنة، حدیث: 3976.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین باتیں پسند کرتا ہے اور تین باتیں ناپسند کرتا ہے جو تمہارے لیے پسند کرتا ہے وہ یہ ہیں: تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ، اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقے فرقے مت بنو، اور جو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں: فضول باتیں، سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔''[1]

بلاشبہ اس ربانی معاشرے میں جس کی اسلام پرورش کرتا ہے اس میں قیل وقال (فضول باتوں) اور کثرت سوالات کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس میں لوگوں کے خاص معاملات میں دخل اندازی کرنے کی اجازت ہے، کیونکہ اس معاشرے کے افراد مرد اور عورتیں اس سے بڑے اور اہم ترین مقصد کے لیے کوشاں رہتے ہیں، وہ تو زندگی میں اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ومصروف رہتے ہیں، ہر کوئی اپنے اپنے دائرہ کار میں اور اپنے مخصوص احاطے میں ہے۔ ان کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ ان گھٹیا امور کے پیچھے پڑیں۔

وہ بہتان بازی اور عیب جوئی سے دور رہتی ہے

متقی مسلمان خاتون لوگوں کے مخفی امور کی ٹوہ لگانے اور ان کی عزتوں کے پیچھے پڑنے سے اپنے کردار کو پاک صاف رکھتی ہے اور اس بات کو ناپسند کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایسی باتیں پھیلیں، اس سلسلے میں وہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ان ہدایات وتوجیہات پر عمل پیرا رہتی ہے جو ایسے فسادی مردوں اور فسادی عورتوں اور لوگوں کی عزتوں میں زبانیں ہلانے والوں اور والیوں کے متعلق دنیا وآخرت میں سخت ترین عذاب کی وعیدیں سناتی ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴾

---

[1] صحيح مسلم، الاقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، حديث: 1715.

’’جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔‘‘[1]

یہ اس وجہ سے کہ جو شخص معاشرے میں بے حیائی کی خبریں پھیلاتا ہے اور جو بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا ہے دونوں ہی برابر ہیں جس طرح کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

’’بے حیائی کی بات کرنے والا اور اسے پھیلانے والا گناہ میں برابر ہیں۔‘‘[2]

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون عورتوں کے پوشیدہ امور اور ان کے عیوب کی ٹوہ لگانے اور معاشرے میں لوگوں کی زبانوں پر ان کی تشہیر کرنے سے علاج نہیں کرتی بلکہ ان کے کانوں پر وعظ و نصیحت کو اچھے طریقے سے پیش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ان کے سامنے آراستہ کرنے سے اور ان کے نفوس میں معصیت کو ناپسندیدہ ٹھہرانے سے کرتی ہے، دورانِ اصلاح کوئی صراحت کرتی ہے اور نہ کوئی لعن طعن، نہ ہی کوئی روبرو بات کرتی ہے اور نہ ہی کوئی مقابلہ۔ پاکیزہ بات، اچھی نصیحت اور کانوں پر حق پیش کرنے میں اچھے انداز کو اختیار کرنے سے دلوں کے تالے کھلتے ہیں، نفس مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے اور اعضائے جسمانی میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تجسس کرنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے مخفی امور کی ٹوہ لگانے سے مندرجہ ذیل فرمان سے منع فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوا ﴾

’’اور بھید نہ ٹٹولا کرو۔‘‘[3]

کوتاہی کرنے والوں اور والیوں کی تشہیر کرنا ان کے پوشیدہ رازوں کو ٹٹولنا، ان کی ٹوہ میں لگے رہنا اور ان سے متعلقہ باتوں کی کرید کرتے رہنا صرف ان ہی کی اذیت کا باعث نہیں ہے بلکہ اس پورے معاشرے کو بھی اذیت ہوتی ہے جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں۔ اسی لیے تو قرآن کریم نے ان لوگوں کے متعلق وعید کو سخت الفاظ میں بیان کیا ہے جو

---

[1] النور 24:19۔ [2] الأدب المفرد:419/1 باب من سمع الفاحشة فافشاها. [3] الحجرات 49:12.

معاشرے میں بے حیائی اور برائی کو عام دیکھنے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ جس بھی معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے، عزتوں میں کرید بڑھتی ہے اور افواہیں، قیاس آرائیاں اور بدگمانیاں عام ہوتی ہیں تو اس میں ڈھیلے پن اور عداوت کی وبا سرایت کرنے لگتی ہے۔ نفوس پر معصیت کا ارتکاب آسان اور ہلکا بن جاتا ہے، اخوت کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اس معاشرے کے افراد کے مابین عداوت، ناراضی، مکر اور بغض کی قلبی بیماریاں پھیل جاتی ہیں اور فساد عام ہو جاتا ہے۔ انھی باتوں کی طرف رسول اللہ ﷺ اپنے فرمان ذیل میں اشارہ فرما رہے ہیں:

''بلاشبہ تو اگر مسلمانوں کے عیوب اور پوشیدہ امور کی ٹوہ میں رہے گا تو تو انھیں فساد میں ڈال دے گا یا تو قریب ہے کہ انھیں فساد میں مبتلا کر دے۔''①

مذکورہ تمام باتوں کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے عزتوں کے بارے میں زبان ہلانے اور پوشیدہ امور کی ٹوہ لگانے پر سختی کا اظہار فرمایا ہے اور جو شخص اس سلسلے میں سستی کا مظاہرہ کرے گا اسے پردہ دری کی اور رسوائی ہونے کی وعید بھی سنائی گئی ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی جم کر بیٹھا رہے:

[لَا تُؤْذُوا عِبَادَ اللّٰهِ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَطَلَّبَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ]

''اللہ کے بندوں کو اذیت نہ پہنچاؤ، اور نہ انھیں عار دلاؤ، نہ ان کے مخفی رازوں کی ٹوہ میں رہو، کیونکہ جو اپنے کسی مسلمان بھائی کے راز کی ٹوہ میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مخفی راز کو عیاں کر دے گا حتی کہ اسے اس کے گھر ہی میں ذلیل و رسوا کر ڈالے گا۔''②

ریاکاری بھی نہیں کرتی

صاحب بصیرت ہدایت یافتہ مسلمان خاتون ریاکاری، فخر و غرور اور اکڑفوں کے تالاب

① سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن التجسس، حديث: 4888 باسناد صحيح.
② مسند أحمد: 279/5 واسناده حسن.

میں نہیں گرتی کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت کے ساتھ نجات پاتی اور دامن کو بچائے رکھتی ہے، کیونکہ جب اس نے بخوبی جان لیا ہے کہ اس کے دین کا لب لباب قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص پیش کرنا ہے اور یہ بھی جان چکی ہوتی ہے کہ اس ریا کاری کا بس یہی نتیجہ ہے کہ اجر ضائع ہوتا ہے، عمل برباد ہو جاتا ہے اور ایسے کام کرنے والے کے لیے روز قیامت رسوائی ہی رسوائی ہوگی۔

اور یہ سزا اس لیے ہے کہ انس وجن کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت الٰہی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''[1]

اور اس عبادت کو اللہ تعالیٰ تب ہی قبول فرماتے ہیں جب وہ خالص اس کی رضا کے لیے کی گئی ہو۔

ریا کار لوگ لوگوں کے سامنے نیک عمل ظاہر کرتے ہیں ان کا مطلوب ومقصود رضائے رب رحمان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا بیان بایں الفاظ کیا ہے:

﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴾

''صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔''[2]

اسی لیے ان کے اعمال مردود ہو جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی شریک بنایا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے خالص اور شرک کی آمیزش سے صاف ہوتا ہے جس طرح کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

[قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ

---

[1] الذاریات 51:56. [2] النسآء 4:142.

فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ، تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ]

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں شراکت کے معاملے میں تمام شریکوں سے بڑھ کر بے نیاز ہوں، جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ میں کافی شرح و تفصیل بیان فرما دی ہے اور اس بھیانک رسوائی کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے جس سے ریاکار بڑے دن کی پیشی میں دوچار ہونے والے ہیں جس دن کوئی مال و زر فائدہ مند ہوگا اور نہ بیٹے ہی کام آسکیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سلامتی والا دل لے کر آئے گا یہ باتیں بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ میں موجود ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"تمام لوگوں میں سے قیامت کے روز جس آدمی کے بارے میں سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ آدمی ہوگا جو شہید کیا گیا تھا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمت کی پہچان کروائے گا جسے وہ پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اس کے ساتھ کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستے میں قتال کیا حتیٰ کہ میں شہید کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ کہہ دیا جائے: بہادر ہے! سو کہہ دیا گیا، پھر اس کے متعلق حکم ہوگا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

ایک وہ آدمی ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسے سکھایا ہوگا، اس نے قرآن پڑھا ہوگا، اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے بھی اپنی نعمتوں کی پہچان کروائے گا جنھیں وہ پہچانے گا، پھر اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا: تو نے ان کے ساتھ کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اسے سکھایا، میں نے تیری رضا کے لیے قرآن کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے تو نے اس لیے علم سیکھا تھا تاکہ کہہ دیا جائے: عالم ہے، تو نے قرآن کی

[1] صحیح مسلم، الزهد، باب تحریم الریاء، حدیث: 2985.

تلاوت کی تا کہ کہا جائے: قاری ہے! اور یہ کہہ دیا گیا۔ پھر اس کے متعلق حکم ملے گا اور اسے چہرے کے بل گھسیٹا جائے گا، بالآخر آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

ایک وہ آدمی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت وفراخی دی تھی اور اسے انواع واقسام کے مال ودولت عطا فرمائے تھے، اسے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے روبرو بھی اپنی نعمتوں کو یاد کروائے گا جنھیں وہ یاد کرے گا، اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا: تو نے ان کی موجودگی میں کیا عمل کیے؟ وہ کہے گا: میں نے کوئی بھی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں مال خرچ کرنے کو تو محبوب رکھتا تھا مگر میں نے اس میں تیری رضاجوئی کے لیے مال ودولت خرچ کر دیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ تو نے تو اس لیے یہ کام کیے تھے تا کہ کہا جائے: بڑا سخی اور فیاض ہے! اور وہ کہہ دیا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتیٰ کہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔''[1]

وہ ہوشمند مسلمان خاتون جس نے اپنے پروردگار کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت سے ربانی ہدایت کی تازہ ہوا کے جھونکوں سے استراحت پائی ہے وہ اپنے نفس کو ریاکاری کی تمام شکلوں صورتوں سے دور رکھتی ہے، وہ اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حضور خلوص واخلاص پیش کرنے کی انتہائی حریص رہتی ہے، وہ تو اپنے اعمال سے اس کے وجہ کریم کی متلاشی رہتی ہے۔

وہ فیصلے میں عدل وانصاف سے کام لیتی ہے

بعض اوقات تقدیر مسلمان خاتون کو ایسی جگہ میں لے جاتی ہے جہاں پر اس سے اظہار رائے کرنے یا حکم صادر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اس مقام پر مسلمان خاتون کا ایمان، رشد وہدایت اور تقویٰ نکھر کر سامنے آتا ہے۔ لہٰذا ہدایت یافتہ مسلمان خاتون عدل سے فیصلہ کرتی ہے، ظلم وجور نہیں کرتی اور نہ ہی طرفداری سے کام لیتی ہے اور نہ خواہش نفس کی جانب ہی مائل ہوتی ہے، خواہ حالات وظروف کیسے ہی بن جائیں، کیونکہ وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ جانتی

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة، حديث: 1905.

ہے کہ عدل کرنا اور ظلم کو دور کرنا دین کے جوہر اور اصل سے ہے جس پر کتاب الٰہی اور اس کے رسول ﷺ کی سنت مبارکہ کی قطعی اور صریح نصوص ناطق ہیں، جو ایسا دوٹوک فیصلہ کر رہی ہیں جن میں کوئی رورعایت ہے اور نہ ہی ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انھیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔''[1]

وہ عدل وانصاف جس کی حقیقت وکنہ کو مسلمان خاتون نے اپنے دین کی ہدایت سے سمجھا ہے وہ تو خالص صاف شفاف اور کھرا عدل ہے، اس کے میزان عدل کو محبت اور بغض کسی جانب جھکا نہیں سکتے اور نہ ہی اس کو نکھارنے میں کوئی پیار یا قرابت داری یا نسب یا طبعی جھکاؤ ہی اثر انداز ہوسکتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''[2]

مزید یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ﴾

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت والا ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو

---

① النسآء 4:58. ② المائدة 5:8.

عہد کیا اس کو پورا کرو۔‘‘[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے تو عدل کی اعلیٰ مثال قائم کر دی ہے جب آپ کے پاس اس مخزومیہ خاتون کی سفارش کرنے کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آئے تھے جس نے چوری کر لی تھا اور رسول مکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا پکا فیصلہ کر لیا تھا، انھیں یوں فرمایا تھا:

’’کیا تو حدود اللہ میں سے ایک حد میں سفارش کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی صاحبزادی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔‘‘[2]

بلاشبہ یہی مطلق اور عام عدل ہے جسے ہر صغیر و کبیر پر اور سربراہ و رعایا پر اور ہر مسلم اور غیر مسلم پر نافذ کیا جائے گا، اس کی گرفت سے کوئی بھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ یہی عدل تو ہے جو اسلامی اور دیگر معاشروں کے درمیان راستہ الگ الگ کرتا ہے۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ تاریخ نے اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے اور جس کے سامنے پورے جہاں کے عدل و انصاف کی محفلیں اتنے زمانے گزرنے کے باوجود انگشت بدنداں ہیں، وہ ہے امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اپنے اس مدمقابل اور حریف یہودی کے پہلو میں قاضی شریح کے سامنے کھڑا ہونا جس نے آپ کی زرہ چوری کی تھی۔ قاضی کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے، یہودی کے خلاف ثبوت کا مطالبہ کرنے سے ان کا مقام و مرتبہ بالکل آڑے نہ آیا تھا۔ اور جس وقت امیر المومنین کوئی ثبوت و شہادت پیش نہ کر سکے تو قاضی نے امیر المومنین کے خلاف اور یہودی کے حق میں فیصلہ سنایا تھا۔ تاریخ اسلام اس طرح کی مثالوں سے معمور و لبریز ہے جو اسلامی معاشرے میں حق اور عدل کی سیادت پر دلالت کناں ہیں۔

وہ کسی پر ظلم نہیں کرتی

متقی مسلمان خاتون اپنے اقوال و افعال میں عدل کی حریص ہونے کے بقدر اپنے اقوال و افعال میں ظلم سے بھی بچتی ہے، کیونکہ ظلم روز قیامت کئی تاریکیاں بن جائے گا جن میں ظالم

---

[1] الأنعام 6:152. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد، حديث: 6788، صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف، حديث: 1688.

مرد اور ظالم عورتیں سرگرداں پھریں گے جس طرح کہ عظیم نبوی ہدایت نے اسے بیان کیا ہے:

[اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ]

''ظلم سے بچ جاؤ، کیونکہ ظلم قیامت کے دن، تاریکیوں میں بدل جائے گا۔'' [1]

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو قطعی طور پر حرام کر دیا ہے، جس میں کسی اجتہاد یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ بات حدیث قدسی میں موجود ہے:

[يَا عِبَادِيْ! إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا]

''اے میرے بندو! میں نے اپنی جان پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور میں نے اسے تمھارے درمیان بھی حرام ہی ٹھہرایا ہے لہٰذا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' [2]

اور جب وہ اللہ جو خالق، بادشاہ، غالب، زبردست اور بڑی عظمت والا ہے اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دے چکا ہے اور اس نے اسے بندوں کے درمیان بھی حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے بعد ایک فانی کمزور بندے کے لیے کس طرح جائز اور روا ہو سکتا ہے کہ اپنے انسان بھائی پر ظلم کرتا پھرے؟ بلاشبہ رسول کریم ﷺ نے عقیدے اور دین کے بھائیوں پر ظلم کرنے کی نفی فرما دی ہے، خواہ ان کے باہمی حالات، اسباب اور تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ اپنے دین کے مضبوط کڑے کو تھامنے والے مسلمان انسان سے ظلم کا وقوع سوچا بھی نہیں جا سکتا:

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے، اور جو کوئی مسلمان سے کسی مصیبت و پریشانی کو ہٹاتا ہے اللہ تعالیٰ روز قیامت کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو اس سے ہٹا دیں گے اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کریں گے۔'' [3]

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2578. [2] صحيح مسلم، حواله سابق، حديث: 2577. [3] صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان انسان سے ظلم کی نفی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بلکہ اپنے بھائی کو دشمن کے حوالے کرنے یا اسے بے یارومددگار چھوڑنے کی بھی نفی فرما دی ہے کیونکہ اس حوالگی اور بے یارومددگار چھوڑنے میں بھی ظلم ہی ہے اور کتنا بڑا ظلم ہے، اور ساتھ ہی اپنے بھائی کی حاجت برآری کرنے، اس سے پریشانی کو ہٹانے کی کوشش کرنے اور اس کی پردہ پوشی کرنے کی بھی ترغیب دی ہے گویا کہ آپ ﷺ ایسے فضائل سے پیچھے رہنے میں ظلم، تقصیر اور اس حق اخوت میں بربادی و ہلاکت کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں جس اخوت سے مسلمان اور اس کے بھائی کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔

ہم نے گزشتہ احادیث مبارکہ کی نصوص کو دیکھ لیا ہے جو عمومی اور مطلق عدل کی ترغیب دے رہی ہیں جس عدل کی میزان کو محبت یا بغض یا میلان یا قرابت داری یا نسب جھکا نہیں سکتے، ہم نے اس حدیث مبارکہ کے جملوں میں ملاحظہ کر لیا ہے جو ہمیں مطلق ظلم سے بھی روک رہے ہیں اور یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہر انسان پر عدل کو جاری کیا جائے، ہر انسان سے ظلم کو ہٹایا جائے۔

جس سے محبت نہ بھی ہو اس سے بھی انصاف کرتی ہے

بعض اوقات زندگی مسلمان خاتون کو ایسی عورتوں کے ساتھ، جن سے اسے محبت نہیں ہوتی، رہنے کو ضروری اور لازم بنا دیتی ہے جیسے کہ اس کے سسر کے گھر میں کوئی عورت ہو یا کوئی دوسری خاتون ہو جس کے ساتھ اس کا اتفاق و محبت نہ ہو اور جس کے ساتھ اس کا دل خوش اور مطمئن نہ ہوتا ہو۔ اور ایسا بہت سے گھرانوں میں ہوتا ہے، اور اس سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ روحیں ایک جگہ جمع کیے گئے لشکر ہیں، ان کے مابین جس قدر تعارف ہوا ہے اسی قدر ان میں باہمی الفت ہو گئی ہے اور جس قدر وہ ایک دوسرے سے ناواقف اور ناآشنا رہی ہیں اسی قدر ان میں اختلاف رہتا ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث

◄ المسلم ولا یسلمه، حدیث: 2442، وصحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث: 2580.

مبارکہ میں وضاحت فرمائی ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے، تو مسلمان خاتون جس کی اسلام نے اپنی ہدایت پر تربیت فرمادی ہے وہ ایسی صورت حال میں کس طرح بے خبر رہ سکتی ہے؟

کیا وہ اپنے تصرفات، معمولات، واقعات اور ردعمل میں منفی پہلو ہی اختیار کرے گی؟ یا وہ نرم دل، الفت کرنے والی، الفت پانے والی، خوش مزاج، انصاف پسند اور موقع شناس بن کر رہے گی حتی کہ ان خواتین کے ساتھ بھی جن سے اسے محبت نہیں ہے؟

تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ وہ مسلمان خاتون جس نے اسلامی ہدایت سے روشنی پائی ہے اور جس کی روح نے اسلام کی فیاضی اور روشن ومنور شعاعیں حاصل کر لی ہیں وہ تو خوش مزاج، انصاف پسند، موقع شناس اور سمجھدار بن کر رہے گی۔ وہ جسے ناپسند سمجھتی ہے اس کے پاس اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر نہیں کرے گی بلکہ اپنے دل ہی میں چھپائے رکھے گی، اس کا کوئی تصرف یا معاملہ یا ردعمل اس قدر پھیکا نہیں ہوگا کہ اس عورت کے خلاف جس سے وہ محبت نہیں رکھتی اس کا مخفی شعور کھل کر سامنے آجائے بلکہ یہ اپنے دل میں کراہیت کا احساس یا عدم محبت اور عدم اطمینان مخفی رکھتے ہوئے ایسا منظر پیش کرے گی کہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ لائے گی، اس کے ساتھ حسن سلوک اور ملائمت سے پیش آئے گی اور نرم لہجے میں اس سے گفتگو کرے گی۔ اور یہی وہ اخلاق ہے جس پر رسول اکرم ﷺ اور آپ کے معزز صحابہ کرام متمکن تھے، سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے:

''ہم کچھ لوگوں کے چہروں پر بظاہر ہنستے مسکراتے ہیں جبکہ ان پر ہمارے دل لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔''[1]

جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[اِئْذَنُوا لَهُ فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ]

''اسے آنے کی اجازت دے دو، لیکن وہ قبیلے کا برا بیٹا ہے یا قبیلے کا برا بھائی ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، الادب، باب المداراة مع الناس تعليقا في ترجمة الباب.

پھر جب وہ اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس سے انتہائی نرم لہجے میں گفتگو فرمائی، پھر میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق فرمایا جو بھی فرمایا، بعدازاں آپ نے اس سے انتہائی نرمی سے باتیں کیں، تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[اَیْ عَائِشَةُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ تَرَكَهُ۔ أَوْ وَدَعَهُ۔ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ]

''اری عائشہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے میں سب لوگوں میں سے برا وہ شخص ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی اور فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔''[1]

یہ اس لیے کہ لوگوں سے حسن سلوک، ان سے الفت کا برتاؤ اور ان سے نرمی سے گفتگو کرنا ایمان دار مردوں اور عورتوں کے اخلاق میں سے ہے مزید برآں بازو کو پست رکھنا، کلام کو نرم بنانا، دوران گفتگو لوگوں سے سختی کا رویہ چھوڑے رکھنا، الفت، باہمی محبت اور باہمی قربت ان اسباب میں سے ہیں جن پر اسلام نے رغبت دلائی ہے اور جنھیں اسلام نے لوگوں سے معاملات طے کرنے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تربیت کی ہے وہ اپنی پسند و ناپسند اور حب و کراہت میں اپنے جذبات کے پیچھے نہیں چلتی بلکہ وہ تو معتدل، عادل، واقعیت پسند اور اپنے فیصلوں میں بالخصوص جن کے ساتھ وہ محبت نہیں رکھتی انصاف پسند ہوتی ہے۔ تمام مقامات میں اپنی عقل، اپنے دین، اپنی رواداری اور اپنے اخلاق کو مضبوط و راسخ رکھتی ہے وہ بجز حق کے شہادت نہیں دیتی، وہ بجز انصاف کے کوئی فیصلہ نہیں کرتی وہ بجز عدل و انصاف کے کوئی بات نہیں کرتی، اپنے تمام معاملات اور فیصلوں میں وہ ان امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اعلیٰ کردار کو اپنانے کی کوشش جاری رکھتی ہے جو ایک دوسرے کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے عدل و انصاف اور تقویٰ کی چوٹی پر فائز تھیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب المداراة مع الناس، حديث: 6131، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب مداراة من يتقي فحشه، حديث: 2591 .

بلاشبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے زیادہ قریب تھیں، اس سلسلے میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ سے مقابلہ کیا کرتی تھیں، اور یہ قدرتی امر تھا کہ ان دونوں کے درمیان غیرت ہوتی ،لیکن یہ غیرت دونوں میں سے کسی کے آڑے نہیں آئی کہ وہ دوسری کے متعلق برحق گواہی دے اور اپنی بہن کو ان صفات سے متصف بیان کرے جن کی وہ حامل ہے، ان صفات میں سے کچھ کم نہ کرتی تھی جو اس کے متعلق وہ جانتی تھی اور کسی فضیلت و برتری کو چھپاتی بھی نہ تھی جس سے وہ متصف ہوتی۔

صحیح مسلم میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

''یہی وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مرتبہ وعزت پانے میں مجھ سے برابری کیا کرتی تھی، میں نے زینب سے بڑھ کر کبھی کوئی ایسی خاتون نہیں دیکھی جو دین میں بہترین ہو، وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والی، بات میں انتہائی زیادہ راست گو، بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، بہت زیادہ مقدار میں صدقہ کرنے والی اور اس کام میں، جس کے ذریعے وہ راستی و صداقت کو اختیار کرتی اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتی تھی، اپنے نفس کو انتہائی زیادہ عاجزی وفروتنی میں لانے والی تھی، البتہ وہ طبیعت کی قدرے گرم مزاج تھی لیکن وہ بھی بہت جلد ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھی۔''[1]

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ افک کی بابت اپنی گفتگو کے دوران میں فرماتی ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کی برائی سے بری قرار دے دیا تھا، آپ اس میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شہادت کو سراہتے ہوئے فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے معاملے میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے استفسار فرماتے ہیں، آپ نے پوچھا: اے زینب! تو کیا جانتی ہے؟ تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو بچا کر رکھتی ہوں، اللہ کی قسم! میں اس کے بارے میں بجز بھلائی کے کچھ نہیں جانتی۔'' پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''حالانکہ وہ مجھ سے مقابلہ بھی

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أم المؤمنين عائشة، حديث: 2442.

کیا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے تقویٰ کی بدولت محفوظ رکھا۔''①

جو شخص سیر اور طبقات کی کتب کا مطالعہ کرتا رہتا ہے وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ایسے متعدد اقوال و فرمودات پائے گا جن میں ایک سوکن دوسری سوکن کی تعریف و ستائش اور عدل و انصاف پر مبنی باتیں کرتی نظر آ رہی ہے۔ ان فرمودات میں سے ایک وہ بات ہے جسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتی ہیں: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس سے کثرت سے چیزیں لیا کرتے تھے، وہ بہت زیادہ نیک، شب زندہ دار اور دن کو روزے رکھنے والی تھیں، بکثرت نیک اعمال اور بکثرت کھانے تیار کرنے والی تھیں اور پھر وہ سب چیزیں مسکینوں پر صدقہ وخیرات کر دیا کرتی تھیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کی اطلاع ملی تو آپ سے یہ الفاظ مروی ہیں: ''وہ دنیا سے قابل ستائش حالت میں، انتہائی عبادت گزاری کے ساتھ اور یتیموں بیواؤں کی پناہ گاہ بن کر رخصت ہوئی ہیں۔''②

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ قول ہے: ''اللہ کی قسم! سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اس حال میں گئی ہیں...... بلاشبہ وہ ہم میں سے سب سے زیادہ متقی تھیں اور ہم میں سے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔''③

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا سوکنوں کے ساتھ یہ خلق، انصاف اور عدل تھا، حالانکہ ان کے درمیان غیرت اور مقابلہ بازی بھی چلتی رہتی تھی، ہم اس سے یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ان کا سوکنوں کے علاوہ دیگر خواتین کے ساتھ کس درجہ عمدہ اور اعلیٰ اخلاق ہو گا۔ بلاشبہ وہ ان مسلمان مستورات کے لیے اپنی عمدہ ترین سیرت اور اعلیٰ ترین اخلاقیات سے ترقی یافتہ انسانی معاشرت کا نمونہ مقرر کر رہی ہیں جو عقلمندی کے وسیع کناروں سے کراہیت و ناپسندیدگی کو ختم کر رہی ہیں اور غیرت کی غلو پسندی کو...... اگر وہ پائی بھی جائے...... انصاف،

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب [لو لا اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهن خيرا]، حديث: 4750، وصحيح مسلم، التوبة، باب في حديث: الافك، حديث: 2770.

② السمط الثمين: 110 والاستيعاب: 1851، والاصابة: 93/8. ③ الاصابة: 192/8.

احسان اور فوقیت لے جانے کی کوشش کو غالب کرنے سے محدود کر رہی ہیں، اس طریقے پر عمل پیرا ہو کر مسلمان خاتون اس عورت سے بھی انصاف کرتی ہے جس سے وہ محبت نہ بھی رکھتی ہو، اس کے ساتھ اس کی خواہ کسی درجہ کی قرابت داری ہو جو یا اس کا کوئی تعلق ہو، وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے عادل رہتی ہے اور اس کے ساتھ معاملہ طے کرتے ہوئے نرم مزاج، عقلمند اور باوقار اور سنجیدہ رہتی ہے۔

کسی کی مصیبت اور پریشانی پر خوش نہیں ہوتی

وہ متقی اور مسلمان خاتون جس کی روح نے اسلام کی ہدایتِ حنیفیت کو نوش کر لیا ہے، جس نے اس کے بلند ترین اور روشن اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کر لیا ہے وہ لوگوں میں سے کسی کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتی، کیونکہ کسی کی مصیبت پر خوشی منانا ایک گھٹیا، اذیت دہ اور مجروح کرنے والی بدعادت ہے جو اپنے دین کی ہدایت سے آشنا متقی خاتون میں نہیں ہو سکتی اور نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور اپنے اس فرمان گرامی سے اس کا ارتکاب کرنے سے خبردار بھی کیا ہے:

[لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ، فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَ يَبْتَلِيْكَ]

''اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر اظہارِ فرحت نہ کیا کر، کہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر کے تجھے اس میں مبتلا ہی نہ کر دے۔''[1]

وہ مسلمان خاتون جس کی اسلام نے تہذیب و تربیت کر دی ہو اس کے دل میں دوسروں کی برائیوں، مصیبتوں پر خوش ہونے والی کیفیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو مصیبت زدہ خواتین پر ترس کھانے والی اور انھیں تسلی دینے والی، ان کی پریشانی کو ہلکا کرنے کی کوشش کرنے والی اور ان کے دکھوں کو اپنا دکھ سمجھنے والی ہوتی ہے، جن نفوس میں ہدایتِ اسلام کی شمع فروزاں اور اس کی منور روشنی ضیاء پاشی کر چکی ہوتی ہے ان میں مصیبت پر خوشی منانے کو

[1] سنن ترمذی، صفة القيامة، باب (54)، حديث: 2506، وقال: حديث حسن صحيح.

جگہ نہیں مل سکتی بلکہ اسے صرف انھی نفوس میں جگہ ملتی ہے جو تاریک، سخت، ٹھوس، اور حقد و بغض رکھنے والے اور مکر، کینے سے بھرپور، کسی کو دکھ دے کر ٹھنڈک محسوس کرنے والے، اذیت، انتقام اور مصیبت کو دیکھ کر خوش ہونے والے ہوتے ہیں۔ اور مسلمان خاتون جو صاحبِ تقویٰ ہو وہ اس نوع کی تمام رذالتوں قباحتوں سے مکمل طور پر بیزار ہوتی ہے اور ان برائیوں سے حتیٰ المقدور دور رہتی ہے۔

بدگمانی نہیں کرتی

راست باز مسلمان خاتون کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں ایسا گمان نہیں کرتی جو بلا دلیل ہو، بلکہ وہ بہت زیادہ بدگمانی کرنے سے بچتی ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا حکم دیا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ﴾

''اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔''[1]

وہ اس بات کا ادراک کر لیتی ہے کہ لوگوں کے متعلق بدگمانی کرنے والے کو بسا اوقات بدگمانی گناہ میں بھی ڈال سکتی ہے بالخصوص جب گمان کرنے والا اپنے تصورات، اوہام اور اپنے اندیشوں کو بے مہار چھوڑ دے، پھر ایسا شخص لوگوں پر عیب لگاتا اور ان پر تہمت تراشتا ہے جبکہ وہ اس سے بری الذمہ اور لاتعلق ہوتے ہیں اور یہی وہ بدگمانی ہے جو اسلام میں حرام ہے۔

اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی سے اور لوگوں پر ان کی عدم موجودگی میں الزام لگانے سے جو حقیقت اور یقین سے دور ہوتے ہیں بڑی سختی سے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

[إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ]

''تم بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔''[2]

① الحجرات 12:49. ② صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، حديث: 6064، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن، حديث: 2563.

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ نے بدگمانی کو سب سے بڑی جھوٹی بات قرار دیا ہے جبکہ مسلمان اور متقی خاتون تو اپنے تمام تر اقوال میں صداقت و راستی کو تلاش کرتی ہے، اس کی زبان پر کوئی ایسی بات نہیں آتی جس میں جھوٹ کی آمیزش ہو، تو وہ کس طرح سب سے بڑی جھوٹی بات کر سکتی ہے؟ انسان تو اپنے بھائی کے بارے میں صرف ظاہری عمل کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے جسے وہ دیکھتا یا جانتا ہے، ہمارے اسلاف اس پر کاربند تھے خواہ وہ صحابہ کرام ہوں یا تابعین عظام جنھوں نے اس صاف ستھری ہدایت، جو ہر طرح کی میل کچیل اور شک و شبہ سے بالاتر ہے، کی ٹھنڈی ہواؤں میں پرورش پائی ہے۔

امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے یہ روایت بیان کی ہے، کہتے ہیں:
''میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: لوگ عہد نبوی میں بذریعہ وحی پکڑ لیے جاتے تھے، اب تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اب ہم تمھارا صرف انھیں اعمال پر مؤاخذہ کریں گے جو تم سے ظاہر ہوں گے جو ہمارے سامنے بھلائی ظاہر کرے گا ہم اسے امن دیں گے اور ہم اسے اپنے قریب کریں گے، اور اس کے مخفی اعمال میں سے ہمارے لیے کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی اس کے مخفی امور پر اس کا محاسبہ فرمائے گا اور جو شخص ہمارے سامنے برائی ظاہر کرے گا نہ تو ہم اسے امن دیں گے اور نہ ہم اس کی اس بات پر تصدیق ہی کریں گے کہ اس کا باطن نیک ہے۔''[1]

یہی باعث ہے کہ اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون تقویٰ اور عمل صالح کے اسباب کو اختیار کرتی ہے، اپنے ہر بول میں جسے وہ اپنے منہ سے نکالتی ہے محتاط رہتے ہوئے بولتی ہے، کہیں اس کی کسی دور و نزدیک والی مسلمان بہن کو نہ چھوئے، اپنے ہر فیصلے میں جسے وہ لوگوں کے حق میں صادر کرتی ہے خوب غور و فکر سے کام لیتی ہے وہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل کو یاد رکھتی ہے:

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ

---

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهداء العدول، حديث: 2641.

اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا ﴾

''جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔''[1]

وہ اس قطعی حکیمانہ نہی کے پاس کھڑی رہنے والی ہے وہ تو بجز علم کے کوئی کلام نہیں کرتی اور نہ بجز یقین کے کوئی فیصلہ ہی کرتی ہے۔

بلاشبہ متقی مسلمان خاتون ہمیشہ اس نگران اور تیار فرشتے سے ڈرتی رہتی ہے جو اس کے ہر بول کو شمار کرنے اور احاطہ تحریر میں لانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے، جو بول بھی وہ اپنی زبان سے نکالتی ہے اور جو حکم بھی اس کی زبان سے صادر ہوتا ہے تو اس طرح بدگمانی کے گناہ میں پڑنے سے وہ ہر دم ڈرتی اور کانپتی رہتی ہے:

﴿ مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ﴾

''انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔''[2]

بلاشبہ بیدار مغز مسلمان خاتون ہر بول کی ذمہ داری کو سمجھتی ہے جسے وہ اپنی زبان سے ادا کرتی ہے، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہر کلمہ جسے وہ ادا کرتی ہے یا تو اسے رضائے الٰہی کے مقامِ بلند پر اٹھاتا ہے یا اسے اس کی ناراضی اور غضب ناکی کے گھڑے میں گراتا ہے، اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی والا کوئی لفظ بولتا ہے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ لفظ اس کو وہاں تک پہنچا دے گا جہاں تک اس نے اسے پہنچا دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس لفظ کی وجہ سے اس کے لیے اپنی ملاقات والے دن تک اپنی رضامندی لکھ دیتے ہیں، اور بلاشبہ آدمی اللہ کی ناراضی والا کوئی بول بولتا ہے، اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ بول اسے وہاں تک پہنچا دے گا جہاں تک اس نے پہنچا چھوڑا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ اس بول کی وجہ سے روز قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دیتے ہیں۔''[3]

---

[1] بنيٓ إسرآء يل 36:17 . [2] ق 18:50 . [3] صحيح، الموطا: 985/2، الكلام، باب ما ◄◄

ایک بول کی ذمہ داری کس قدر بڑی ہے! اور زبانوں سے نکلنے والے فضول الفاظ اور یاوہ گوئی پر مرتب ہونے والے نتائج کس قدر گھناؤنے ہوتے ہیں!

بلاشبہ ذہین سمجھدار متقی مسلمان خاتون مجالس و محافل میں ہونے والی بے شمار باتوں، افواہوں، بدگمانیوں اور خیالوں پر دھیان نہیں دیتی بالخصوص آرام طلب اور فارغ البال عورتوں کی محفلوں میں مسلمان خاتون اپنے نفس پر ایسی باتوں، افواہوں اور بدگمانیوں کا بوجھ لادنے پر کسی صورت رضامند نہیں ہوتی، کہ پھر انھیں بلادلیل آگے بیان بھی کرے جب تک کسی بات کی صحت پر کوئی ثبوت یا یقین حاصل نہ کرلے، بلکہ وہ تو ان باتوں کو ثبوت حاصل کرنے سے قبل بیان کرنے کو اس حرام جھوٹ میں شمار کرتی ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ سے یہ نص وارد ہے:

[كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ]

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو بیان کرے۔“[1]

وہ غیبت اور چغلی سے اپنی زبان کو قابو میں رکھتی ہے

اپنی دینی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون متقی ہوتی ہے، وہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتی رہتی ہے، وہ اس امر کی حریص رہتی ہے کہ اس کی زبان سے نکلنے والی بات غیبت یا چغلی نہ ہو، جس کے باعث وہ اپنے رب کو ناراض کرلے اور غیبت کرنے والیوں یا چغلی کھانے والیوں کے زمرے میں شامل ہو جائے جن کے متعلق اسلامی نصوص میں سخت ترین وعیدیں وارد ہیں۔

وہ تو اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان گرامی پڑھتی رہتی ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

◄◄ يؤمر به من الحفظ في الكلام واللفظ له، صحيح البخاري، الرقاق، باب في حفظ اللسان، حديث: 6478، باختلاف يسير. [1] صحيح مسلم، المقدمه، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، حديث: 5.

فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''[1]

وہ غیبت کے گھناؤنے اور ناپسندیدہ جرم کو محسوس کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی مردہ بہن کا گوشت کھانے کے برابر رکھا گیا ہے، چنانچہ وہ توبہ کرنے کی جانب جلدی کرتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ختم فرمایا ہے، وہ اپنے گناہ سے معافی مانگنے کی طرف لپکتی ہے اگر کبھی اس کی زبان کسی کی غیبت کرنے سے آلودہ ہو جاتی ہے، تو وہ رسول اکرم ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان گرامی کی طرف کان لگاتی ہے:

[اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔''[2]

وہ احساس کر لیتی ہے کہ غیبت ایسا گناہ ہے جو زبان سے شہادتین کا اقرار کرنے والی مسلمان خاتون کے لائق نہیں ہے اور یقیناً جو خاتون اپنی مجلسوں میں غیبت کی عادی ہوتی ہے اس کا شمار صالح مسلمان خواتین میں نہیں ہوتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا: آپ کو صفیہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق فلاں فلاں بات ہی کافی ہے...... بعض راویوں نے کہا ہے: وہ آپ کا کوتاہ (چھوٹا) قد مراد لیتی تھیں...... تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ]

''تو نے تو ایسا لفظ بول دیا ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اسے بھی آلودہ بنا ڈالے۔''[3]

---

① الحجرات 12:49. ② صحيح مسلم، الايمان، باب بيان تفاضل الاسلام، حديث: 41.

③ سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4875، وسنن الترمذي، صفة◄◄

اور مسلمان خاتون ان سات تباہ و برباد کرنے والے گناہوں کی تفصیل بھی سنتی ہے، جن سے دامن بچانے کی طرف نبی اکرم ﷺ نے دعوت دی ہے اور دیکھتی ہے کہ ان میں غیبت سے بھی بڑھ کر خطرناک چیز موجود ہے اور وہ ہے بے خبر مومنہ پاکدامنہ خواتین پر تہمت لگانا، جس میں معاشرے کی بعض عورتیں واقع ہوتی رہتی ہیں:

''تم سات تباہ و برباد کرنے والی چیزوں سے دامن بچا کر رکھو، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون سی چیزیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے بجز حق کے، یتیم کا مال کھانا، سود خوری کرنا، میدان جنگ کے دن پشت دکھا کر بھاگ جانا اور پاکدامنہ بے خبر مومنہ خواتین پر تہمت لگانا۔''[1]

بلاشبہ صاحب بصیرت، اس بلند ترین نبوی ہدایت کو ازبر کرنے والی مسلمان خاتون غیبت کے معاملے میں بہت عمدہ موقف اختیار کرتی ہے، وہ اس کی تمام شکلوں میں سے کسی شکل میں واقع ہونے سے بچتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنی مجلس میں کسی کو غیبت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتی، بلکہ اپنی بہنوں سے بغاوت اور ظلم کی زبانوں کو روکتی ہے اور ان سے بری باتوں کو دفع کرتی ہے، صرف اور صرف اس فرمان رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

[مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيهِ بِالْغَيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ]

''جس نے اپنے بھائی کی کردار کشی سے اس کی عدم موجودگی میں دفاع کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے آگ سے آزاد کر دے۔''[2]

متقی مسلمان خاتون چغلی کھانے سے بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھتی ہے، بلاشبہ وہ معاشرے میں برائی، شر اور فساد پھیلانے میں چغلی کھانے کے خطرات کا ادراک کر لیتی ہے، اور اس

« القيامة، باب (51)، حديث: 2502، وقال: حديث حسن صحيح. [1] صحيح البخاري، الحدود، باب رمي المحصنات، حديث: 6857، وصحيح مسلم، الايمان، باب الكبائر واكبرها، حديث: 89. [2] رواه احمد: 461/6 باسناد حسن.

کے ساتھ افراد کی باہمی محبت اور پیار کی کڑیوں کے ٹوٹنے کو بھی بخوبی سمجھ جاتی ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

[خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ، وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ، اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ، اَلْبَاغُوْنَ لِلْبُرَآءِ الْعَنَتَ]

''اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بدترین بندے وہ لوگ ہیں جو چغلی کھانے والے، محبت رکھنے والوں کے مابین جدائی ڈالنے والے اور بے گناہوں کو مشقت و تکلیف پہنچانے والے ہیں۔''[1]

چغل خور خاتون کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ پیار رکھنے والوں کے درمیان فساد ڈالنے والی ہے، باہم نفرت پیدا کرنے والی ہے، اسے دنیاوی زندگی کی رسوائی اور آخرت کی ناکامی ہی کافی ہوگی اگر وہ اپنی سرکشی، ضلالت اور لوگوں کے درمیان چغلی کھانے کے مرض میں مبتلا رہے گی، یہ صحیح حدیث مبارکہ تو ہر چغل خور پر جنت کی نعمتوں کو مکمل طور پر حرام قرار دے رہی ہے:

[لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ]

''چغل خور جنت میں داخل ہی نہیں ہوگا۔''[2]

جس بات سے ایمان دار خاتون کا دل دہل جاتا اور چغلی کھانے کے خطرناک نتائج سے خوف و گھبراہٹ سے اس کا دل بھر جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چغلی کھانے والے ہر شخص پر اس وقت سے ہی عذاب الٰہی شروع ہو جائے گا جونہی وہ قبر میں رکھا جائے گا، یہ بات ہم اس صحیح حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے شیخین وغیرہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے، تو فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور انھیں کسی بڑے گناہ پر عذاب بھی نہیں دیا جا رہا، بس ان میں سے ایک

---

[1] رواه احمد: 227/4. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب ما يكره من النميمة، حديث: 6056، صحيح مسلم، الايمان، باب غلظ تحريم النميمة، حديث: 105.

چغلی کھاتا تھا جبکہ دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ فرمایا: پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک سبز ٹہنی منگوائی۔ اس کی دو شاخیں بنائیں، پھر ایک شاخ اس قبر پر گاڑ دی اور ایک اس قبر پر، پھر فرمایا: ''امید ہے جب تک یہ خشک نہ ہوں ان سے نرمی برتی جائے گی۔''[1]

بدزبانی سے اجتناب کرتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس کو اسلام نے مہذب بنا دیا ہو اس کی زبان پر بیہودہ بات یا کوئی بدزبانی والی گفتگو نہیں آتی، وہ کسی کو گالی یا دشنام نہیں دیتی؟ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اسلام کی اخلاقی توجیہات و ہدایات نے ان سے بڑی سختی سے منع کیا ہے، بلکہ گالی دینے کو فسق قرار دیا ہے جو آدمی کے اسلام کی اچھائی و نیک نامی کو داغدار بنا دیتی ہے اور فحش گو اور بدکلامی کرنے والے کو ناپسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض بنا کر پیش کیا ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ]

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''[2]

بلاشبہ یہ ایسی بدعادتیں ہیں جو اس مسلمان خاتون کے کسی طرح بھی لائق نہیں ہیں جس نے ربانی ہدایات کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے پائے ہیں اور جس کے دل میں ایمانی بشاشت پیوست ہو چکی ہے اور جس کی زبان اور خیالات کو شریعت بیضاء کی تعلیمات نے مہذب بنا دیا ہے۔ اسی لیے وہ الزام بازی اور باہمی بغض و عداوت سے بہت دور رہتی ہے جس میں گالی گلوچ اور تو تکار کا تبادلہ ہوتا ہے، بلکہ یہ بیدار مغز مسلمان خاتون اس اخلاقی انحطاط اور ہلاکت سے مزید دور ہوتی جاتی ہے جیسے جیسے وہ رسول اکرم ﷺ کے اقوال و

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب من الكبائر، لا يستتر من بوله، حديث: 216، صحيح مسلم، الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، حديث: 292. [2] صحيح البخاري، الادب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حديث: 6044، وصحيح مسلم، حديث: 64.

افعال اور سیرت معطرہ ومطہرہ کا اسوہ حسنہ اختیار کرتی جاتی ہے، آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ آپ نے زندگی بھر کبھی دل آزار بات نہیں کی جو کسی انسان کے جذبات کو اذیت دینے والی ہو یا اس کی سمع خراشی کرنے والی ہو یا اس کی کسی طور اہانت کرنے والی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے تو ان مشرکین کو لعنت کرنے سے بھی اپنی زبان کو بچا کر رکھا جنھوں نے آپ سے بے رخی برتی تھی اور آپ کی دعوت حق سننے سے اپنے دلوں کو بند کر لیا تھا، آپ نے تو کبھی انھیں اذیت نہیں پہنچائی، اور کبھی ان کے لیے تیز اور تیکھا لفظ نہیں بولا، اس کی خبر ہمیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیتے ہیں، جب آپ ﷺ سے عرض کی گئی یا رسول اللہ! آپ مشرکین کے لیے بددعا فرمائیں تو فرمایا:

[اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا، وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً]

''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ شر کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے اور نفوس سے ظلم و زیادتی اور حقد و بغض کی بیخ کنی کرنے میں بلند تر نظر آتے ہیں بلکہ آپ اس کی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں کیونکہ آپ ﷺ مسلمانوں کے لیے ایسا تصور پیش کر رہے ہیں کہ جو شخص لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنے میں اور ان کی عزتوں اور مالوں میں اپنی زبان کو بے لگام بنا لیتا ہے وہ اصل مفلس ہے جو دنیا اور آخرت میں خسارہ پائے گا، جب اس کی لوگوں پر ناسمجھی کی زیادتیاں اس کی زندگی میں کمائی ہوئی نیکیوں کو مٹا ڈالیں گی، اس کے تمام اعمال حسنہ کو ضائع کر دیں گی پھر اسے حساب کے خوفناک دن میں ایسا بے یار و مددگار چھوڑ دیں گی کہ اسے آگ سے بچانے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ پوچھتے ہیں:

''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم ہوں اور نہ ہی مال و متاع۔ فرمایا: ''بلاشبہ میری امت میں مفلس وہ شخص

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب من لعنه النبي ﷺ، حدیث: 2599.

ہوگا جو قیامت کے دن نمازوں، روزوں اور زکوۃ کے ہمراہ آئے گا، اور ساتھ ساتھ اس نے اس کو گالیاں دی ہوں گی، اس پر تہمت لگائی ہوگی، اس کا مال کھایا ہوگا، اس کا خون بہایا ہوگا، اور اسے مارا ہوگا، تو اس کو اور اس کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے واجب الاداامور نمٹانے سے قبل ہی ختم ہو جائیں گی تو ان (مظلوموں) کی خطائیں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے آتشِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔"[1]

بلاشبہ ان راست باز مسلمان خواتین کی زندگی سے جنھوں نے اسلام کے صاف شفاف اور خالص چشمے سے پانی پیا ہے ایسی فضول اور گھٹیا باتیں ختم ہو جاتی ہیں، ان میں ایسی چپقلشیں اور ایسے جھگڑے جو عورتوں کے اسلامی معاشرے میں سب وشتم اور گالی گلوچ کی طرف لے جاتے ہیں بالکل ہی ناپید ہو جاتے ہیں جو معاشرہ فضیلت، تہذیب اور انسانی جذبے کے احترام کی بنیادوں پر قائم ہے اور جو باہمی معاملات اور باہمی گفتگو میں معاشرتی ترقی کا ضامن ہے۔

کسی سے استہزا بھی نہیں کرتی

بلاشبہ اس مسلمان خاتون کی شخصیت جو تواضع کی محبت اور تکبر وغرور سے دوری کا شربت پلائی گئی ہے، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کو مذاق واستہزاء کرے، اس لیے کہ وہ قرآنی ہدایت جس نے اس خاتون میں تواضع کی محبت اور کبروغرور کی ناپسندیدگی کو بو دیا ہے۔ وہی تو ہے جس نے اسے عورتوں سے مذاق کرنے، انھیں بنظر حقارت دیکھنے اور ان سے استہزاء کرنے سے محفوظ رکھا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2581.

تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت سے مذاق نہ کرے، ممکن ہے کہ یہ اس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو، ایمان کے بعد گنہگاری برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔''[1]

وہ نبوی ہدایت کے سرچشموں سے تواضع اور نرم مزاجی کے جام بھی نوش کرتی ہے اور تکبر، ہنسی مذاق اور لوگوں کو حقیر جاننے سے اپنے دامن کو دور رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح مسلم میں مروی فرمان رسول ﷺ کا مطالعہ کرتی ہے کہ مسلمان خواتین کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا تو محض شر اور برائی ہے:

[بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ]

''آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔''[2]

لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرتی ہے

عورت کی طبیعت میں یہ بات ہے کہ وہ نرم دل، نرم مزاج، مشفق اور خوش مزاج ہوتی ہے اور یہ بات عورت کی تخلیق اور پیدائش کے بھی زیادہ لائق ہے۔ اسی لیے تو عورتوں کا نام ''صنف نازک'' اور ''جنس لطیف'' بھی رکھا جاتا ہے۔

وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین حنیف کی ہدایت سے سیرابی پائی ہو وہ اپنے گرد و نواح کی مستورات سے انتہائی نرم خو ہوتی ہے اور ان کے ساتھ معاشرت رکھنے میں انتہائی نرم مزاج اور ملائم خو ہوتی ہے کیونکہ نرمی، ملائمت اور سنجیدگی ایسی اعلیٰ صفات ہیں جنھیں

[1] الحجرات 49:11. [2] صحيح مسلم، البر، تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره، حديث: 2564 مطولا.

اللہ تعالیٰ بھی اپنے مومن بندوں میں محبوب رکھتے ہیں، کیونکہ جس میں بھی یہ صفات ہوں گی وہ صفات اسے دوسرے نفوس سے قریب ترین اور قلوب کا پسندیدہ و محبوب بنا دیں گی:

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۝وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴾

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔''[1]

یقیناً نصوص ایک دوسرے کی مدد کرنے والی اور پیہم وارد ہوئی ہیں جو نرمی کو محبوب بنا رہی ہیں اور اس پر ابھار رہی ہیں اور اس امر کی تاکید بیان کر رہی ہیں کہ یہ ایسی بلند صفت اور عمدہ خوبی ہے جو اس لائق ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے کی سیادت سنبھالے اور اس مسلم معاشرے کا ہر مسلم انسان جو اس معاشرے میں رہائش پذیر ہے اور اسلامی احکام کو یاد رکھتا ہے اور اس کی منور ہدایت سے روشنی پاتا ہے اسے نرمی سے متصف رہنا چاہیے۔ اور مسلمان خاتون کو اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ نرمی تو اللہ تعالیٰ کی بلند ترین صفات میں سے ایک صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے تمام امور میں پسند فرمایا ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور وہ تمام امور میں نرمی کو ہی پسند کرتا ہے۔''[2]

بلاشبہ نرمی تو ایک خلق عظیم ہے اللہ تعالیٰ اس پر اتنا زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے جتنا کسی اور خلق پر عطا نہیں فرماتا:

[إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى

① حم السجدة 41:34،35. ② صحيح البخاري، الادب، باب الرفق في الامر كله، حديث: 6024، صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حديث: 2165.

الْعُنُفِ، وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ]

''بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے، اور وہ نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر عطا نہیں کرتا اور وہ اس قدر کسی دوسری خوبی پر بھی عطا نہیں کرتا۔''①

بلند ترین نبوی ہدایت نرمی کو مزید مضبوط کر رہی ہے بلکہ اسے ہر چیز کی خوبصورتی قرار دے رہی ہے، جس چیز میں بھی نرمی آتی ہے اسے مزین اور نفوس و ابصار میں محبوب بنا دیتی ہے اور جس چیز سے بھی یہ کھینچ لی جاتی ہے تو اسے داغدار اور قلوب و ارواح کو اس سے متنفر بنا ڈالتی ہے:

[إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ]

''بلا شبہ نرمی کسی بھی چیز میں نہیں آتی مگر اسے مزین بنا دیتی ہے، اور کسی بھی چیز سے نکالی نہیں جاتی مگر اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔''②

رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کو لوگوں سے معاملات طے کرنے میں نرمی کا سبق دے رہے ہیں اور انھیں ایسا شاندار اور عمدہ تصرف کرنے کی درست رہنمائی فرما رہے ہیں جو ایسے مسلمان کے بالکل شایانِ شان ہے جو اللہ تعالیٰ کے مہربان اور بندوں کے ساتھ نرم دین کا پرچارک ہو، خواہ اس کا موقع کتنا ہی غصے اور ناگواری کو بھڑکانے والا ہو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کو کوسنے لگے، تب نبی اکرم ﷺ نے انھیں فرمایا:

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک پانی کا بھرا ڈول۔ یا پانی کا ڈول۔ بہا دو، کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، اور تنگی بنانے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''③

① صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث: 2593. ② صحیح مسلم، حوالہ سابق، حدیث: 2594. ③ صحیح البخاري، الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، حدیث: 220.

نرمی، آسانی، سہولت اور فراخدلی سے دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، لوگوں کو حق کی جانب دعوت ملتی ہے نہ کہ سختی، تنگی، شدت، گرفت اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ، اسی لیے تو اس باب میں رسول کریم ﷺ کی سیرت میں یہ بات ہے!

[بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا]

''خوشخبریاں دو، نفرتیں نہ دلاؤ، آسانیاں پیدا کرو اور تنگیاں نہ لاؤ۔''[1]

کیونکہ لوگ اپنی طبیعتوں کے اعتبار سے بدزبانی، سختی اور اکھڑ پن سے بھاگتے ہیں جبکہ رقت، خوش مزاجی، نرمی اور ملائمت سے الفت کرتے ہیں، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم ﷺ کو یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

''اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''[2]

پاکیزہ، نرم اور محبت بھرے بول نفس کے موڑوں اور گزرگاہوں میں اپنا راستہ بنا ہی لیتے ہیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ایسے بول مخاطبات کے دلوں میں مطلوبہ اثر پیدا کر ہی لیتے ہیں اور یہی وہ حکم تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو دیا تھا جب انھیں سرکش، متکبر اور خود پسند فرعون کے پاس بھیجا تھا:

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔''[3]

تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ نرمی اس دین کی ہدایت میں شامل ہے جو مکمل خیر ہی خیر ہے جو یہ صفت دے دیا گیا تو یقیناً اس نے مکمل خیر کا احاطہ کر لیا اور جو اس سے محروم ہو

---

[1] صحیح مسلم، الجهاد، باب في الامر بالتيسير، حديث: 1732. [2] آل عمران 3:159.
[3] طٰہٰ 20:43،44.

گیا تو یقیناً وہ کامل خیر ہی سے محروم ہو گیا اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جسے سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

''جو نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ تو خیر ہی سے محروم کر دیا گیا۔''[1]

اور بلند ترین نبوی ہدایت نے اس امر کو بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ خیر افراد، گھرانوں اور قوموں پر اس وقت تک مسلسل برستی ہے جب ان کی زندگی کی باگ ڈور نرمی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور یہ ان کے روشن و منور اور خوبصورت و خوبرو اخلاق میں سے بن جاتی ہے ہم یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں پاتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ فرمایا تھا:

''اے عائشہ! نرمی اختیار کر کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی گھرانے پر خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو انھیں نرمی کی راہ دکھاتے ہیں۔''[2]

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ]

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ان پر نرمی داخل کر دیتے ہیں۔''[3]

بلند ترین نبوی ہدایت انسان کو بلند لے جاتی ہے، وہ اس میں نرمی کی خو بوتی ہے اور اس سے نرمی کا اتنا مطالبہ کرتی ہے حتیٰ کہ ذبح ہونے والے جانور کے ساتھ بھی نرمی کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے اور اسے اس احسان میں شمار کرتی ہے جس پر صالح متقی لوگ فائز ہوتے ہیں:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھا ہے، تو جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، چاہیے کہ تم میں سے

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث: 2592. [2] رواہ احمد: 104/6، ورجالہ رجال الصحیح. [3] رواہ البزار، ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد: 18/8 باب ما جاء فی الرفق.

ہر ایک اپنی چھری کو تیز کرے اور چاہیے کہ اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔''[1]

بے زبان ذبح ہونے والے حیوان کے ساتھ نرمی اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے نفس میں نرمی والا مادہ موجود ہے جو ذبح کرنے والا ہے اور اس امر کی بھی دلیل ہے کہ وہ ہر ذی روح کے ساتھ رحمت و شفقت کرنے والا بنے، تو جس آدمی کے دل میں ایسے ذی روح حیوانات کے معاملے میں نرمی کا یہ درجہ قرار پکڑ لے گا تو وہ شخص انسان کے ساتھ کس درجہ نرمی کرنے والا اور کرم کرنے والا بن جائے گا۔

متقی مسلمان خاتون استطاعت رکھتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا اسلامی ہدایات کی روشنی میں بنی نوع انسان کے لیے نرمی کا تصور سمجھے حتیٰ کہ وہ نرمی حیوانات تک بھی پہنچنی چاہیے۔

وہ سراپا رحمت ہوتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس کے نفس نے اپنے فیاض اور فراخدل دین کی ہدایت سے سیرابی پائی ہوتی ہے وہ رحم دل اور مہربان بھی ہوتی ہے، اس کے قلبِ کبیر اور نفسِ طیب سے رحمت و مہربانی کے سرچشمے پھوٹتے ہیں، کیونکہ وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ اپنے گرد و نواح کے لوگوں پر اس کا مہربانی کا سلوک کرنا ہی آسمان سے رحمت و مہربانی لانے کا موجب اور ذریعہ بنے گا، اور جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رحمت نہیں ہوتی، اور رحمت الٰہی جس شخص سے بھی روک لی جائے تو وہ بلاشبہ اشقیاء، محرومین اور خاسرین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ارشادات صادر ہوئے ہیں:

[اِرْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ]

''تو اہل زمین پر رحم کھا آسمان والا تجھ پر رحم کھائے گا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الصيد، باب الامر باحسان الذبح، حديث: 1955. [2] رواه الطبراني، ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد: 187/8، باب رحمة الناس.

[مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ]

''جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''①

[لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ]

''رحمت نہیں کھینچی جاتی مگر بد بخت آدمی ہی سے۔''②

متقی مسلمان خاتون کے دل میں رحمت فقط اپنے اہل خانہ، اپنی اولاد، قرابت داروں اور رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے نفس میں رحمت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے حتیٰ کہ عوام الناس کو بھی اس میں شامل کرتی ہے، کیونکہ وہ اس نبوی ہدایت کو سنتی ہے جو تمام لوگوں کو شامل سمجھتی ہے اور اسے شروط ایمان میں سے ایک شرط قرار دیتی ہے:

''تم ہرگز ایمان دار نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تم ایک دوسرے پر رحم کرنے لگو، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم تو سبھی رحم کرنے والے ہیں، فرمایا: تمھارے ایک کا اپنے ساتھی پر رحم کرنا ہی صرف رحم نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں پر رحم کرنا اور رحمت کو عام کرنا رحم کرنا ہے۔''③

یقیناً رسول اللہ ﷺ اس خالص اور زبردست رحمت میں یکتا، بے مثال اور لاثانی و بے مثال تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ لوگوں کی امامت کرواتے ہوئے کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو نماز کو مختصر فرما دیتے، صرف ماں کی اپنے بچے کے متعلق بے قراری کا احساس فرماتے ہوئے۔

چند اعرابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بچوں کو چومتے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم تو انھیں نہیں چومتے، تب رسول اللہ ﷺ

① صحيح ابن حبان، حديث: 465، صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمة ﷺ الصبيان، حديث: 2319 بهذا اللفظ . ② الادب المفرد: 466/1، باب ارحم من في الارض، سنن أبي داود، الادب، باب في الرحمة، حديث: 4942 . ③ رواه الطبراني، ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد: 186/8 باب رحمة الناس.

نے فرمایا:

[اَوَ اَمۡلِكُ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنۡ قَلۡبِكَ الرَّحۡمَةَ؟]

''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا ہو تو میرا کیا اختیار ہے۔''[1]

رسول اکرم ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو چوما، تو اس وقت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ اقرع بولے: میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو کبھی ان میں سے کسی کو نہیں چوما، تب رسول اکرم ﷺ نے اس کی جانب دیکھا اور یوں فرمایا:

[مَنۡ لَّا يَرۡحَمُ لَا يُرۡحَمُ]

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو مسلمانوں پر امیر مقرر کرنا چاہا، تو آپ نے سنا کہ وہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ جیسا بول ہی بول رہا ہے، وہ اپنے بچوں کو چومتا نہیں ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہوئے اس کو تعینات کرنے سے ہٹ گئے:

''جب تیرا دل اپنی اولاد کے لیے رحمت و مہربانی سے نرم نہیں ہوتا تو تو لوگوں کے لیے کس طرح مہربان بن سکے گا؟ اللہ کی قسم! میں تجھے کبھی امارت پر تعینات نہیں کروں گا۔''

پھر اس حکم نامے کو چاک کر دیا جو اس کی تعیناتی کے لیے تیار کیا تھا۔

ایک حدیث مبارکہ جسے شیخین نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک وقت کی بات ہے کہ کوئی آدمی راستے میں چلا جا رہا تھا، اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں پایا، اس میں نیچے اترا، پانی پیا پھر باہر نکل آیا، تو کیا دیکھتا ہے

---

[1] صحيح البخاري، الادب، باب رحمة الولد و تقبيله ومعانقته، حديث: 5998، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال، حديث: 2317. [2] صحيح البخاري، حواله سابق، حديث: 5997، صحيح مسلم، حواله سابق، حديث: 2318.

کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے، جو مارے پیاس کے کیچڑ چاٹ رہا ہے، وہ شخص کہتا ہے: لگتا ہے اس کتے کو بھی ویسی ہی پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی تھی، چنانچہ وہ کنویں میں اترا، اپنے موزے کو پانی سے بھرا، پھر اسے اپنے منہ میں تھام کر اوپر چڑھا اور اس کتے کو پانی پلایا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر افزائی کی اور اسے معاف ہی کر دیا۔"

صحابہ کرام عرض کرتے ہیں: کیا ہمارے لیے ان جانوروں میں بھی اجر وثواب ہے؟ فرمایا: "ہر تر جگر رکھنے والے میں اجر وثواب ہے۔"①

شیخین نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"ایک عورت کو بلی کے باعث عذاب دیا گیا، جسے اس نے محبوس رکھا حتیٰ کہ بھوکی مر گئی، تو اس کی وجہ سے ہی آتشِ دوزخ میں داخل ہو گئی۔ فرمایا: لوگوں نے کہا...... واللہ اعلم...... نہ تو تو نے اسے کھلایا اور نہ ہی کچھ پلایا جب سے تو نے اسے محبوس کیا ہے، اور نہ ہی تو نے اسے آزاد چھوڑا ہے تاکہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔"②

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت کے روشن زینوں پر بلند سے بلند ہوتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ آپ اس کی غایت علیا تک پہنچ گئے ہیں، جب آپ نے ایک جگہ پر قیام فرمایا تو اچانک ایک چڑیا آپ کے سر مبارک پر آن کر اپنے پر پھڑ پھڑانے لگی، گویا کہ وہ آپ سے پناہ طلب کر رہی ہے اور اس آدمی کے ظلم کی شکایت بھی کر رہی ہے جس نے اس کے انڈے اٹھا لیے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم میں سے کسی نے اسے اس کے انڈوں کی وجہ سے پریشان کیا ہے؟" ایک آدمی بولا: یا رسول اللہ! میں نے اس کے انڈے اٹھائے ہیں، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① صحيح البخاري، الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6009، وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقي البهائم المحترمة، حديث: 2244. ② صحيح البخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء، حديث: 2365، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، حديث: 2242.

"اس پر رحم کھاؤ انھیں واپس رکھ آؤ۔"①

بلاشبہ نبی کریم صلوات اللہ علیہ تو انسانوں اور حیوانوں کے لیے سراپا رحمت تھے آپ تو ہمیشہ اپنی بلند ترین ہدایات میں لوگوں پر رحمت کرنے کی ترغیب ہی دیتے رہتے تھے، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں میں اسے گہرے سے گہرا بناتے رہے تھے، اس بات کی تاکید کرتے رہتے تھے کہ یہ بندوں کے ساتھ رحمت الٰہی کے حصول کی چابی ہے اور رحم کھانے والوں کے لیے اللہ کی معافی، اس کے ثواب اور اس کا درگزر حاصل کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، خواہ وہ لوگ نافرمان اور گناہ گار ہی کیوں نہ ہوں۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک وقت کی بات ہے کہ کوئی کتا کسی کنویں کے پاس گھوم رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس اسے مار ہی ڈالے گی، کہ اچانک اسے بنی اسرائیل کی طوائفوں میں سے ایک طوائف نے دیکھ لیا، اس نے اپنا موزہ اتارا، اس کے ساتھ اس کے لیے پانی کھینچا اسے پلایا، تو اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا۔"②

انسان پر رحمت کی کس قدر عظیم برکتیں ہیں! رحمت تیرے کیا کہنے! تو کس درجہ عمدہ ترین خوبی ہے جسے انسان اختیار کر سکتا ہے! اس رحمت کی شان و منزلت اور درجہ رفعت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت اور رب ذوالجلال نے اس لفظ سے اپنے اسماء گرامی رکھے ہیں یعنی وہ الرحیم اور الرحمٰن ہے!

کریم اور سخی ہوتی ہے

اپنے دینی احکامات کا اہتمام کرنے والی اور اس کے روشن اور فیاض اخلاق سے متصف ہونے والی مسلمان خاتون کی صفات میں سے سخاوت، جود و کرم اور عطا کرنا بھی ہیں وہ

① الادب المفرد: 472/1 باب اخذ البيض من الحمرة، وسنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث: 2675، ومسند أحمد: 404/1. ② صحيح مسلم، كتاب السلام، باب فضل سقي البهائم، حديث: 2245.

فیاضی وسخاوت کرنے والی ہوتی ہے، اس کے دونوں ہاتھ تنگ دستوں اور حاجت مندوں کے لیے کھلے رہتے ہیں، اس کے دونوں ہاتھ عطا کو پانی کی مثل بہاتے ہیں اور خیر کو بارش کی طرح خوب گراتے ہیں، جب بھی کوئی بلانے والا کسی خرچ کی جانب بلاتا ہے یا جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے جس میں خرچ کرنا قابل ستائش ہوتا ہے وہ اس بات پر مکمل وثوق رکھتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی خیر و بھلائی سے آگے بھیج رہی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے حکیم وعلیم ذات کے ہاں باقی اور محفوظ رکھا جا رہا ہے۔

﴿ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴾

''تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے۔''[1]

اور اس کا یہ بھی کامل ایمان ہے کہ وہ جو کچھ بھی فی سبیل اللہ خرچ کرتی ہے اس کا اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے کئی گناہ زیادہ معاوضہ ملنے والا ہے۔ جس کے ساتھ وہ دنیا میں عظیم مرتبے سے اور آخرت میں بہت ہی زیادہ اجر سے ہمکنار ہونے والی ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے، اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''[2]

﴿ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ﴾

''تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو، وہ اس کا عوض دیتا ہے۔''[3]

اور بلاشبہ وہ اس بات کا بھی ادراک رکھتی ہے کہ اگر وہ اپنے نفس کی بخیلی سے نہ بچائی گئی بلکہ اس پر مال و دولت اور خزانے جمع کرنے کی حرص ہی غالب رہی تو پھر اس کا مال تلف بھی

---

[1] البقرة 2:273. [2] البقرة 2:261. [3] سبا 34:39.

ہوسکتا ہے، اس کی دولت تباہی سے بھی دوچار ہوسکتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے آگاہ فرمادیا ہے:

''ہر روز، جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما، اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! کنجوس کے مال کو تلف فرمادے۔''[1]

اور حدیث قدسی میں ہے: ''اے ابن آدم! تو خرچ کر، تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔''[2]

سچی مسلمان خاتون اس بات پر بھی یقین رکھتی ہے کہ فی سبیل اللہ اس کا مال خرچ کرنا اس کے مال و جائداد میں سے کچھ بھی کم نہیں کرتا بلکہ اسے مزید بڑھاتا، اس کا تزکیہ کرتا اور اسے بابرکت بنا دیتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی اپنے فرمان گرامی میں یوں تاکید بیان فرمائی ہے:

[مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ]

''صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔''[3]

بلکہ وہ تو اس بات پر اعتقاد رکھتی ہے کہ اس نے جو کچھ راہ للہ خرچ کر دیا ہے درحقیقت وہی باقی ہے کیونکہ وہ اس کے صحیفۂ عمل میں درج کر دیا گیا ہے، اور جو اس کے علاوہ ہے وہ تو زائل ہونے والا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی نظروں کو جود و سخا اور انفاق و اکرام کے سلسلے میں اسی بلند ترین اقدار کی جانب مبذول فرمایا ہے جس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے ذبح شدہ بکری کے متعلق یہ استفسار فرمایا تھا: ''اس سے کتنا باقی بچ گیا ہے؟'' عرض کی: ''ایک دستی کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا۔''

---

① صحيح البخاري، الزكاة، باب قوله تعالىٰ:(فامامن اعطى واتقى) حديث : 1442، وصحيح مسلم، الزكاة، باب في المنفق والممسك، حديث : 1010. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: (وكان عرشه على الماء) حديث : 4684، وصحيح مسلم الزكاة، باب الحث على النفقة، حديث: 993. ③ صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث : 2588.

''تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس کی دستی کے سوا سارا ہی باقی رہ گیا ہے۔'' [1]

سخاوت کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت وہ بھی ہے جسے مسلمان خاتون جانتی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بایں الفاظ روایت کی ہے:

''نبی اکرم ﷺ عید کے دن باہر نکلے، آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اس سے قبل کوئی نماز پڑھی اور نہ ہی بعد میں پڑھی، پھر آپ عورتوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، تو عورتیں اپنی بالیاں اور ہار صدقہ کرنے لگیں۔'' [2]

امہات المومنین اور سلف صالحین کی خواتین نے سخاوت، جود و کرم اور صدقات و خیرات میں نہایت بلند ترین مثالیں قائم کی ہیں جنھیں تاریخ نے سنہرے حروف سے قلم بند کیا ہوا ہے۔

ان مثالوں میں سے ایک مثال وہ ہے جسے امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' [3] میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی میں یوں بیان فرمایا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ستر ہزار درہم صدقہ کیے جبکہ آپ قمیض پر پیوند بھی لگائے ہوئے تھیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے جو آپ رضی اللہ عنہا نے شام ہونے سے قبل ہی بانٹ دیے، آپ کی لونڈی نے آپ سے عرض کی: کاش کہ آپ ہمیں ایک درہم کا گوشت ہی خرید دیتیں، تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو تو نے مجھے کیوں نہ بتایا؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ایک لاکھ قیمت کا ایک ہار بھیجا، جسے آپ رضی اللہ عنہا نے امہات المومنین میں تقسیم فرما دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس دو بورے بھر کر مال و زر بھیجا، جس کی مالیت ایک لاکھ تھی، آپ رضی اللہ عنہا نے ایک بڑا طشت منگوایا، اور لوگوں میں اس مال و دولت کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب شام ہوئی تو فرمایا: اری لڑکی! میرا افطاری کا سامان لاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہا روزے رکھا کرتی تھیں، تو لونڈی بولی: ام المومنین! آپ نے تو ہمیں ایک درہم کا گوشت بھی

---

[1] سنن ترمذی، صفة القيامة، باب(23) حديث : 2470. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب القلائد والسخاب للنساء حديث : 5881. [3] سير أعلام النبلاء : 187/2.

خرید کر نہ دیا؟ فرمایا: مجھے سخت سست نہ کہہ، اگر تو مجھے یاد دلا دیتی تو میں منگوا دیتی۔

آپ کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا جو دوسخا میں آپ سے پیچھے نہ تھیں، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی عورت کو بھی زیادہ سخی وفیاض نہیں دیکھا۔اور ان دونوں کی سخاوت مختلف انداز کی ہوتی تھی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو چیزوں کو جمع کرتی رہتی تھیں جب آپ کے ہاں کچھ چیزیں جمع ہو جاتیں تو انہیں بانٹ دیتی تھیں لیکن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا تو کل کے لیے کوئی چیز جمع ہی نہ کرتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کام کرتی تھیں اور پھر کمائی کر کے صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا تمام امہات المومنین میں سے صدقہ وخیرات اور اعمال خیر میں سب سے لمبے ہاتھوں والی تھیں۔آپ ہی کے بارے میں وہ فرمان ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجات محترمات سے فرمایا تھا:

’’تم میں سے مجھے سب سے جلدی ملنے والی وہ ہوگی جو تم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہوگی۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: وہ سب ایک دوسری سے مقابلہ کیا کرتی تھیں کہ ان میں سے کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں، فرماتی ہیں: ہم میں لمبے ہاتھوں والی زینب تھی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرتی تھی اور صدقہ کیا کرتی تھی۔‘‘[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے کچھ عطیہ روانہ فرمایا، جب وہ آپ کے پاس لایا گیا، تو فرمانے لگیں: اللہ تعالیٰ عمر کو معاف فرمائے، میرے علاوہ میری دوسری بہنیں اس مال کو تقسیم کرنے پر زیادہ قوت رکھتی تھیں، انہوں نے بتایا: یہ سارا مال آپ ہی کے لیے ہے۔فرمانے لگیں: سبحان اللہ! اس کو ادھر کر دو اور اس پر کپڑا ڈال دو، پھر اس واقعہ کی راویہ برزہ بنت رافع سے فرماتی ہیں: کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر و اور اسے فلاں کی اولاد کو دے آؤ اور فلاں کے اہل وعیال کو دے آؤ جو سبھی آپ کے رشتہ دار تھے یا آپ کی کفالت میں یتیم تھے، بالآخر اس کپڑے کے نیچے معمولی سی رقم رہ گئی، برزہ بنت رافع نے آپ سے

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب فضائل ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا حدیث: 2452.

عرض کی: ام المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، اللہ کی قسم! اس مال میں ہمارا بھی تو حق ہے۔ تب فرمانے لگیں: جو کپڑے کے نیچے ہے وہ سارا تمھارا ہے تو ہمیں اس کے نیچے سے پچاس درہم ملے تھے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو آسمان کی جانب بلند کیا اور فرمایا: اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا عطیہ مجھ تک نہ پہنچے، چنانچہ اس سے قبل ہی آپ وفات پا گئیں۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے مال لادا گیا تو فرمانے لگیں: اے اللہ! اس مال کا ابتدائی حصہ مجھ تک نہ پہنچے، کیونکہ یہ فتنہ ہے، پھر آپ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور حاجت مندوں میں تقسیم فرمادیا، پھر اس مال کے پاس آئیں۔ یہ سارا حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمانے لگے: یہ ایسی خاتون ہے جس سے خیر ہی کی امید ہے چنانچہ آپ ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے، سلام عرض کیا اور یوں عرض پرداز ہوئے: جو مال آپ نے تقسیم فرمادیا ہے مجھے اس کی خبر مل گئی ہے، انہوں نے ایک ہزار درہم مزید یہ کہہ کر بھیج دیے کہ انہیں آپ اپنے پاس رکھ لیں، لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے وہ بھی اسی راستے میں لگا دیے، اور اپنے پاس ایک درہم یا ایک دینار بھی نہ رکھا۔

ان خواتین میں سے جن کی جود وسخا کے حالات کی تاریخ شہادت دیتی ہے، ایک خاتون سکینہ بنت الحسین بھی ہیں جو اپنے ہاتھوں میں آنے والی چیزوں کی سخاوت فرما دیا کرتی تھیں، اگر آپ کے پاس مال نہ ہوتا تو سوالیوں اور حاجت مندوں کی خاطر اپنی کلائی کے زیورات بھی اتار دیا کرتی تھی۔

انہی میں سے ایک خاتون عاتکہ بنت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو اپنے سارے مال ومتاع سے آل ابوسفیان کے فقراء کے لیے دست کش ہوگئی تھیں۔ [1]

ان میں سے ایک خاتون ام البنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ہمشیرہ بھی ہیں جو کہ جود وسخا میں ایک نشانی تھیں، فرمایا کرتی تھیں: ہر قوم کی کسی نہ کسی چیز میں انتہائی رغبت ہوتی ہے اور میری رغبت سخاوت میں ہے، وہ ہر جمعہ کو ایک گردن آزاد کیا کرتی تھیں اور اللہ تعالیٰ

---

[1] طبقات لابن سعد: 8/109، 110، و صفة الصفوة: 2/48، 49، وسير أعلام النبلاء: 2/202.

کی راہ میں ایک گھوڑے پر سامان لادا کرتی تھیں، اور فرمایا کرتیں: افسوس ہے کنجوسی پر، اگر کنجوسی کی کوئی قمیض ہوتی تو میں اسے نہ پہنتی، اور اگر کوئی راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتی۔ [1]

ان خواتین میں سے ایک خلیفہ ہارون الرشید کی زوجہ زبیدہ بھی تھیں، جنھوں نے اہل مکہ اور حاجیوں کے لیے ایک نہر کھدوائی تھی، جو پانی کے چشموں اور بارشی نالوں سے جوڑی گئی تھی، جس کا نام ہی ''نہر زبیدہ'' رکھا گیا ہے، جو اس دور میں ''عجائبات دنیا'' میں شمار کی جاتی تھی۔ اور جب آپ کے خزانچی نے اس عظیم منصوبے کے اخراجات کو زیادہ خیال کیا تو انھوں نے اسے زندہ جاوید رہنے والا یہ جملہ سنایا تھا:

''کام کرو خواہ تمھیں کسی مزدور کی ایک ضرب پر ایک دینار بھی کیوں نہ دینا پڑے۔''

اور اگر ہم اپنی تاریخ میں عورتوں کی فیاضی وسخاوت اور جود وکرم کے نقوش وآثار کا جائزہ لینے لگ جائیں تو یقیناً ہم اس میدان میں عاجز آجائیں، ہمیں اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ ایسی سخی، صدقہ کرنے والی، اپنا مال پیش کرنے والی مومنہ اور مسلمہ خواتین کے اعلیٰ کردار کے نمونے اسلامی معاشروں سے آغاز اسلام سے لے کر ہمارے دور حاضر تک غائب نہیں رہے بلکہ ہر زمان ومکان میں عالم اسلام کے اطراف واکناف میں ان کا واضح اور نمایاں وجود چمکتا دمکتا نظر آرہا ہے جو ان خواتین کی سخاوت وفیاضی کی شہادت پیش کر رہے ہیں، بے شمار مقامات اور بڑے بڑے رفاہ عامہ کے امور، مثلاً: مدارس، مساجد، ہسپتالوں اور ان جیسے نیکی واحسان کے دیگر اعمال میں وہ پیش پیش نظر آتی ہیں، وہ اپنی نیکی کے لیے عمومی تقاضوں کو تلاش کیا کرتیں، مسلمان مردوں اور عورتوں کو نفع دینے والے نیکی کے منصوبوں میں اپنی بخشش وعطا کو دل کھول کر پیش کرنے والی تھیں، وہ تنگی، فاقہ، محرومی اور مصیبت کی جگہوں کی تلاش میں رہا کرتی تھیں، وہ یتیموں کے آنسو خشک کیا کرتیں، مسکینوں کی سوزش کو ٹھنڈا کیا کرتیں، مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کیا کرتیں، عریاں بدن کو ڈھانپا کرتیں اور دوبارہ ٹوٹ جانے والی ہڈیوں کو جوڑنے میں کوشاں رہنے والی تھیں۔

---

[1] أحكام النساء لابن الجوزي: 446.

مسلمان خاتون کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی تحویل میں موجود گھریلو طعام یا اپنے خاوند کے مال سے صدقہ کرے، جب وہ اس کی طرف سے صدقہ و خیرات پر رضا مندی دیکھے، تو اس طرح صدقہ کرنے پر اسے اجر و ثواب ملے گا اور اس کے خاوند کو اس مال کے کمانے پر اجر و ثواب ملے گا اور خزانچی کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا جیسا کہ ان متعدد احادیث مبارکہ میں یہ بات وارد ہے جنھیں بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک روایت یہ ہے:

''جب عورت اپنے گھر کے طعام میں سے خرچ کرے...... اور مسلم کی روایت میں ہے: اپنے شوہر کے گھر سے...... وہ گھر کو ویران کرنے والی نہ ہو تو اسے اجر و ثواب ہوگا...... اس وجہ سے کہ اس نے خرچ کیا ہے، اس کے شوہر کو بھی اجر ملے گا کہ اس نے کمایا تھا، اور خزانچی کو بھی اسی طرح اجر ملے گا، ان میں سے ایک دوسرے کے اجر و ثواب کو کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔''[1]

بلاشبہ اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے یہ تقاضا کیا ہے کہ وہ اپنے معاشروں میں تعمیری کام، نیکی بخشش عطیہ اور تعاون میں ایک دوسرے کے دست و بازو بنیں، مانگنے والوں اور تہی دامن لوگوں کے لیے بقدر استطاعت اور طاقت ان کی خیر مسلسل جاری رہتی ہے اور اسلام نے ان کے ایک ایک نیک عمل کو صدقہ قرار دیا ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان اقدس میں اس بات کو بیان کیا ہے:

''ہر مسلمان کے ذمے صدقہ کرنا ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: یا نبی اللہ! تو جو کوئی نہ پائے؟ فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کرے، اپنی ذات کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کی: تو اگر وہ ایسا بھی نہ کرے؟ فرمایا: وہ کسی حاجت مند پریشان حال شخص کی مدد کردے۔ عرض کی: اگر کوئی یہ بھی نہ کرے؟ فرمایا: وہ نیکی کا کام کرے، برائی سے باز رہے تو بلاشبہ یہی اس کے لیے صدقہ ہوگا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة: باب من امر خادمه بالصدقة، حديث : 1425، صحيح مسلم، الزكاة، باب اجر الخازن الامين، حديث : 1024. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب ◄◄

بلاشبہ اسلام نے فعل خیر کے دروازوں کو مردوں اور عورتوں کے لیے مکمل طور پر کھول دیا ہے، اغنیاء کے لیے بھی اور فقراء کے لیے بھی، تاکہ سبھی لوگ ان میں داخل ہوسکیں، اور اسلام نے شہادتین پکارنے والے ہر شخص پر فعل خیر بجالانے کو واجب قرار دیا ہے، اور اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے، تاکہ محتاج تہی دست آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ وہ اپنے ہاتھوں کے خالی ہونے کی بنا پر معاشرتی اشتراک سے محروم ہے، اس طرح اسلام نے اس کے لیے اس مشارکت کے دروازے کھول دیے ہیں اور اس نے ہر فعل خیر کو صدقہ قرار دیا ہے۔ محتاج و فقیر کو اسے سرانجام دینے پر ثواب ملے گا جس طرح سرمایہ دار اور غنی کو اپنا مال خرچ کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے: ''ہر نیکی ہی صدقہ ہے۔''[1]

اس طریقے سے اسلام نے معاشرے کے تمام افراد کی فعل خیر میں مشارکت کو یقینی بنا دیا ہے، اور معاشرے کی تعمیر، ترقی، تحسین اور افزائش میں سبھی کو شامل کرلیا ہے، اور تمام لوگوں کے دلوں میں اس مشارکت کے ساتھ راحت، طمانیت، خوشی اور مسرت کو داخل کیا ہے جو انسان کو اس کی انسانیت کا شعور دلاتی ہے، اس کی عزت و کرامت کی حفاظت کرتی ہے، اور اس زندگی میں اس کے اندر ذمہ داری کا احساس اجاگر کرتی ہے اور اس کے اجر و ثواب کو ثابت کرتی ہے۔

سخی و فیاض مسلم خاتون اپنے عطیات و عنایات کے لیے ایسے محروم ومحتاج مساکین کا انتخاب کرتی ہے جو پاک دامنی اختیار کرتے ہیں اور لوگوں سے چمٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتے بلکہ دست سوال دراز نہ کرنے کے باعث لوگ انہیں اغنیاء ہی شمار کرتے ہیں۔

مسلمان خاتون اپنی عطا و بخشش کے لیے حتی المقدور یتیم کو خاص کرتی ہے اگر وہ صاحب کشائش و صاحب فراخ ہو تو اس کی کفالت ہی اپنے ذمہ لے لیتی ہے، اس کی تربیت کرتی اور اس کے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری اٹھالیتی ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے

« علی کل مسلم صدقة، حدیث : 1445، صحیح مسلم، الزکاة، باب بیان اسم الصدقة ...... الخ حدیث : 1008. [1] صحیح البخاري، الأدب، باب کل معروف صدقة، حدیث : 6021 عن جابر، صحیح مسلم، حواله سابق، حدیث : 1005 عن حذیفة رضی اللہ عنہ.

ہمیں اپنے فرمان میں خبر دی ہے:

[أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو قدرے کشادہ کرتے ہوئے اشارہ فرمایا۔''[1]

اسی طرح متقی اور اپنی عطا و عنایت سے نیکی کرنے والی مسلمان خاتون بیوہ اور مسکین کو بھی خاص کرتی ہے، جن کے ساتھ احسان کرنے پر دین حنیف کی ہدایت نے بڑا زور دیا ہے، اور ان کے ساتھ احسان کرنے والے کو بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا ہے جو روزے دار اور شب زندہ دار کے ثواب کے برابر بنتا ہے، یا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے برابر ہوتا ہے، جس طرح کہ ہمیں رسول مکرم ﷺ نے خبر دی ہے:

[اَلسَّاعِیُ عَلَى الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ]

''بیوہ اور مسکین کی خاطر کوشش کرنے والا فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کے برابر ہے'' اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''اور ایسے شب زندہ دار کے برابر ہے جو تھکتا نہیں ہے، اور ایسے روز دار کے برابر ہے جو کبھی افطار نہیں کرتا۔''[2]

یہ اس لیے ہے کہ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنا اور یتیم کی کفالت اور دیکھ بھال کرنا اشرف و اعلیٰ اعمال اور ان انسانی عمدہ ترین رفاہ عامہ کے امور میں سے ہیں جو مسلمان خاتون کی شخصیت سے مناسبت رکھتے ہیں، ان کے ساتھ اس کی نرمی، رقت، انسانیت، تزکیہ اور شرافت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الادب، باب فضل من يعول يتيما ، حديث: 6005. [2] صحيح البخاري، النفقات، باب فضل النفقة على الاهل، حديث : 5353، صحيح مسلم، الزهد، باب فضل الاحسان الى الا رملة، حديث : 2982.

عطیہ دے کر احسان نہیں جتاتی

جب کسی دن اللہ تعالیٰ مسلمان خاتون کو سخاوت و بخشش کرنے کی کوئی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کے جوہڑ میں نہیں پلٹتی بلکہ وہ اس امر کی پوری حرص کرتی ہے کہ اس کی یہ عنایت وسخاوت خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے بن جائے اور وہ ان لوگوں میں سے بن جائے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔''[1]

اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کی مثل کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو صدقہ کے ثواب کو مٹاتی اور ختم کرتی ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایماندار بندوں اور ایماندار خواتین کو یہی تنبیہ ہے کہ وہ احسان جتلانے والے عمل سے بچ کر رہیں، یہ کیے کرائے کو ضائع کرنے والا کام ہے، صدقے کے اجر وثواب کو مٹا کر رکھ دینے والا ہے تاکہ اس کا دل ہل جائے اور اس کے کان اس بات کو یاد رکھیں اور تاکہ وہ اپنے ذہن میں کوئی ایسا ایک لفظ بھی نہ سوچے جس میں احسان واذیت کی بو آتی ہو:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ﴾

''اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو۔''[2]

ایک حدیث میں احسان جتلانے والے کے لیے سخت ترین وعید وارد ہے، جسے امام

---

[1] البقرة 262:2. [2] البقرة 264:2.

مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

''تین آدمی ایسے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائیں گے، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے، نہ انہیں پاک وصاف ہی فرمائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے یہی باتیں تین بار دہرائیں، سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بولے: ناکام ہو جائیں اور گھاٹا پا جائیں، یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: اپنے تہبند کو ازراہِ تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کو بیچنے والا۔''①

وہ بردبار اور حوصلہ مند ہوتی ہے

یہ بات تو مسلم ہے کہ غصے کے وقت ضبط نفس سے کام لینا، غصے کو پی جانا، بردباری اور وقار وحوصلے سے کام لینا، مسلمان مردوں اور عورتوں کے ان عمدہ ترین اخلاق میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں سے پسند فرماتا ہے، اور یہی وہ بات ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تاکیداً بیان کی ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ سے بایں الفاظ روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تھا:

[إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ]

''تجھ میں دو خوبیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے: بردباری اور وقار وحوصلہ۔''②

یہی باعث تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بھی یہی نصیحت فرمائی تھی جو آپ ﷺ سے نصیحت کی صرف ایک بات پوچھ رہا تھا: ''غصہ نہ کیا کرو۔''

اس شخص نے بار بار یہی عرض دہرائی: مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، اور رسول اللہ ﷺ ہر بار اسی لفظ کو جواب میں فرماتے رہے جو مکارم اخلاق کو جمع کرنے والا ہے:

[لَا تَغْضَبْ] ''غصہ نہ کیا کرو۔''③

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة، حدیث: 106. ② مسلم، الایمان، باب الامر بالایمان باللّٰہ تعالیٰ و رسولہ، حدیث: 18/17، مطولاً. ③ صحیح ◄◄

مسلمان خاتون بھی بعض اوقات غصہ کرتی ہے، لیکن اس کا یہ غصہ اللہ کے لیے ہوتا ہے اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتا، وہ اس وقت غصہ کرتی ہے جب دیکھتی ہے کہ خواتین کی محفلوں میں اسلامی اقدار کی بے حرمتی ہو رہی ہے، اس کے احکامات اور اس کی تعلیمات سے بے رخی برتی جا رہی ہے اور دین کے خلاف بڑی دیدہ دلیری دکھائی جا رہی ہے۔ ایسے موقعوں پر غصہ کھانا اور اظہار خفگی کرنا اس کا حق بھی بنتا ہے اور یہی وہ طریقہ تھا جس پر رسول اکرم ﷺ بھی عمل پیرا تھے، جیسا کہ مروی ہے:

[مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا]

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت پامال ہوتی ہو تو آپ اس پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے انتقام لیتے تھے۔''[1]

بلاشبہ آپ ﷺ غضب ناک بھی ہوتے تھے، اور آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بھی تبدیل ہو جاتا تھا جب آپ دیکھتے تھے کہ دین کی شہرت داغدار ہو رہی ہے یا اس کے احکامات کی تعمیل و تطبیق میں غلطی کا ارتکاب ہو رہا ہے یا اس کی حدود کو قائم کرنے میں سستی و غفلت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

آپ اس دن بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناراض ہوئے تھے، جس دن آپ سفر سے واپس آئے تھے اور گھر میں ایسا باریک کپڑا دیکھا تھا جس میں تصاویر تھیں تو آپ نے اسے دیکھتے ہی پھاڑ دیا اور آپ کا رنگ متغیر ہو گیا تھا اور یوں فرمایا تھا:

[يَا عَائِشَةُ ! اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ]

◄ البخاري، الادب: باب الحذر من الغضب، حديث: 6116. ① صحيح البخاري، المناقب: باب صفة النبي ﷺ حديث: 3560، 6853، وصحيح مسلم، الفضائل: باب مباعدته ﷺ للآثام، حديث: 2327.

''اے عائشہ! بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ تمام خلقت سے بڑھ کر عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت کرتے ہیں۔''[1]

آپ ﷺ اس روز بھی غضب ناک ہوئے تھے جس روز سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مخزومیہ عورت کے معاملے میں بات کی تھی جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا اور رسول ﷺ نے اس پر حد قائم کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا، لوگوں نے باہم صلاح مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا: اس عورت کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کون کرے گا؟ پھر خود ہی کہنے لگے: سیدنا اسامہ بن زید کے علاوہ کوئی دوسرا یہ جرأت و ہمت نہیں کر سکتا، یہ رسول اکرم ﷺ کے انتہائی پیارے ہیں، چنانچہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے بات چیت کی، تو رسول اللہ ﷺ نے غضب ناک ہوتے ہوئے فرمایا تھا:

[إِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ ! وَ اَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا]

''یقیناً تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں کہ جب ان میں کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب ان میں سے کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ، محمد کی صاحبزادی بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کا اس طرح کا غصہ تھا، اور یہ تھے اسبابِ غضب شریعت اسلامیہ میں! کہ غضب و غصہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے لیے ہو، اپنی ذات کے لیے نہ ہو۔

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، حديث : 5954، صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حديث : 2107/92. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف، حديث: 6787، 6788، صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف و غيره حديث : 1688.

کسی سے کینہ نہیں رکھتی

مسلمان خاتون حسد وحقد کو اٹھائے نہیں پھرتی اور نہ ہی کینہ اس کے دل میں کوئی راستہ پا سکتا ہے کیونکہ عظمت والے اسلام نے اس کے دل سے بغض وحقد والی سیاہی کو کھرچ دیا ہے، اور کینہ کی آگ کو بجھا دیا ہے، اس کے دل کو کدورت سے پاک بنا دیا ہے اور اس میں محبت، بھائی چارے، درگزر، بخشش اور معافی کے بیجوں کو بو دیا ہے۔

بلکہ اسلام نے تو ایسی قلبی امراض کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے، جہالت، عصبیت بغض، کینہ، عداوت، انتقام اور جوش کے ساتھ اس کی صلح ومصالحت نہیں ہو سکتی اور اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس میں عفو ودرگزر، باہمی محبت ومودت اور احسان وعنایت کو محبوب وپسندیدہ بنایا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾

''غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''①

یہ ستائش وتوصیف ہے غصہ پی جانے والوں کی جو حسد وبغض اور کینے کو پالتے نہیں ہیں، بلکہ عفو ودرگزر اور بخشش واحسان اور معافی وغفران کی بلندیوں تک چڑھ جاتے ہیں، بلاشبہ یہ بلندیاں انتہائی بلند ترین اور روشن ومنور بلندیاں ہیں، اور انتہائی اونچی ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل تر بھی ہیں، ان تک رسائی وہی نفوس قدسیہ پا سکتے ہیں جن کی قلبی صفائی ہو چکی ہو، جنھوں نے دشمنی، انتقام، کراہیت اور بغض وحقد کے وسوسوں کو نکال پھینکا ہو، وہی پھر مستحق بنتے ہیں کہ احسان کے بلند ترین مراتب علیا پر فائز ہو سکیں۔ اور اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بلاشبہ اسلام ایسی ہی بلند ترین ہدایت کے ساتھ دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں سرایت

① آل عمران 134:3.

کرنے کی استطاعت رکھتا ہے، انہیں پاک وصاف بناتا ہے، پھران دلوں کو جو غصے عداوت اور کینے سے زنگ آلود ہو چکے ہوں، محبت، نفرت اور دوستی کے ذریعے نرم وملائم بنا دیتا ہے۔

اس تبدیلی کے واضح ترین شواہد میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جو تبدیلی ہند بنت عتبہ کے دل پر طاری ہوئی تھی، اسلام لانے سے قبل ان کا دل رسول اکرم ﷺ کے لیے، آپ کے اہل بیت کے لیے اور آپ کے صحابہ کرام کے لیے بغض وعداوت کے زہر اور کینے وکدورت کی آگ سے بھرا ہوا تھا، حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کے خون کو مباح قرار دے دیا تھا اس جرم کی پاداش میں جو انھوں نے غزوۂ احد کے دن آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بدن کا مثلہ کروایا تھا، لیکن جس وقت وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اسلام ان کے رگ وریشے میں پیوست ہوگیا تو وہی رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں یوں کہتی ہوئی حاضر ہوئی تھیں:

[يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَاكَانَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ مِنْ اَهْلِ خِبَاءٍ أَحَبُّ اِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوْا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، ثُمَّ مَاأَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَهْلُ خِبَاءٍ اِلَيَّ اَنْ يَعِزُّوْا مِنْ اَهْلِ خِبَائِكَ]

''یارسول اللہ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی بھی گھرانے والے ایسے نہ تھے کہ جن کی ذلت ورسوائی مجھے محبوب تھی اور آج صورت حال ایسی ہوگئی ہے کہ پوری سطح زمین پر آپ کے گھرانے والوں سے بڑھ کر کوئی بھی گھرانے والے ایسے نہیں جن کی عزت وسربلندی مجھے محبوب ہو۔''[1]

بلاشبہ قرآن کریم نے انسانیت کے دل کو اس بلند ترین مگر مشکل تر گھاٹی اور چوٹی تک پہنچانے کے لیے نہایت ہی شاندار پیرائے کو اختیار کیا ہے۔ اس نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ جس شخص پر ظلم ہوا ہو اس کا حق بنتا ہے کہ وہ بدلہ لے سکتا ہے اور اپنی زیادتی کا تدارک

---

[1] صحيح البخاري، الايمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، حديث : 6641، صحيح مسلم، الاقضية، باب قضية هند، حديث : 1718.

کر سکتا ہے، کیونکہ برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہی ہے، لیکن اس نے مظلوم انسان کو صرف بدلہ وانتقام لے کر اپنے جوشِ انتقام کو ٹھنڈا کرنے ہی پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ہاتھ کو انتہائی نرمی و ملاطفت سے تھام کر عفو ودرگزر اور معافی وبخشش کی بلند ترین سیڑھی پر چڑھا دیا ہے اور پھر اس بلند مرتبے کو اس کا محبوب مرتبہ بنا کر یوں پیش کیا ہے کہ یہی ہمت والے اور بلند ترین کاموں میں سے ایک کام ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ٥ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ٥ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ٥ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾

''اور جب ان پر ظلم وزیادتی ہو تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔''[1]

جس وقت واقعۂ افک کے ایام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نفس کو غمی کی لہر نے ڈھانپ لیا تھا، جسے بعض گناہ گار زبانیں ہلکے ہلکے بڑھا چڑھا رہی تھیں جو آپ کی صدیقہ اور طاہرہ صاحبزادی کی دل آزاری کا باعث تھی تو انھوں نے قسم کھائی تھی کہ ان لوگوں سے اپنا دستِ تعاون اور دستِ عنایت کھینچ لیں گے جو اس میں بحث وکرید کرتے ہیں اور وہ ان

لوگوں میں سے تھے جن کے ساتھ آپ احسان کیا کرتے تھے اور جن پر آپ عنایات ونوازشات فرمایا کرتے تھے، جب آپ نے اپنی غمی و جوش کے غلبے میں یہ مشاہدہ کیا کہ وہ فضل واحسان اور معروف و نیکی کے حقدار نہیں رہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ جو سیدنا صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل وضمیر کی صداقت کو جاننے والا تھا، اس نے آپ کو اسی جوش انتقام میں نہ چھوڑا جو کچھ اس وقت کے آپ کے دل میں پیدا ہوا تھا بلکہ اس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے جوہر اصلی، صفائی قلب اور نفس مومنہ کی طہارت کی جانب پھیر دیا اور آپ کو درگزر، معافی اور فراخدلی اختیار کرنے پر قائل کر لیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا تھا:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو راہ للہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ تعالیٰ قصوروں کا معاف فرمانے والا مہربان ہے۔''[2]

بلاشبہ وہ ربانی معاشرہ جو ایمانی اخوت کی بنیادوں پر استوار ہے، معاملے کو افراد کے درمیان باہمی محاسبے، غلطیوں کی تاک میں رہنے، غصہ نکال کر سکون پانے، انتقام لینے اور اپنی ذات کی خاطر بدلہ لینے کی آڑ میں اچھالتا نہیں ہے بلکہ وہ تو اخوت، بھائی چارے، چشم پوشی کرنے، درگزر سے کام لینے اور دوسروں کی غلطیوں کو فراموش کرنے کی تلقین کرتا ہے، اور انھی امور کی جانب اسلام نے دعوت دی ہے ایمانی اخوت بھی اسی کی ترغیب دیتی ہے:

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر تیرا دشمن ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے

① الشوریٰ 42:39، 43. ② النور 24:22.

بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔“ ①

یہ حقیقت ہے کہ جس وقت برائی کا جواب برائی سے دیا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان عداوت، بغض اور کینے کی آگ بھڑکائے گی، اور حسد کینے اور کراہیت کو دل میں جاگزیں کرے گی۔ لیکن جب برائی کے مقابلے میں اچھائی کی جائے گی تو وہ عداوت کی آگ کو بجھائے گی، غصے کی آواز کو خاموش کردے گی، دل کے جوش کو ٹھنڈا بنادے گی، اندرونی کدورت کی میل کچیل کو دھوڈالے گی اور مکروفریب کی دھیمی دھیمی آوازوں کو بھی بجھاڈالے گی، تو پھر اس کے نتیجے میں دشمنی رکھنے والیاں ایک دوسرے کی دلی اور جگری سہیلیاں بن جائیں گی، صرف ایک میٹھے بول کے ساتھ، ان دونوں میں سے کسی ایک کی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ۔ اللہ کی قسم! یہ تو بہت ہی عظیم کامیابی ہوگی، کہ ایک عورت برائی کو بھلائی اور اچھائی سے دفع کردے، تو اس طرح دشمنی دوستی میں بدل جائے گی، کراہت محبت میں تحلیل ہوجائے گی، اور اس عظیم کامیابی کو بجز بڑے نصیبے والے کے کوئی دوسرا نہیں پا سکتا جس کے لیے آیت کریمہ نے بھی اشارہ کردیا ہے، یعنی کچھ صبر اور ضبط اعصاب اور برائی کو باحسن طریق دفع کرنے سے کام لینا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اقوال و افعال کے اعتبار سے اس بلند ترین اور عمدہ ترین انسانی اخلاق کا ترجمہ جامع مرقع زندہ تھے، اس درگزر کرنے اور معافی دینے اور اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی ترغیب دینے پر بہترین نمونہ تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو، البتہ آپ فی سبیل اللہ جہاد کیا کرتے تھے، اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ کی ذات مبارکہ پر کبھی کوئی حملہ کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے مرتکب سے انتقام لیا ہو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی پائمالی ہوتی ہو تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے تھے۔“ ②

① حٰم السجدة 41:34، 35. ② صحیح مسلم، الفضائل : باب مباعدته ﷺ للآثام۔

آپ ﷺ تو اپنے رب کی مندرجہ ذیل رہنمائی پر کامل عمل پیرا تھے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴾

''آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔''[1]

اور آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی پر عمل پیرا رہتے تھے:

''برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔''[2]

ربانی اخلاقی آیات میں سے یہ ایک ایسی بے مثال آیت ہے جو تمام لوگوں کو اپنے عظیم اخلاق کے ساتھ محیط ہے جو یہ سبق دیتی ہے کہ لوگوں کی برائی کا جواب برائی سے نہ دیا جائے بلکہ اس کا مقابلہ عفو و درگزر، نیکی کی تعلیم اور جاہلوں سے کنارہ کشی کی صورت میں دیا جائے اور بھلائی کو اختیار کر کے ان کی برائی کو دور کیا جائے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلا جا رہا تھا آپ ﷺ پر ایک نجرانی دھاری دار موٹے کنارے والی چادر تھی، اچانک ایک اعرابی نے آپ کو آپ کی چادر سے پکڑ لیا اور زور زور سے کھینچنے لگا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے کندھے پر اس چادر کے شدید کھنچاؤ کے سبب نشان پڑ گئے تھے، پھر وہ بولا: اے محمد! اس مال میں سے جو اللہ کے مال سے تیرے پاس ہے میرے لیے بھی کچھ کا حکم کر، آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ مسکرائے، پھر اسے عنایت کرنے کا حکم دیا۔''[3]

آپ ﷺ کے نفس شریفہ میں درگزر کرنے والی خوبی کی جڑیں اس قدر گہری اور مضبوط ہو چکی تھیں کہ آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف فرما دیا تھا جس نے آپ کے لیے بکری کا زہر آلود گوشت بھیجا تھا اور یہ واقعہ اس حدیث میں موجود ہے جسے شیخین نے

---

[1] الأعراف 7:199. [2] حم السجدة 41:34. [3] صحیح البخاري، اللباس، باب البرود والحدة، حدیث: 5809، صحیح مسلم، الزكاة، باب اعطاء من سال بفحش و غلظة، حدیث: 1057، حدیث: 2327.

روایت کیا ہے کہ ایک یہودیہ نے رسول اللہ ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت ہدیہ میں بھیجا، آپ ﷺ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی کھایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: رک جاؤ کیونکہ یہ زہر آلود گوشت ہے'' اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے اس سے دریافت کیا: '' تجھے اس حرکت پر کس چیز نے اکسایا ہے؟'' بولی: '' میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ اگر تو آپ نبی برحق ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی اطلاع کر دے گا اور یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکے گا، اور اگر آپ نبی برحق نہیں ہوں گے تو ہم آپ سے راحت پالیں گے۔'' صحابہ بولے: کیا ہم اسے قتل نہ کر ڈالیں؟ فرمایا: نہیں اور آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔''[1]

آپ ﷺ تو مسلمان مردوں اور عورتوں کے نفوس میں عفو و درگزر کی عادت بو رہے تھے، خواہ انہیں برائی، رکاوٹ، بے رخی اور قطع تعلقی ہی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو، کیونکہ آپ ﷺ تو اپنی تربیت کرنے والی تیز ترین نظروں سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں یہ محسوس کر رہے تھے کہ لوگ سختی، شدت اور پکڑ دھکڑ سے قبول کرنے کی بجائے نرمی، شفقت اور درگزر سے کہیں زیادہ قبولیت کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی یہی مضبوط ترین ہدایت سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے سامنے ظاہر ہوتی ہے جب انھوں نے آپ ﷺ سے بایں الفاظ دریافت کیا تھا: آپ مجھے فضیلت والے اعمال کی خبر دیں، تو آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

[يَا عُقْبَةُ ! صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَ أَعْرِضْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ۔ وَفِي رِوَايَةٍ۔ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ]

'' اے عقبہ! اس سے تعلق جوڑ جو تجھ سے توڑے، اسے دے جو تجھے محروم رکھے، اس سے درگزر کر جو تجھ پر ظلم کرے، اور ایک روایت یہ ہے'' اسے معاف کر دے جو

[1] شیخین نے اس سے ملتے جلتے الفاظ روایت کیے ہیں۔ دیکھیے صحیح البخاري، المغازي، باب الشاة المسمومة : 4249، 3169، مسلم، السلام، باب السم، حديث : 2190.

تجھ پر ظلم کرے۔''[1]

وہ رنج نہیں پہنچاتی بلکہ راحت رساں ہوتی ہے

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی خاتون تنگی پیدا کرنے کے بجائے آسانی پیدا کرتی ہے کیونکہ آسانی پیدا کرنے والا اخلق اتنا افضل اور اعلیٰ ہے جسے خود اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے پسند کرتا ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔''[2]

یہی وجہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی ہدایت مسلمان مردوں اور عورتوں کو آسانی پر ابھارنے کے لیے آ رہی ہے، اور انہیں تنگی پیدا کرنے سے روک رہی ہے:

[عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَإِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ]

''سکھاؤ، آسانی پیدا کرو اور تنگی و سختی پیدا نہ کرو، اور جب تم میں سے کوئی غصے میں آ جائے تو چاہیے کہ وہ خاموش ہو جائے۔''[3]

رہی اپنے پروردگار کی اطاعت گزار اور اپنے دین کی ہدایت کو اختیار کرنے والی معتدل کردار والی مسلمان خاتون تو وہ تنگی و پیچیدگی سے نا آشنا ہوتی ہے، وہ معاملات کو الجھانے اور پیچ دار بنانے کی طرف مائل نہیں ہوتی، اس سلسلے میں وہ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ سے ہدایت لینے والی ہوتی ہے جس کی بابت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے متعلق خبر دے رہی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو کاموں میں اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ ﷺ نے ان میں سے آسان تر کو پسند فرمایا ہے جب تک وہ گناہ والا کام نہ ہوتا۔ اگر تو وہ گناہ والا کام

---

① مسند أحمد (148/4، 158)، والطبراني، ورجال احمد ثقات، ومجمع الزوائد : 188/8 باب مكارم الاخلاق. ② البقرة 185:2. ③ اخرجه البخاري في الادب المفرد : 342/1 باب العفو والصفح عن الناس.

ہوتا تو آپ لوگوں سے سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے ہوتے تھے۔''[1]

اور متقی سمجھدار مسلمان خاتون تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے پاس ٹھہر جانے والی ہوتی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی اور نہ آپ کے کسی امر کی مخالفت ہی کرتی ہے۔

وہ حسد نہیں کرتی

تجاوز کرنے والی خاتون ہی اکثر حسد میں واقع ہوتی ہے، کیونکہ وہ دیکھتی ہے کہ بہت سی خواتین ایسی ہیں جنھیں حسن و جمال اور علم وعقل اس سے کم ملی ہے لیکن مال و دولت اور نعم و ثروت میں ڈوبی ہوئی ہیں، اسے ان نعمتوں میں سے بہت کم چیزیں ملی ہیں جو ان کی زندگیوں میں اور ان کے ہاتھوں میں ہے، تو اسی احساس و سوچ کے باعث ان سے حسد کرنے لگتی ہے۔ جبکہ مسلمان خاتون جو بیدار مغز اور راست رو ہے، وہ اس اخلاقی پھسلن سے بچی رہتی بلکہ محفوظ ومصئون رہتی ہے کیونکہ اس نے اپنے اس دین کے سچے احکامات ازبر کر لیے ہوتے ہیں، جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس زندگی میں ہر چیز تقدیر و قضاء کے ساتھ چل رہی ہے اور اس دنیاوی زندگی کا ساز و سامان خواہ جس حد تک بھی پہنچ جائے وہ بلاشبہ قلیل ہی ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ خاتون کی اصلی اور حقیقی قدر و قیمت تقویٰ کے پلڑے اور عمل صالح کے ساتھ اس کے جھکنے میں ہے اور ان وقتی اور عارضی زائل ہونے والی دنیاوی مال و متاع کے ساتھ بالکل نہیں ہے۔ جوں جوں یہ اقدار اس خاتون کے قلب و دماغ میں پختہ و مستحکم ہوتی جاتی ہیں توں توں اس کے نفس کی صفائی، پاکی اور طمانیت بڑھتی جاتی ہے اور وہ ان خواتین میں سے بنتی جاتی ہے جو اپنے پروردگار کی رضا مندی سے کامیاب ہونے والی ہوتی ہیں اگرچہ وہ بکثرت عبادت گزاری نہ بھی کرنے والی ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ حديث : 3560، مسلم، الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام، حديث : 2327.

''ابھی تمھارے پاس آنے والا شخص اہل جنت میں سے ایک فرد ہوگا۔''[1]

تو اچانک ایک انصاری آدمی دکھائی دیا، جس کی داڑھی سے وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور اس نے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھے تھے۔

اگلا دن ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے دوبارہ ویسا ہی ارشاد فرمایا، تو وہی آدمی پہلی کی سی حالت کے ساتھ نمودار ہوا، تو جب تیسرا روز ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ویسا ہی ارشاد مبارک جاری فرمایا، اور وہی آدمی اپنی پہلی جیسی حالت کے ساتھ تشریف لایا۔

جب نبی اکرم ﷺ نے وہ نشست برخاست کی تو سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس مذکور و موصوف شخص کے پیچھے ہولیے اور یوں عرض پرداز ہوئے: میری اپنے ابا جان سے کچھ تو تکار ہوگئی ہے اور میں نے تین دنوں تک ان کے ہاں نہ جانے کی قسم کھالی ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے یہ مدت اپنے ہاں گزارنے کی اجازت دیں دے، آپ ایسا کرلیں تو میں آپ کے پاس چلتا ہوں۔ وہ بولا: ''جی ہاں!''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے تینوں راتیں اس کے پاس گزاریں، تو انھوں نے اسے رات میں قیام کرتے ہوئے بھی نہ دیکھا ماسوائے اتنی سی بات کے کہ جب نیند سے بیدار ہوتے یا اپنے بستر پر کروٹ بدلتے تو اللہ عزوجل کا ذکر کرلیتے اور اللہ اکبر کہہ لیتے، حتی کہ نماز فجر کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں نے اس سے ماسوائے خیر و بھلائی کے کچھ اور نہ سنا۔

تو جب تینوں راتیں گزر گئیں لگتا تھا کہ میں اس کے عمل کو حقیر ہی سمجھ لوں گا میں نے عرض کی: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے ابا جان کے درمیان کوئی غصہ اور قطع تعلقی نہ تھی۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو تین بار یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

''ابھی تمھارے سامنے اہل جنت میں سے ایک شخص نمودار ہونے والا ہے۔''

---

[1] وہ تھے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جس طرح کہ آپ کا نام صراحت سے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب ''البداية والنهاية'': 74/8 میں آیا ہے۔

تو تینوں مرتبہ آپ ہی نمودار ہوئے، تو میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ آپ کے پاس ٹھہروں اور دیکھوں کہ آپ کے عمل کیسے ہیں، تاکہ میں بھی آپ کی اقتدا و پیروی کرسکوں، میں نے تو آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا، تو ذرا بتائیں وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو اس مرتبے تک پہنچا دیا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے؟ وہ بولا: کوئی عمل نہیں بس میرے تو وہی اعمال ہیں جو آپ نے دیکھ لیے ہیں۔

جب میں واپس پلٹا تو اس نے مجھے بلایا اور پھر بولا: میرے کوئی زیادہ عمل تو نہیں ہیں بس وہی ہیں جو آپ نے مشاہدہ کر لیے ہیں البتہ اتنی سی بات ضرور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی بھی مسلمان کے خلاف کوئی دھوکا فریب نہیں رکھتا، اور نہ کسی پر اس نعمت کی وجہ سے حسد ہی کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہوئی ہے، تب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہاں ! بالکل یہی وہ بات ہے جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کی ہم طاقت نہیں پاتے۔''[1]

بلاشبہ یہ حدیث حقد اور حسد سے دل کو صاف رکھنے، دھوکے اور فریب سے سینے کو سلامت رکھنے، آخرت میں انسان کے اچھے انجام کو مستحکم بیان کرنے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام کو پا لینے اور عملوں کی قبولیت پانے خواہ تعداد میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، کی تاثیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور یقیناً یہ تاثیر اس آدمی کی، جو باوجود عبادت کو کم مقدار میں کرنے کے اپنی باطنی صفائی رکھنے اور لوگوں کو اپنی اذیت سے سلامت رکھنے کے ساتھ جنت میں داخل ہو رہا ہے، اس عورت کے ساتھ موازنہ کرنے سے کھل کر سامنے آتی ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا جو رات بھر جاگتی اور دن بھر روزے سے رہتی تھی لیکن وہ اپنے ہمسایوں کو اذیت پہنچاتی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

[لَا خَيْرَ فِيهَا هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ]

''اس میں کوئی خیر نہیں ہے، وہ دوزخ والوں میں سے ہے۔''[2]

---

[1] مسند احمد: 166/3 . [2] اخرجه البخاري فی الادب المفرد: 210/1، مسند احمد: 440/2 .

اور اس وجہ سے یہ بات مسلم ہے کہ وہ انسان جو اسلام کے ترازو میں ہمیشہ اپنا پلڑا جھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے یقیناً وہی ہوگا جس کا باطن صاف شفاف ہو، جس کا دل کینہ حسد، عداوت، کدورت اور بغض ونفرت سے پاک ہو، خواہ اس کی عبادت گزاری کم درجہ ہی کی کیوں نہ ہو۔

سیدنا ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

[لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّالَمْ يَتَحَاسَدُوْا]

''لوگ اس وقت تک خیر سے رہیں گے جب تک وہ باہم حسد نہ کریں گے۔''[1]

سمجھدار ہوش مند مسلمان خاتون وہی ہے جو بہترین عبادت گزاری کرتی ہے اور حسد کی آلائش، کینہ کی میل کچیل اور کدورت کی گدلاہٹ سے نفس وقلب کو صاف رکھتی ہے، وہ خاتون تقویٰ کے اعلیٰ ترین مراتب پر بلند ہوسکتی ہے۔

غلو اور تکلف سے اجتناب کرتی ہے

یہی وجہ ہے کہ ہدایت یافتہ مسلمان خاتون اپنے خلق میں، تصرفات میں اور اعمال میں طبعی معتدل ہوتی ہے، وہ اپنی گفتگو میں غلو نہیں کرتی، اور نہ ہی لوگوں کی توجہ حاصل کرنے اور ظاہر پسندی کی خاطر تکلف وتصنع سے باتیں کرتی ہے، تکلف تو ہر چیز میں قابل نفرت ہے اور غلو فطرت سلیمہ کے ہاں تھوکنے کے لائق ہے۔ کوئی بھی خاتون جو اپنی گفتگو میں غلو اختیار کرتی ہے یا اپنے تصرفات میں تکلف وتصنع سے کام لیتی ہے تو یقیناً اس کی طبیعت میں خلل، اس کی فطرت میں کجی اور اس کی خلقی ونفسی تکوین میں نقص ہے۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو کرنے والے مردوں اور غلو کرنے والی عورتوں پر سختی فرمائی ہے اور پھر اسی سختی وشدت کو آپ کے جلیل القدر دونوں اصحاب سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی جاری رکھا، یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] رواہ الطبرانی ورجاله ثقات، مجمع الزوائد: 78/8، باب ماجاء فی الحسد والظن.

بڑھ کر غلو و مبالغہ کرنے والوں پر سختی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا، اور میں نے آپ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ان پر سخت گرفت کرنے والا نہیں پایا، اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ تمام اہل زمین میں سے ان پر زیادہ سختی کرنے والے تھے۔''[1]

الفت کرنے والی اور الفت پانے والی ہوتی ہے

سمجھدار ہوش مند مسلمان خاتون الفت کرنے والی اور دوسری خواتین سے الفت پانے والی ہوتی ہے، وہ مستورات سے الفت کرتی ہے، اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہتی اور ان سے محبت رکھتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ بھی اس سے الفت کرتیں اور اس کے ساتھ میل ملاپ رکھتیں اور محبت کرتی ہیں، کیونکہ اس کی شخصیت نرم مزاجی، جاذبیت، رقت اور حسن معاشرت کی خوگر ہوتی ہے۔ اور یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس پر خاتون معاشرتی صفات کے باعث پہنچ جاتی ہے، عورتوں سے رابطے رکھ کر، اپنا اعتماد بحال کر کے اور ان میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے وہ اس مقام بلند کی اہل بنتی ہے، اور یہ خواتین صرف اسی خاتون کی بات سنتی ہیں جو ان سے الفت کرتی ہو، ان پر اعتماد کرتی ہو، اور ان کے پاس بیٹھ کر اطمینان پاتی ہو۔ وہ کسی کی فقط گفتگو ہی سے قائل نہیں ہوتی جب تک کسی خاتون سے ان چیزوں یعنی اعتماد، محبت، احترام اور تعظیم کو اپنی ذات کے لیے مشاہدہ نہ کر لے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی نصوص وارد ہیں جو اس نرم مزاج، پسندیدہ اخلاق رکھنے والے، الفت کرنے والے اور الفت پانے والے گروہ کی شان و عظمت کو بلند سے بلند تر بیان کرنے والی ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، اور یہ نصوص ایسے گروہوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ﷺ کے لیے محبوب ترین بناتی ہیں اور قیامت کے دن بلحاظ مجلس ایسے ہی لوگ آپ کے قریب ترین ہوں گے:

[أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ......]

---

[1] رواه ابويعلى والطبراني، ورجالهما ثقات، مجمع الزوائد :251/1 .

''کیا میں تمھیں ان لوگوں کے متعلق نہ بتاؤں جو قیامت کے دن میرے محبوب ترین ہوں گے اور از روئے مجلس میرے قریب ترین ہوں گے؟۔تم میں سے جو سب سے بہترین اخلاق والے ہوں گے۔''[1]

آپ نے یہی باتیں دو یا تین مرتبہ دہرائیں، صحابہ کرام نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا: مسلمان خاتون کی اہم ترین صفات میں سے ہے کہ وہ سب کی پسندیدہ اور مرکز الفت ہوتی ہے، وہ عورتوں سے محبت رکھتی اور وہ اس سے محبت کرتی ہیں، انہیں جب کبھی موقع میسر آئے تو وہ اس کی طرف لپکتی ہیں تاکہ وہ اس کی پرمزہ اور لذیذ باتوں کو، اس کی دلچسپ و مرغوب رہنمائی کو اور اس کے نفع مند علم کو پورے انہماک سے حاصل کریں۔ایسی ہی روشن دماغ مسلمان خاتون استطاعت رکھتی ہے کہ وہ بارامانت کو ادا کرسکے، نفع مندی کو عام کرسکے، اور ایسی خاتون ہی بیداری پیدا کرنے میں امیدوں کا ملجاو ماویٰ ٹھہرتی ہے اور شعور آفرینی کا اہتمام کرتی ہے۔سمجھدار، اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی، الفت کرنے والی اور الفتیں پانے والی مسلمان خاتون کی یہی حالت اور یہی مقام ہوتا ہے اور جو اس درجہ تک نہیں پہنچی اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی، جس طرح کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

[اَلْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلَفُ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ]

''مومن الفت کرنے والا اور الفت پانے والا ہوتا ہے اور جو شخص نہ الفت کرتا ہے اور نہ الفت پاتا ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔''[2]

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے میں اور تالیف قلوب کے سلسلے میں مکمل فوقیت و مہارت دکھانے میں ایک اعلیٰ مثال قائم فرمادی ہے، اور اپنی امت کو اس سلسلے میں قول، عمل اور کردار وسلوک میں مکمل پیروی کرنے کی طرف دعوت دی ہے، اور لوگوں کے دلوں تک رسائی پانے کی کیفیت کے ضمن میں اور ان کی محبت،

---

① مسند احمد : 185/2، واسناده جيد. ② مسند احمد : 400/2، والبزار، ورجال احمد رجال الصحيح، مجمع الزوائد : 87/8 .

پسند اور پیار کو پانے کی غرض سے ایک راہ اعتدال متعین فرمادی ہے، آپ ﷺ ہمیشہ مسکراہٹ، نرم اخلاق اور نرم بازو والے رہتے تھے اور کبھی بدزبانی و درشت گوئی نہ فرماتے تھے، جب کسی قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس کے آخر ہی میں بیٹھ جاتے اور اسی کا ہی حکم دیتے، اور اپنے تمام ہم نشینوں کو یکساں حصہ عطا فرماتے، آپ کے ہم نشینوں میں سے کوئی بھی یہ خیال نہ کرتا تھا کہ آپ نے اس سے بڑھ کر کسی دوسرے کی تکریم کی ہے، اگر کسی نے کوئی حاجت مانگی ہے تو اس کو وہ چیز دیے بغیر واپس نہ کرتے تھے یا پھر اس سے انتہائی نرمی سے گفتگو کرتے تھے، آپ کے اخلاق و اوصاف تمام لوگوں پر محیط تھے، گویا کہ آپ ان کے باپ ہیں، اور باقی سب لوگ حق رکھنے میں آپ کے ہاں مساوی تھے، لوگ آپ کی مجلس میں ہم رتبہ و ہم مرتبہ ہوتے تھے، تقویٰ کی وجہ سے ایک دوسرے پر برتری پاتے تھے، متواضع و منکسر بن کر رہتے تھے، بڑے کی توقیر و تعظیم بجالاتے اور چھوٹے پر رحم کرتے تھے، حاجت مند کو ترجیح دیتے اور اجنبی مسافر کی حفاظت کرتے تھے۔

آپ صلوات اللہ علیہ اپنے سے امید رکھنے والے کو مایوس نہ کرتے تھے، اور نہ ہی وہ آپ سے ناکام لوٹتا تھا، آپ نے تین باتیں بالکل چھوڑ رکھی تھیں: جھگڑا، زیادہ لمبی گفتگو اور بے مقصد باتیں، اور لوگوں کے معاملے میں تین چیزوں کو بالکل ترک کردیا تھا: کسی کی مذمت نہ کرتے، کسی کو عار نہ دلاتے اور کسی کے عیب کی ٹوہ نہ لگاتے۔ اور صرف وہی کلام فرمایا کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی، جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم نشین اپنے سروں کو یوں جھکائے ہوئے ہوتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں، تو جب آپ خاموش ہوتے تب باہم باتیں کرتے، آپ کی موجودگی میں باہم نہ جھگڑتے تھے، آپ ﷺ اس چیز سے ہنستے تھے جس سے وہ ہنستے اور اس چیز سے تعجب بھی فرماتے جس پر وہ تعجب کرتے، کسی اجنبی کی گفتگو یا طلب میں سختی پر صبر کا دامن تھام کر رکھتے حتی کہ آپ کے صحابہ کرام ہی گفتگو کے دوران میں مدد کو پہنچتے، اور آپ انہیں فرمایا کرتے جب تم کسی صاحب حاجت کو دیکھو تو اس کی مدد کرو، آپ تعریف و ثناء کو قبول نہ فرماتے مگر کسی بدلہ دینے والے

سے، آپ کسی کی بات کو نہ کاٹتے تھے حتی کہ وہ بات پوری کر لیتا، اور وہ خود ہی بات مکمل کر کے یا وہاں سے اٹھ کر جانے سے اسے قطع کرتا۔[1]

بلاشبہ پختہ کردار والی اور سیرت نبوی کے سامنے اپنے دل و دماغ کو کشادہ رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے نبی الامین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے نقش قدم پر چلتی ہے، لوگوں سے معاملات طے کرنے میں، وہ صالح ہوں یا طالح، تو اس طرح نسوانی محفلوں کی خواتین میں جو اس کے بارے میں جانتی ہوں یا سنتی ہوں وہ محبوب مقبول، اور الفتیں پانے والی ہوتی ہے۔

وہ کسی کا راز بھی فاش نہیں کرتی

سمجھدار پختہ کردار کی حامل مسلمان خاتون کے دل سے یہ بات اوجھل نہیں ہوتی کہ راز کی حفاظت کرنا ان خوبصورت ترین اخلاق اور صفات میں سے ہے جن سے انسان آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت یہ اس لیے کہ راز کی حفاظت کرنا شخصیت کی پختگی، خلق کی متانت، چال ڈھال کی بردباری اور عقل کی برتری پر دلالت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان خاتون جس نے اسلام کی ہدایت کی شراب خالص چسکیاں لے لے کر پی ہو وہ اس راز کی حفاظت کرنے والی رہتی ہے جس کی حفاظت کے لیے اسلام نے اسے دعوت دی ہے، اور وہ اسلام کی ان نمایاں ترین شخصیات کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کر لیتی ہے جن کے اخلاق عمدہ تر ہوتے ہیں اور راز کی حفاظت کرنے کی پہلے پہل فضیلت پانے اور اس فضیلت کو تھامنے اور مکمل تندہی دکھانے پر واضح ترین واقعات میں سے یہ واقعہ ہے جس میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جو موقف اور انداز اختیار کیا تھا جب انھوں نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے پر ان دونوں حضرات کے سامنے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کی بات کی تھی اور ان دونوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو چھپائے رکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق بن

[1] حياة الصحابة :1/22، 23.

خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا جس وقت بیوہ ہوگئیں تو کہتے ہیں: میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان پر حفصہ کا رشتہ پیش کیا تو یوں کہا: اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر کا نکاح آپ سے کر دیتا ہوں، وہ بولے: میں اپنے معاملے پر غور کروں گا، میں چند ایام ٹھہرا رہا، پھر وہ مجھے ملے اور یوں کہنے لگے: مجھے یہی بہتر لگتا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں، پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور یوں عرض کی: اگر آپ پسند کریں تو میں حفصہ بنت عمر کا آپ سے نکاح کر دیتا ہوں۔ جس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور مجھے جواب نہ دیا، مجھے سیدنا ابوبکر صدیق پر سیدنا عثمان سے زیادہ غصہ آیا۔ میں نے پھر چند راتیں یونہی گزاریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مجھے حفصہ سے نکاح کرنے کا پیغام دیا، چنانچہ میں نے اس کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، پھر مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے تو فرمانے لگے شاید کہ آپ کو مجھ پر غصہ آیا تھا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کے رشتے کی بات کی تھی اور میں نے آپ کو کوئی جواب تک نہ دیا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں بالکل! کہتے ہیں: آپ کے مجھ پر حفصہ کا رشتہ پیش کرنے میں پھر میرے جواب نہ دینے میں اس کے سوا کوئی اور چیز مانع نہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خود نکاح کرنے کی خواہش کا ذکر کیا ہے اور میں ایسا نہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو افشا کر دیتا اور اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ دیتے تو میں اسے قبول کر لیتا۔"[1]

راز کی حفاظت کرنے والی فضیلت میں اسلاف کے صرف مرد حضرات ہی پر بس نہیں ہے بلکہ اس میں وہ بچے اور خواتین بھی شامل ہیں جنھوں نے ہدایت اسلام سے سیرابی پائی ہے، اور ان کے قلوب وعقول اس کی چمکدار روشنی سے منور ہوئے ہیں، ہم یہ بات اس حدیث میں پاتے ہیں، جسے امام مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں بچوں کے ساتھ کھیل کود رہا تھا، آپ نے ہمیں سلام کیا اور مجھے کسی ضرورت کے لیے بھیج دیا، اور میں اپنی امی جان کے پاس

---

[1] صحیح البخاري، النكاح، باب عرض الانسان ابنته على اهل الخير، حديث: 5122.

دیر سے گھر آیا، تو جونہی میں آیا تو وہ بولیں: تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ میں نے عرض کی: مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ وہ بولیں: آپ کا کون سا کام تھا؟ میں نے عرض کی: وہ تو ایک راز ہے۔ وہ بولیں: رسول اللہ ﷺ کے راز کو کسی کے سامنے ہرگز بیان نہ کرنا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اگر میں وہ کسی سے بیان کرتا تو اے ثابت! میں اسے تیرے سامنے ضرور بیان کرتا۔''[1]

ام انس رضی اللہ عنہا نے اپنے صاحبزادے میں رسول اللہ ﷺ کے راز کی حفاظت رکھنے کی حرص کو دیکھا تو پھر اس حرص کو مزید تقویت بخشی، جب اس نے اس سے یہ تقاضا کیا کہ وہ راز نبوی ﷺ سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کرے گا، پھر انھوں نے یہ راز ثابت بنانی تابعی رحمہ اللہ کو بھی بیان نہ کیا جو آپ سے اس حدیث کے راوی ہیں اور والدہ کو اطلاع پانے کی محبت وحرص نے اپنے چھوٹے سے برخوردار کو بھی مجبور نہ کیا، تاکہ وہ اس راز سے آشنائی پا سکے جو اس کے صاحبزادے نے اس سے بھی چھپالیا تھا، یہ تھی تربیت اسلام، اور یہ تھا وہ بلند مرتبہ جس پر انسان کو متمکن کیا تھا اس تربیت نے، خواہ وہ کوئی مرد تھا، یا خاتون یا کوئی بچہ۔

جب رازوں کو افشا کرنا ان بری عادات میں سے ہے جن کی وجہ سے انسان مبتلائے رنج وغم ہوتا ہے اور قابل نفرت بن جاتا ہے تو تمام رازوں میں سے بدترین افشا ان امور کا ہے جو ازدواجی زندگی کے متعلق ہوں، اور اس قبیح عادت کا مرتکب اور عادی قیامت کے دن سب سے برے لوگوں میں سے ہوگا، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان اقدس میں یوں وضاحت کی ہے:

[اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى الْمَرْاَةِ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا]

''بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام لوگوں میں سے بدترین وہ آدمی ہوگا جو بیوی سے ملتا ہے اور وہ اس سے ملتی ہے، پھر وہ اس کے راز کو پھیلاتا ہے۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل انس، حدیث: 2482. [2] صحیح

ایسی خلوت نشینی کے رازوں کو انتہائی پوشیدگی اور مضبوط قلعے میں بند بلکہ کئی تہوں میں مخفی ہونا چاہیے، جنھیں خلوت کرنے والوں کے علاوہ کوئی نہ جانتا ہو، ایسی خلوتوں کے بھیدوں کو لوگوں کے پاس صرف وہی آدمی ہی نشر کرتا ہے جس کی عقل میں دیوانگی کی کیفیت ہو، جس کے خلق میں بے ہودگی کا نشان ہو اور جس کی شخصیت میں تلون مزاجی، دیوسیت، بھڑدے پن اور گھٹیا پن کا مادہ ہو۔ مسلمان مرد اور عورتیں تو ایسی تمام چیزوں سے محفوظ و بعید ہوتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے دین کی ہدایت کو سیکھا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار اور خوبصورت اخلاق سے اپنے نفوس کو مزین و منور کیا ہوتا ہے۔

خوش مزاج اور خندہ رو ہوتی ہے

معزز شریف مسلمان خاتون پر یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ اپنے خاوند کے ساتھ مخصوص زندگی اور اپنی معاشرتی عام زندگی کی کامیابی کے اہم ترین عوامل میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خوش مزاج اور خندہ پیشانی والی بن کر رہے، ہنس مکھ ہو، اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی رہے، اس کے دانتوں سے بشاشت و بشارت جھلک رہی ہو، یہ سب چیزیں وہ ہیں جو اسے لوگوں کی پسندیدہ اور ان کے دلوں کے قریب کردیں گی اس کے علاوہ یہ چیزیں حسن خلق، جمالِ شخصیت اور جاذبیتِ ہیئت کی ترجمان بھی ہیں، اور یہ اس معروف میں سے بھی ہیں جس پر اسلام نے رغبت فرمائی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[لَا تَحۡقِرَنَّ مِنَ الۡمَعۡرُوۡفِ شَيۡئًا وَلَوۡ اَنۡ تَلۡقٰى اَخَاكَ بِوَجۡهٍ طَلِيۡقٍ]

”کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر نہ جان، خواہ وہ تیرا اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ روئی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“①

رسول کریم ﷺ کی سیرت و ہدایت میں سے یہ بات بھی ہے کہ مسلمان انسان اپنے

◄ مسلم، النكاح، باب تحريم افشاء سر المرأة، حديث: 1437. ① صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه، حديث: 2626.

بھائی سے کشادہ روئی اور بشاشت و مسکراہٹ کے ساتھ ملے، اور آپ صلوات اللہ وسلامہ علیہ اپنے کسی بھی صحابی کو نہ ملتے تھے مگر آپ تبسم فرما رہے ہوتے اور آپ کے چہرہ مبارک پر بشاشت ہوتی جس طرح کہ یہ بات اس حدیث میں موجود ہے جسے شیخین نے صحابی جلیل سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

[مَا حَجَبَنِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِی اِلَّا تَبَسَّمَ فِی وَجْهِی]

"نہیں روکا مجھے (اپنے پاس آنے سے) رسول اللہ ﷺ نے جب سے میں اسلام لایا، اور نہیں دیکھا مجھے آپ ﷺ نے مگر مجھے دیکھتے ہی تبسم ضرور فرمایا۔"[1]

بلاشبہ ہنستے منہ والی اور خندہ پیشانی والی خاتون اپنے شوہر کے دل میں خوشی کی لہر پیدا کر دیتی ہے جب بھی اس کی نگاہ اس پر پڑتی ہے، تو اس سے اس کی محبت، عزت وتکریم میں وہ مزید اضافہ کا موجب بنتی ہے اور یہی حال ہوتا ہے اس کا نسوانی اجتماعات میں جن میں وہ زندگی گزارتی ہے، کیونکہ چہرے کی بشاشت، کشادہ قلبی اور پسندیدہ بلند اخلاق کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو باہمی الفت ومحبت، باہمی ملاطفت وعطوفت کو زیادہ کر سکتی ہو۔

ہنس مکھ طبیعت والی ہوتی ہے

بیدار مغز مسلمان خاتون ہنس مکھ طبیعت والی، منکسر المزاج اور شیریں گفتار ہوتی ہے، وہ ایسے اوقات میں جن میں مزاح مستحسن ہو، کھیل کود، طبیعتوں کو اچھا لگتا ہو اور نفوس کی دل جوئی کرنی مناسب ہو، وہ اپنی بہنوں اور سہیلیوں سے ہنسی ومزاح کرنے سے نفرت نہیں کرتی۔

یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ مسلمان خاتون کا ہنسی مزاح بھی مشروع جائز اور اسلامی رنگ میں رنگا ہوتا ہے، جس کے اندر وہ گھٹیا پن، حقارت اور کم عقلی ونادانی پر نہیں اترتی۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہنسی مزاح فرمالیا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ اپنی ہنسی مزاح میں دائرہ حق سے باہر نہ نکلا کرتے تھے، رسول کریم ﷺ کی بابت صحابہ کرام

[1] صحیح البخاري، الادب، باب التبسم والضحك، حديث: 6089، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل جرير بن عبدالله، حديث: 2475.

کا ایک اثر یوں مروی ہے: یارسول اللہ! آپ بھی ہم سے ہنسی مزاح کر لیتے ہیں؟ فرمایا:
''بے شک میں ماسوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔''[1]

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے، ان کی ہنسی مزاح اور باہمی خوش طبعی و دل لگی کے انتہائی شاندار اور نادر و عمدہ واقعات ہیں جو ان کے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہوا کرتے تھے۔

ان واقعات میں سے جنھیں کتب حدیث و سیر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے بیٹوں میں سے ایک چھوٹے سے بچے سے مزاح فرمایا کرتے تھے جس کی کنیت ابو عمیر تھی، اس کا ایک پرندہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غمگین دیکھا۔ اور دریافت فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں ابو عمیر کو غمگین دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے بتایا: یارسول اللہ! اس کا وہ پرندہ فوت ہو گیا ہے جس سے وہ کھیلا کرتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے خوش طبعی کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

[أَبَا عُمَيْرُ! مَافَعَلَ النُّغَيْرُ]

''اے ابوعمیر! نغیر نے کیا کیا؟''[2]

ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے اونٹ مانگنے حاضر ہوا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ازراہ مزاح یوں کہا: ''میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کرتا ہوں۔''

وہ بولا: یارسول اللہ! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اونٹ بھی تو اونٹنیوں کے بچے ہوتے ہیں۔''[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دیہاتی آدمی جس کا

---

[1] اخرجه البخاري في الادب المفرد : 365/1، باب المزاح، سنن ترمذی، البر والصلة، باب ماجاء في المزاح، حديث : 1990. [2] صحيح البخاري، الادب، باب الكنية للصبي، حديث : 6203، صحيح مسلم، الآداب، باب استحباب تحنيك المولود، حديث : 2150. [3] اخرجه البخاري في الادب المفرد : 366/1، باب المزاح، سنن ابي داود، الادب، باب ماجاء في المزاح، حديث : 4998.

نام زاہر تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دیہات سے تحفے تحائف لایا کرتا تھا، پھر جب وہ جانے کا ارادہ کرتا تو نبی اکرم ﷺ بھی اس کے لیے کچھ سامان تیار فرمایا کرتے، نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ زاہر ہمارا دیہاتی بھائی ہے اور ہم اس کے شہری بھائی ہیں۔''

''اور رسول اللہ ﷺ اس سے محبت فرماتے تھے اور وہ کوتاہ قد سیاہ فام شخص تھا، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اس وقت وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا، آپ ﷺ نے اسے پچھلی جانب سے بازوؤں میں لے لیا اور آپ کو وہ شخص دیکھ نہیں رہا تھا، وہ بولا: مجھے چھوڑو! کون ہے؟ اس نے مڑ کر دیکھا تو اس نے نبی ﷺ کو پہچان لیا، جونہی اس نے آپ کو پہچانا تو اپنی پشت کو نبی اکرم ﷺ کے سینے سے لگائے رکھنے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھائے رکھی، اور رسول اللہ ﷺ پکارنے لگے: ''اس غلام کو کون خریدے گا؟۔''

وہ بولا: یارسول اللہ! اس صورت میں اللہ کی قسم آپ مجھے کم قیمت ہی پائیں گے۔ تب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لیکن تو اللہ کے ہاں کم قیمت نہیں ہے۔''[1]

ایک بڑھیا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: یارسول اللہ! آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ ﷺ نے ازراہ مزاح وخوش طبعی فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں بڑھیا داخل نہیں ہوگی، بوڑھی عورت لوٹی اور رونے لگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے خبر کردو کہ وہ اس حالت میں داخل نہیں ہوگی کہ وہ بوڑھی ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾

''ہم نے ان کی بیویوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے انہیں کنواریاں کردیا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کی ہنس مکھ، خوش باش، محبت کرنے والی اور خوش طبع ومزاح کرنے والی نفسیات پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے ایک وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ

---

[1] شمائل ترمذی: 240، صحیح ابن حبان: 2276 أحمد: 161/3، ورجاله رجال الصحیح مجمع الزوائد: 368/9، باب ماجاء في زاهر بن حزام . [2] الواقعة: 56:35،36 .

نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں: ''میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں ساتھ تھی، میں ابھی بچی ہی تھی میرے وجود پر گوشت نہ آیا تھا اور میں اتنی فربہ بھی نہ تھی، تو آپ نے لوگوں سے کہا: آگے بڑھ جاؤ، چنانچہ وہ آگے چلے گئے، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''آؤ بھئی میں تجھ سے دوڑ کا مقابلہ کرتا ہوں۔''[1]

چنانچہ میں نے مقابلے کی بات کو قبول کیا دوڑ لگائی تو میں آپ سے سبقت لے گئی، آپ اس وقت خاموش رہے، حتی کہ مجھ پر گوشت آ گیا اور میں فربہ ہوگئی اور میں اس مقابلے کو بھول ہی گئی، میں ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے ہم سفر تھی، آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: آگے چلے جاؤ، چنانچہ وہ آگے بڑھ گئے، پھر آپ نے مجھے کہا: ''آؤ بھئی میں تجھ سے دوڑ لگاتا ہوں'' میں نے آپ سے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے سبقت لے گئے، پھر آپ مسکراتے ہوئے یوں فرماتے ہیں: ''یہ اس کے بدلے میں ہے'' یعنی یہ اس شکست کا بدلہ ہے۔

ان واقعات مزاح میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بایں طور بیان کیا ہے۔ فرماتی ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے لیے حلوا پکایا اور آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی، میں نے سیدہ سودہ (رضی اللہ عنہا) سے بھی کہا: تم بھی کھاؤ جب کہ نبی اکرم ﷺ میرے اور ان کے درمیان تھے، انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا، میں نے کہا: تو ضرور کھائے گی وگرنہ میں تیرے چہرے پر مل دوں گی، وہ تب بھی نہ مانیں، چنانچہ میں نے حلوے میں ہاتھ ڈالا، اور پھر ان کے چہرے پر مل دیا، نبی اکرم ﷺ خوب ہنسے، پھر آپ ﷺ نے ان کی خاطر اپنے ہاتھ کو پھیلایا اور انہیں کہا: تو بھی اس کے چہرے پر لگا اور ایک روایت میں یوں ہے: آپ ﷺ نے اس کی خاطر اپنے گھٹنے کو جھکایا تا کہ وہ مجھ سے بدلہ وقصاص لے لے، چنانچہ انھوں نے پلیٹ میں سے کچھ حلوا لیا اور میرے چہرے پر لگا دیا اور رسول اللہ ﷺ ہنستے جا رہے تھے۔''[2]

---

[1] شمائل ترمذی (241)، عن الحسن البصری مرسلاً، مجمع الزوائد : 10/319. [2] رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح، محمد بن عمرو بن علقمة کے علاوہ، البتہ اس کی حدیث بھی حسن ہوتی ہے، مجمع الزوائد : 4/316.

خلاصہ کلام، یہ سب شواہد و آثار اسلام اور اہل اسلام کی زندہ دلی پر واضح اور کھلا ثبوت ہیں اور اس بات پر بھی جو اسلام اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے چاہتا ہے کہ وہ ہنس مکھ، خوش طبیعت اور خوش مزاج رہیں بلاشبہ یہ دور حاضر کی باصلاحیت مسلمان خاتون کی پسندیدہ صفات بھی ہیں، جو اس کی شخصیت کی جاذبیت، خوبصورتی اور تاثیر میں مزید نکھار لاتی ہیں۔

وہ سخت گیر نہیں ہوتی

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون مباح امور میں سخت گیر اور انتہا پسند نہیں ہوتی، جن کاموں کو شرع حنیف نے مختلف اوقات و مختلف مناسبات میں مباح اور جائز رکھا ہے جیسے کہ عیدوں، شادیوں اور خوشی کی محافل میں جائز شعروں کو گانا اور آسودگی بخشنے والے بعض کھیل کھیلنے جن میں کھیلنے والوں کو کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو، یا جن سے کسی طرح کا فتنہ جنم نہ لیتا ہو۔

اگرچہ وہ خاص موقعوں میں جائز کھیل کود کو اختیار کر لیتی ہے لیکن اسے مقصود اصلی اور اپنی عادت ثانیہ ہی نہیں بنا لیتی بلکہ اپنے اس دین کی ہدایت کی اتباع ہی میں رہتی ہے جس نے بعض اوقات کی مناسبت سے کھیل کود کو جائز قرار دیا ہے، جس کی تائید میں متعدد صحیح احادیث بھی وارد ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو، جو آپ کی کفالت میں یتیم بچی کی حیثیت سے پروان چڑھی تھی، ایک انصاری مرد کے گھر رخصت کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[يَا عَائِشَةُ ! مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ]

''اے عائشہ! کیا تمھارے پاس کوئی تفریحِ طبع کا کھیل نہیں ہے، کیونکہ انصار تفریح طبع کے کام کو پسند کرتے ہیں۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے آپ کا یہ قول روایت کرتے ہیں کہ رسول

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب النسوة اللاتي يهدين المرأة الى زوجها، حديث : 5162 .

اللہ ﷺ میرے پاس اس وقت تشریف لائے جب دو بچیاں میرے ہاں یوم بعاث کے گیت گا رہی تھیں۔" ①

تو رسول اللہ ﷺ بستر پر لیٹ گئے، اور اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو انھوں نے مجھے ڈانٹا اور یوں فرمایا:

[مِزْ مَارُ الشَّیْطَانِ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ]

"نبی اکرم ﷺ کے پاس شیطان کے آلات موسیقی!۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی طرف رخ کیا اور ارشاد فرمایا، انھیں رہنے دے۔ تو جونہی آپ کا دھیان دوسری جانب ہوا تو میں نے انھیں آنکھ کے اشارے سے چلے جانے کو کہا تو وہ دونوں چلی گئیں۔" ②

صحیح بخاری کی روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[یَا أَبَا بَکْرٍ ! إِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا، وَھٰذَا عِیْدُنَا]

"اے ابوبکر! یقیناً ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔" ③

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان بھی روایت کیا ہے، عید کے روز سوڈانی حبشی لوگ ڈھالوں اور نیزوں سے کھیل رہے تھے، یا تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا یا پھر آپ نے خود ہی فرمایا: کیا تو بھی انھیں دیکھنا چاہتی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، آپ کا رخسار میرے رخسار کے ساتھ تھا، اور آپ فرما رہے تھے: اے بنی ارفدہ!" ④

---

① بعاث: مدینہ منورہ کے نواح میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں پر اسلام سے قبل اوس اور خزرج۔ کے مابین لڑائی ہوئی تھی، اس کا نام "یوم بعاث" رکھا گیا تھا، اس دن کے بارے میں شاعروں کے بہت سے اشعار تھے جو گائے جاتے تھے۔

② صحیح البخاري، العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید، حدیث: 949. ③ صحیح البخاري، العیدین، باب سنة العیدین لاهل الاسلام، حدیث: 952. ④ یہ اہل حبشہ کا لقب ہے۔

کھیلو خوب کھیلو! یہاں تک کہ میں تھک گئی، آپ نے پوچھا! بس اتنا ہی؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! فرمایا: ''اچھا پھر چلی جاؤ۔''[1]

بلاشبہ یہ اور ان جیسی دیگر نصوص ''رسول اللہ ﷺ بحیثیت خاوند'' کے حسن اخلاق پر واضح شواہد ہیں اور آپ کی اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ نرمی و ملاطفت رکھنے پر اور اس کی سعادت و مسرت کا خیال رکھنے پر واضح ثبوت ہیں، علاوہ ازیں یہ اسلام کی عورت کے ساتھ فیاضی، کشادگی اور آسانی پر بھی شاہد عدل ہیں جب اس نے اس کے لیے کھیل کود کی ایک خاص حد تک اجازت رکھی ہے جسے آج کل کے بعض تشدد پسند انتہائی بڑا جرم شمار کرتے ہیں۔

اسلام جو کہ فطری دین ہے وہ نفوس کی جبلتوں سے خوب خوب آشنا ہے وہ خوش طبعی، راحت طلبی اور بوجھ میں تخفیف کاری کے رجحانات کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ اس طرح نفوس ان امور کے بعد محنت کی طرف پلٹ آتے ہیں اور اس طرح زیادہ چستی، پختگی اور زیادہ استعداد پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جسے اسلام نے انسان کی خاطر اپنے متوازن، معتدل اور حکیمانہ منہج میں اختیار کیا ہے۔

وہ تکبر اور نخوت پسندی میں مبتلا نہیں ہوتی

راست باز، سمجھدار مسلمان خاتون تکبر نہیں کرتی اور نہ ہی دیگر عورتوں پر ناک بھوں ہی چڑھاتی ہے جو اس سے حسن و جمال میں کمتر، مال و دولت یا حسب و نسب یا عہدہ و مقام میں کم درجہ ہوتی ہیں کیونکہ اپنے دین کی ہدایت سے روشنی لینے والی مسلمان خاتون اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی ہے کہ دنیا میں تکبر، برتری اور بلند بانگ دعوے کرنے سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تکبر کرنے والے مردوں اور تکبر کرنے والی خواتین پر اخروی نعمتوں کو حرام قرار دے دیا ہے، اور ان نعمتوں کو صرف ان لوگوں کے لیے رکھا ہے جو زمین میں برتری، تکبر اور شیخی خوری نہیں چاہتے:

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الحراب والدرق يوم العيد، حديث: 950.

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾

''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی، بڑائی اور فخر نہیں کرتے اور نہ فساد چاہتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''[1]

اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اکڑنے والے، شیخی خورے اور فخر و غرور رکھنے والے کو پسند نہیں کرتا:

﴿ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾

''لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا اور زمین پر اترا کر اور اکڑ کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔''[2]

جو شخص سنت مطہرہ کی نصوص پر غور و فکر کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی توجہ اور عنایت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے، کہ آپ نفوس سے تکبر کی جڑ کو اور فخر و غرور کے ناسور کو کس طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں، اس سے منع فرماتے ہیں، اس سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں، اور جو مرد و زن اس مرض میں مبتلا ہیں انھیں آخرت کی مکمل رسوائی اور خسارے سے ڈراتے ہیں، اگرچہ ان کے دلوں میں شیطان ایک ذرہ برابر بھی تکبر ڈال دے، تو ایسے لوگ بھی متکبرین ہی میں شمار ہوں گے جن پر جنت کا داخلہ ہی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے، جس طرح کہ اس حدیث مبارکہ میں ہے:

[لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ]

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

ایک آدمی عرض کرنے لگا: بلاشبہ آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس خوبصورت ہو اور

---

① القصص 83:28. ② لقمان 18:31.

اس کا جوتا بھی خوبصورت ہو؟ فرمایا:

[اِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ]

''بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے لیکن تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو بنظر حقارت دیکھا جائے۔''[1]

تکبر کرنے والیوں، بلندی و برتری چاہنے والیوں اور اپنی سہیلیوں پر اکڑ وغرور رکھنے والیوں کے لیے اتنی معنوی ذلت ہی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی نظر رحمت سے محرومی، ان سے گفتگو کرنے کی محرومی اور ان کا تزکیہ کرنے سے محرومی رکھے گا اور بلاشبہ یہ ایک ایسی رسوائی اور ذلت ہوگی جس سے بڑھ کر کوئی دوسری ذلت اور رسوائی نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

[ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ]

''تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا اور نہ ان کی جانب نظر رحمت سے دیکھے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا، بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ، اور تکبر کرنے والا فقیر۔''[2]

اور یہ اس لیے کہ کبریائی اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اور یہ کمزور وضعیف پیدا شدہ مخلوق کی شان نہیں ہے اور بلاشبہ ہر وہ شخص جس کا نفس اسے تکبر پر بہکاتا اور آمادہ کرتا ہے وہ مقام الوہیت پر ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ عظیم و برتر خالق کی صفات میں سے ایک صفت کو اس سے چھیننا چاہتا ہے، تو وہ آخرت میں شدید عذاب اور مزید رسوائی سے دوچار ہوگا، جس طرح کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

---

[1] صحیح مسلم، الایمان، باب تحریم الکبر، حدیث: 91. [2] صحیح مسلم، الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار، حدیث: 106.

[قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْعِزُّ اِزَارِیْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ بِشَیْءٍ مِّنْهُمَا عَذَّبْتُهٗ]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عزت میری ازار (تہبند) ہے اور کبریائی میری ردا (چادر) ہے، تو جس نے بھی مجھ سے ان دونوں میں سے کوئی چیز چھیننے کی کوشش کی میں اسے عذاب سے دوچار کروں گا۔''①

یہی وجہ ہے کہ سنت مطہرہ میں نصوص مسلسل اور متواتر آئی ہیں جو ایمان دار مردوں اور عورتوں کو خبردار کر رہی ہیں کہ غفلت اور بشری کمزوری کے کسی لمحے میں بھی انھیں تکبر و غرور کا کوئی حملہ نہ دبوچ لے تاکہ وہ اس غیر پسندیدہ عادت سے آلودہ ہونے سے بچے رہیں اور اس کی جانب پھسلنے سے محفوظ رہیں۔ ان خبردار رکھنے والی ڈرانے والی نصوص میں سے ایک یہ بھی ہے:

[مَنْ تَعَظَّمَ فِیْ نَفْسِهٖ اَوِ اخْتَالَ فِیْ مِشْيَتِهٖ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ]

''جو اپنے دل ہی میں بڑا بنا یا وہ اپنی چال ڈھال ہی میں اکڑفوں سے چلا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔''②

وہ متواضع ہوتی ہے

کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اپنے دین کی ہدایت کی چند چیزیں یاد رکھنے والی مسلمان خاتون متواضع و منکسر المزاج ہوتی ہے، پہلو کی نرم، دل کی فراخ اور معاشرت کی شفاف ہوتی ہے، یہ اس لیے کہ وہ ان مذکورہ تکبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے وارد تہدید و وعید سے بھرپور نصوص کے بالمقابل تواضع اور بازوؤں کو پست رکھنے والی پسندیدہ مرغوب

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الكبر، حديث : 2620. ② أخرجه البخاري في الادب المفرد : 7/2 باب الكبر.

اور رغبت دلانے والی نصوص کو بھی موجود پاتی ہے جو ہر اس شخص کو جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے گا رفعت، بلندی اور عزت کا وعدہ دیتی ہیں، جس طرح کہ اس فرمان رسول ﷺ میں موجود ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

[مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ]

''نہیں تواضع اختیار کی کسی نے بھی اللہ کے لیے مگر اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرماتا ہے۔''[1]

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تم (ہر کوئی) تواضع و عاجزی اختیار کرو حتی کہ کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ایک دوسرے پر ظلم کرے۔''[2]

سیرت مصطفیٰ ﷺ پر غور و فکر کرنے والی مسلمان خاتون آپ کی عظیم شخصیت کو تواضع، پہلو نرم رکھنے، عمدہ اخلاق بنانے اور دل کی فیاضی ظاہر کرنے میں آپ کو بے مثال، منفرد اور زندہ نمونہ پاتی ہے، حتی کہ جب آپ کھیلتے بچوں کے پاس سے بھی گزرتے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر خندہ پیشانی سے مسکراہٹ کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے سلام کہتے۔

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یوں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا اور اس پر اضافہ کرتے ہوئے مزید فرمایا: ''نبی کریم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''[3]

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. [2] صحيح مسلم، الجنة، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة، حديث: 2765/64

[3] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: 6247، صحيح مسلم، السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168.

تمیم بن اسید مدینہ میں آتا ہے تاکہ اسلامی احکامات کی بابت سوالات کرے تو یہ اجنبی اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا اشتیاق رکھنے والا شخص دولت اسلامیہ میں ایسا پہلا آدمی پاتا ہے کہ جس کے پاس کوئی لمبی لمبی قطاریں ہیں اور نہ چوکیدار ہیں اور نہ ہی دربان ہیں، وہ رسول اکرم ﷺ کو تن تنہا منبر پر تشریف رکھے ہوئے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھتا ہے، وہ استفسار کرنے کے لیے اور سوالات دریافت کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے، تو رسول اکرم ﷺ مکمل فراخی، کشادگی، تواضع اور الفت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے سوالات کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم یہ پورا نقشہ تمیم ہی کی زبانی سنتے ہیں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کے الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچا تو آپ خطبہ دے رہے تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ایک اجنبی نو وارد شخص ہے جو اپنے دین کی بابت چند سوالات پوچھنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے، جو نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ میری جانب متوجہ ہوگئے، اپنا خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آگئے، ایک کرسی منگوائی گئی، آپ اس پر براجمان ہوگئے اور آپ اس علم میں سے مجھے بھی سکھانے لگے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا تھا، پھر آپ خطبے کی طرف آئے تو اس کے بقیہ حصے کو مکمل فرمایا۔''[1]

آپ صلوات اللہ وسلامہ صحابہ کرام کی دعوتوں اور ان کے ہدایا کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرما کر ان کے لیے ایک عمدہ مثال قائم کرتے ہیں، خواہ وہ معمولی اور کم قیمت ہی کیوں نہ ہوتے، جس طرح کہ اس روایت میں ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے:

[لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ]

''اگر مجھے کسی جانور کی دستی یا پائے کی طرف بھی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر میری جانب کوئی دستی یا پایہ بھی ہدیہ بھیجا جائے تو میں اسے بھی

[1] صحیح مسلم، الجمعة، باب حديث التعليم في الخطبة، حديث: 876.

قبول کرلوں گا۔"[1]

اری تواضع تیری عمدہ ترین شکلوں کے کیا کہنے! اور اے انسانی عظمت تیری بلند ترین اقدار پر جان بھی نچھاور ہے!

اپنے لباس اور روپ میں معتدل رہتی ہے

اپنے دین کی ہدایت کو ذہن نشین رکھنے والی مسلمان خاتون اپنے ہر معاملے میں اعتدال کو لازم رکھتی ہے، بالخصوص اپنے ملبوسات اور اپنے روپ میں، وہ اپنے روپ کی خوبصورتی کا خیال تو رکھتی ہے لیکن بلا اسراف، بلا مبالغہ اور بلا فخر و ریا، وہ اپنے نئے ملبوسات تیار کرنے میں ایک مرتبہ زیب تن کر لینے کے بعد انہیں پھینک دینے میں اسراف اور مبالغہ کی ہر صدا اور آواز کے پیچھے نہیں بھاگتی اور نہ وہ فیشن کی ختم نہ ہونے والی رسومات کے پیچھے ہی ہلکان ہوتی ہے، جس طرح کہ بعض جاہل، آوارہ اور فضول خرچی کرنے والی مستورات کرتی ہیں، اور نہ ہی وہ اپنی معتدل اور پسندیدہ شکل وصورت، اپنے ملبوسات اور اپنی نزاکت سے بے پروائی برتتی ہے بلکہ وہ ان چیزوں میں حد اعتدال پر کھڑی رہتی ہے جسے قرآن کریم نے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے بلکہ اسے رحمٰن کے مومن بندوں اور ایماندار خواتین کی پسندیدہ صفات میں شمار کیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾

"اور خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی، بلکہ ان کا خرچ دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"[2]

مسلمان خاتون اس امر سے ڈرتی ہے کہیں وہ فیشن کی غلامی کا شکار نہ بن جائے اور نہ ہی وہ ملبوسات کو رواج دینے والوں کو استحکام دیتی ہے، جو لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کا وقار ہی رکھتے ہیں اور نہ عورت کی بھلائی ہی چاہتے ہیں بالخصوص مسلمان خاتون کی، وہ تو اس عبودیت سے

---

[1] صحيح البخاري، الهبة، باب القليل من الهبة، حديث : 2568. [2] الفرقان 67:25.

ڈرتی رہتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے اسے تباہی، ہلاکت اور ناکامی کا محور و مرکز قرار دیا ہے:

''دینار، درہم، جھالردار چادر اور ریشمی یا اونی دھاری دار کپڑے کا بندہ ہلاک ہو جائے کہ اگر اسے دے دیا جائے تو راضی ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو راضی نہ ہو۔''[1]

مسلمان خاتون کی دینی ہدایت میں ایسی ہدایات موجود ہیں جو اسے فخر و مباہات، تکبر، غرور اور حسن و جمال پر خود پسندی وغیرہ کی مہلکات و واہیات میں گرنے سے بچاتی ہیں، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بھی بیان کیا ہے:

''دراں حالیکہ ایک شخص اپنی دو دھاری چادروں میں اکڑتا جا رہا تھا، اسے اپنا آپ بڑا اچھا لگ رہا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔''[2]

بلاشبہ مسلمان خاتون جائز زیبائش اور مشروع حسن کو اختیار کرتی ہے اور قیمتی خوبصورت اور عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہے اور یہ سب وہ پاکیزہ چیزیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حلال رکھا ہے، بغیر اس کے کہ وہ مبالغہ، اسراف اور بے راہ روی کی مرتکب ہو، اور یہی وہ راہ اعتدال ہے جس کی طرف اسلام نے دعوت دی اور رغبت دلائی ہے۔ معتدل، سمجھدار، باعصمت، باوقار خاتون کے درمیان اور اسراف کرنے والی، گھٹیا کردار والی، بے پروا اور اوچھی عورت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اور یہ بات یاد رکھیں کہ جو خاتون خوبصورت کپڑے پہن کر اپنی سہیلیوں پر فخر و غرور، تکبر و برتری اور شیخی خوری کا اظہار کرتی ہے وہ گنہگار ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شیخی خورے اور اکڑ و غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لیے، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت پر مدد لینے کے لیے لباس پہنتی ہے وہ فرمانبردار اور ثواب

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله، حديث: 2886.

[2] صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم التبختر في المشي، حديث: 2088.

کی حقدار ہے۔

اور جو عورت اچھے عمدہ ملبوسات سے کنارہ کش رہتی ہے اور مال پر بخل کرتے ہوئے انہیں پہننا چھوڑ دیتی ہے تو اس کا لوگوں کے دلوں میں کوئی احترام و مقام نہیں رہتا، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کوئی اجر وثواب ملتا ہے، اور رہی وہ خاتون جو از خود راہِ زہد خوبصورت ملبوسات پہننے کو ترک کر دیتی ہے جو یہ گمان رکھتی ہے کہ وہ ان مباح اشیاء کو اپنے نفس پر حرام ٹھیرا کر اپنے رب کی عبادت گزاری میں مصروف رہنا چاہتی ہے تو وہ بھی گنہگار ہے، جس طرح کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔[1]

خاتون کی دین و دنیا میں سعادت کا معیار یہی ہے: میانہ روی، توسط اور اعتدال۔ اور اپنے دین کی ہدایات کی پاسداری کرنے والی مسلمان خاتون کی یہی حالت ہونی چاہیے، جو اس کے روشن و منور احکام کو لازماً اختیار کیے رکھتی ہے، اس کا لباس صاف ستھرا، خوبصورت، دیدہ زیب، مرتب اور اپنی جیسی دیگر خواتین کی مانند ہوتا ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مظہر ہوتا ہے۔ جس میں کوئی فضول خرچی ہوتی ہے نہ شیخی و برتری کا اظہار اور نہ ہی فخر و مباہات کی آمیزش ہوتی ہے۔

اعلیٰ و بلند امور کا اہتمام کرتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس نے اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھا ہے وہ اعلیٰ و بلند کے سوا دیگر امور کا اہتمام نہیں کرتی اور وہ بے وقعت، گھٹیا اور مندے کاموں سے اپنے نفس کو دور رکھتی ہے جو ترقی یافتہ اور اعلیٰ کردار کے حامل انسان کی توجہ اور دھیان کے حقدار نہیں ہوتے اور ایسی خاتون عورتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خیالات کی بلندی اور مقاصد و اہداف کی عظمت کی بنیاد پر استوار رکھتی ہے اس کی زندگی میں آوارہ، باتونی اور گھٹیا کردار کی حامل مستورات سے دوستی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی حقیر کاموں، گھٹیا امور اور سرسری حرکتوں میں مشغول ہونے کی اس کے پاس کوئی فرصت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے اوقات کو

[1] فتاوی ابن تیمیة: 22/138، 139.

گھٹیا، لغو، کم تر اور بے مقصد امور میں گزارتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں اور مومنہ خواتین میں محبوب رکھتے ہیں جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكُرَمَاءَ وَيُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُوْرِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا]

''بے شک اللہ عزوجل کریم ہے اور کریم لوگوں کو ہی پسند فرماتا ہے اور وہ بلند ترین امور کو پسند فرماتا ہے، اور سرسری و گھٹیا امور سے کراہت کرتا ہے۔''[1]

مسلمانوں کے کاموں میں بھی دلچسپی لیتی ہے

اپنے دین کے احکامات کو یاد رکھنے والی مسلمان خاتون صرف اپنے گھر، اپنے خاوند اور اپنی اولاد کے کاموں ہی میں دلچسپی نہیں لیتی بلکہ مسلمانوں کے امور کا بھی اہتمام کرتی ہے، ان کی خبروں اور واقعات کی بھی خبر رکھتی ہے، اس عظیم دین کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جس نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی شمار کیا ہے اور ان سب کو باہمی مودت، باہمی رحم وکرم اور باہمی الفت ونرمی میں ایک جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوجاتا ہے تو باقی سارا وجود بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور ان سب کو ایسی عمارت کے ساتھ بھی تشبیہ دی ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے۔

یہی باعث ہے کہ دور حاضر کی سمجھدار مسلمان خاتون کا اہتمام مسلمان شخص، مسلمان خاندان، اسلامی معاشرہ اور امت اسلامیہ سب کے لیے ہوتا ہے جو اس کی مسلمان شخصیت سے جنم لیتا ہے جو روح اسلام سے شکم سیر ہونے والی اور اس کی ہدایت، اس کے احکامات اور انسان، زندگی اور دنیا کے متعلق اسلامی نظریے سے واقفیت رکھنے والی ہوتی ہے، اور اس کے شعور میں اس ذمہ داری اور مسؤلیت کا احساس بھی ہوتا ہے جو اسلام نے ہر مسلمان مرد وزن

[1] الطبرانی فی الکبیر و رجاله ثقات، مجمع الزوائد : 188/8، باب مکارم الاخلاق .

پر تبلیغ کرنے اور اس کے احکامات کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے سلسلے میں عائد کیا ہے۔

مسلمان خاتون کی تاریخ میں ایسی برگزیدہ خواتین کے بے شمار نمونے موجود ہیں جو مسلمان مردوں اور عورتوں کے انفرادی اور اجتماعی امور کی دیکھ بھال کرنے میں مشہور و معروف تھیں، ان نمونوں میں سے ایک نمونہ جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سالم مولیٰ شداد سے روایت کیا ہے۔ کہتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا جس دن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے، تو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے، انھوں نے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں آکر وضو فرمایا، تو وہ فرمانے لگیں: اے عبدالرحمٰن! وضو کو مکمل کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

[وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ]

''ایڑیوں کے لیے آگ سے ہلاکت ہے۔''[1]

کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ وضو میں اپنی ایڑیوں کو اچھی طرح نہیں دھو رہے ہیں، آپ یہ چیز دیکھ کر خاموش نہ رہ سکیں، بلکہ وضو کے کامل کرنے کے وجوب پر خبردار فرماتی ہیں، جس طرح انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذات خود سنا تھا، اور یہی ہے دوسروں کا اچھا خیال رکھنا بلکہ ہر مسلمان مرد و زن پر واجب ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا داعیہ موجود ہو یہ عمل سرانجام دے۔

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا گیا اور آپ نے اپنے قریب الموت ہونے کا احساس کر لیا تو اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ انھیں سلام عرض کرنا، اور پھر ان سے اجازت طلب کرنا کہ میں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دفن ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور انھیں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ وہ فرمانے لگیں: ہاں بڑی خوشی اور اعزاز و

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين، حديث: 240.

اکرام کے ساتھ، پھر فرمانے لگیں: اے میرے برخوردار! عمر کو میری طرف سے سلام پہنچانا، اور انہیں یہ کہنا:

[لَا تَدَعْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ بِلَا رَاعٍ اِسْتَخْلِفْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَدَعْهُمْ بَعْدَكَ هَمَلًا فَإِنِّي أَخْشٰى عَلَيْهِمُ الْفِتْنَةَ]

''محمد ﷺ کی امت کو کسی راعی (حکمران وخلیفہ) کے بغیر نہ چھوڑ جانا، ان پر خلیفہ مقرر کردیں، انھیں اپنے پیچھے بغیر نگران کے نہ چھوڑ جائیں، کیونکہ مجھے ان کے متعلق فتنہ کا اندیشہ ہے۔''[1]

بلاشبہ یہ امت کے معاملے میں ایک انتہائی دور اندیش، ہدایت یافتہ اور درست رائے ہے، اس کے متعلق اندیشے کا اظہار کررہی ہیں کہ اسے کسی نگران کے بغیر نہ چھوڑ جائیں جو اس کے امور کی نگرانی کرے، اس کے معاملے کو سنبھالے، اس کی وحدت اور اس کے امن کی حفاظت کرے۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں ایک قندیل ہے جس سے اپنے اسلام کے فہم پر ہدایت لے سکتی ہے، اس کے لیے یہ الفاظ منارۂ نور ہیں جن سے اپنی دینی مسئولیت اور اپنی امت کی خدمت کے سلسلے میں روشنی لے سکتی ہے۔

وہ مہمان نواز ہوتی ہے

راست باز سچی مسلمان خاتون مہمان کا استقبال کر کے دلی راحت وسکون پاتی ہے، وہ اس کا اکرام کرنے میں جلدی کرتی ہے، اس سلسلے میں اپنے اللہ پر ایمان اور آخری دن پر ایمان لانے کی آواز پر لبیک کہتی ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں بیان فرمایا ہے:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتَهُ قَالُوا: وَمَا

[1] طبقات لابن سعد : 363/3.

جَائِزَتُهُ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ]

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا انعام عزت سے ادا کرے، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ اس کا انعام کیا ہے؟ فرمایا: اسے ایک دن اور ایک رات (عمدہ کھانا پیش کرنا) اور ضیافت تین دن ہوتی ہے اور جو اس سے زائد ہوں گے وہ صدقہ ہوگا۔''

یہاں سے ثابت ہوا کہ مہمان کی عزت وتکریم ایک ایسا پسندیدہ اور قابل عزت عمل ہے جو ہر مسلمان خاتون کو محبوب ہونا چاہیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی حقدار ٹھہرتی ہے اور لوگوں کے درمیان نیک نامی اور ذکر پاتی ہے، اور اسلام نے ضیافت کا ایک نظام بنایا ہے اور اس کی حدود کو بیان فرمایا ہے۔ مہمان کا انعام تو ایک دن رات ہے پھر ضیافت کا واجبی درجہ آتا ہے اور اس کی مدت تین ایام ہے، اور جو اس سے زائد ہوگا وہ صدقہ ہوگا جو مہمان نواز سخی خاتون کے نامہ اعمال میں درج ہوگا۔

اسلام میں مہمان نوازی کوئی اختیاری کام نہیں ہے جو مزاج، نفسیات اور شخصی اجتہاد کے تابع ہو بلکہ یہ تو ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے، لہٰذا ان دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے واجب عمل کو ادا کرنے میں جلدی دکھائیں، جب کبھی بھی کوئی رات کے وقت آنے والا ان کے دروازے پر دستک دے یا کبھی ان کے گھر میں کوئی مہمان بن کر تشریف لے آئے۔

''مہمان کی رات کی مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، جس آدمی کے گھر کے صحن میں مہمان نے صبح کی تو (اس کی مہمان نوازی) اس کے ذمہ قرض ہے، اگر وہ چاہے تو اس کا تقاضا کرلے اور اگر وہ چاہے تو اسے چھوڑ دے۔''[1]

یقیناً اسلام نے ہر مسلمان مرد وزن پر مہمان نوازی واجب قرار دی ہے، اسے مہمان کا ایک فرضی حق شمار کیا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو اس کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب نہیں ہونا

[1] أخرجه البخاري، في الأدب المفرد: 207/2.

چاہیے۔ اگر کسی قوم میں کنجوسی مستحکم ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ وہ مہمان کا حق بھی غصب کرنے لگ جائیں تو اسلام نے مہمان کو یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ ان سے اپنا حق وصول کرے، اور یہ اس حدیث مبارکہ میں ہے جسے شیخین وغیرہ نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ہمیں روانہ فرماتے ہیں تو ہم کسی قوم کے ہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں لیکن وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس معاملے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم کسی قوم کے پاس اترو، اور تمھارے لیے اس چیز کا حکم دے دیا جائے جو مہمان کو چاہیے تو وہ قبول کر لو، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کے حق کو لے لیا کرو جو ان کو دینا چاہیے تھا۔''[1]

بلاشبہ مہمان کی عزت و تکریم ایک عمدہ اسلامی خلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی ایسی مسلمان خاتون کو نہیں پائیں گے جس کا اسلام تو بہترین ہو مگر وہ بخیل، کنجوس اور مہمان کے اکرام کرنے سے باز رہنے والی ہو، یا اس کے استقبال و اکرام سے دور رہتے ہوئے اپنے خاوند کی رسوائی و بدنامی کا باعث بننے والی ہو، خواہ اس کے خاوند کی اور اس کی گھریلو حالت کیسی بھی ہو، کیونکہ دو کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جاتا ہے اور تین کا کھانا چار افراد کو کافی ہو جاتا ہے، لہٰذا کسی مہمان کے اچانک آنے سے فکر مند اور پریشان نہ ہونا چاہیے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو آدمیوں کا کھانا تین کو کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے۔''[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے اور دو افراد کا کھانا چار کو کفایت کر جاتا

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف، حديث: 6137، وصحيح مسلم، اللقطة، باب الضيافة ونحوها، حديث: 1727. [2] صحيح البخاري، الاطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، حديث: 5392، وصحيح مسلم، الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل، حديث: 2058.

ہے اور چار اشخاص کا کھانا آٹھ کو کفایت کر جاتا ہے۔''[1]

یقیناً ہمارے سلف صالحین نے اکرام ضیف میں اعلیٰ مثالیں رقم فرمائی ہیں حتی کہ بعض کی مہمان نوازی پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی اظہار پسندیدگی فرمایا ہے اور یہ بات ہم اس حدیث مبارکہ میں پاتے ہیں جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے پاس کھانے کے بندوبست کے لیے پیغام بھیجا، سب نے یہی جواب بھیجا: ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کی مہمان نوازی کون کرے گا؟'' ایک انصاری آدمی نے کہا: ''میں۔'' چنانچہ وہ اسے اپنے ہاں لے گیا اور جا کر اپنی بیوی سے کہنے لگا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی تکریم و تعظیم کرو۔'' وہ بولی: ہمارے ہاں تو بچوں کے کھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں، وہ انصاری بولا: اپنے کھانے کو تیار کرو، اپنے چراغ کو درست کرو اور جب تیرے بچے رات کے کھانے کی طلب کریں تو انھیں دلاسے دے کر سلا دینا، چنانچہ اس نے کھانے کو تیار کیا، اپنے چراغ کو درست کر لیا اور اپنے بچوں کو سلا دیا، پھر وہ چراغ کو درست کرنے کے بہانے کھڑی ہوئی تو اس نے چراغ کو بجھا دیا، اور دونوں نے مہمان کو یہ باور کرایا کہ وہ دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں، پھر دونوں نے بھوکے رہ کر رات گزاری، پھر جب علی الصباح وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مہمان کے ساتھ تمھارے عمل کرنے کو پسند فرمایا ہے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل، حديث: 2059. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب ويؤثرون على أنفسهم، حديث: 7498، صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف، حديث: 2054.

اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''بلکہ خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔''[1]

بلاشبہ مسلمان خاتون مہمان نواز ہوتی ہے، وہ مہمان کو خوش آمدید کہتی ہے خواہ وہ کسی وقت بھی آ جائے، اس کے اچانک آ جانے سے پریشان و فکر مند نہیں ہوتی، اس طرح وہ اپنے خاوند کی بہترین معاون بنتی ہے تا کہ وہ بھی اس کی مثل مہمان نواز اور سخی بن جائے، مہمان کی آمد پر راحت و سکون محسوس کرتی ہے، اور ہنس مکھ اور دمکتے مسکراتے چہرے کے ساتھ خندہ پیشانی سے مہمان کی عزت افزائی میں جلدی دکھاتی ہے۔

دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس نے دین اسلام کی ہدایت سے سیرابی پائی ہے وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہے، اگرچہ اس کے پاس مال وافر مقدار میں نہ ہو، یہ اس لیے کہ ترجیح دینا ایک بلند ترین، پسندیدہ اور شریفانہ خوبی ہے، جس کو اسلام نے بہت سراہا ہے اور اس سے متصف ہونے کی ترغیب دی ہے تا کہ اس کے ذریعے سے مسلمان آدمی راست باز اور شریف بن کر ممتاز بن سکے۔

بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انصار صحابہ رضی اللہ عنہم ایثار میں پیش رو ہیں، کیونکہ ان کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوا ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے، جو ان کے لازوال ایثار کی زمانہ گزرنے کے باوجود تعریف و ستائش کر رہا ہے۔ جب انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کا استقبال کیا تھا کہ جن کے پاس ذاتی ملکیت میں کوئی چیز نہ تھی، تو انھوں نے اپنا سب کچھ ان

[1] الحشر 59:9.

پر نچھاور کر دیا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ وا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''اور ان کے لیے جنھوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے، اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی رشک اور دغدغہ نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچ جائیں وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔''[1]

اور نبی اکرم ﷺ کی مبارک زندگی تو ایثار سے بھری پڑی ہے، اور اسی ہی سے آپ ﷺ نے اولین مسلمانوں کے دلوں میں اسے راسخ فرمایا ہے، اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں میں اسے پیوست و سرایت کیا ہے۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دھاری دار چادر لے کر آئی، اور یوں عرض پرداز ہوئی: میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے تاکہ میں یہ آپ کو پہناؤں۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی آپ نے وہ لے لی، تب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے وہی چادر باندھی ہوئی تھی، تو فلاں شخص بول اٹھا: یہ آپ مجھے پہنا دیں، یہ کس قدر خوبصورت ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل ٹھیک۔ تب نبی اکرم ﷺ اسی جگہ پہ بیٹھ گئے پھر واپس گئے، اس چادر کو تہہ لگائی اور پھر اس آدمی کے پاس بھیج دی۔ لوگوں نے اس آدمی سے کہا: تو نے اچھا نہیں کیا، نبی اکرم ﷺ نے یہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر تو نے اس کا سوال کر دیا، حالانکہ تجھے بخوبی علم تھا کہ آپ ﷺ کسی سائل کو لوٹاتے نہیں ہیں، وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے یہ چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی بلکہ میں نے صرف

[1] الحشر 59:9.

اس لیے مانگی ہے تاکہ یہ میرا کفن ہو جائے۔ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تو وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔ ①

کیا خوبصورت ہے وہ ایثار جسے انسانیت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انصار صحابہ سے پہچانا ہے! اور کس قدر عظیم ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل جس نے مسلمان مردوں اور عورتوں کی اس نسل کے دلوں میں اس کے بیج بوئے ہیں، اور پھر بعد کی مسلمان نسلوں نے ان سے وراثت میں یہ ایثار پایا ہے حتی کہ اسلامی معاشرے کی عمدہ ترین صفات میں سے یہ ایک بنیادی صفت بن چکی ہے۔

اپنی عادتوں کو اسلامی سانچوں میں ڈھالتی ہے

اپنے دین کے احکامات کی بصیرت رکھنے والی مسلمان خاتون اپنی ہر دل پسند عادت کی طرف نہیں جھکتی، جس پر لوگ فریفتہ ہوتے ہوں، کیونکہ بعض اوقات وہ عادت جاہلی، قدیمی یا نئی موروثی عادات میں سے بھی ہوسکتی ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، تو ایسی عادت مسلمان خاتون کی نگاہوں میں غیر مقبول ہوتی ہے اگرچہ لوگ اس پر فریفتہ ہی ہوتے جارہے ہوں۔

مسلمان خاتون اپنے گھر کو تماثیل اور تصاویر سے مزین نہیں کرتی اور نہ اپنے گھر میں ماسوائے چوکیداری کے کتا ہی پالتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے، ان چیزوں کی حرمت میں آپ سے مروی صحیح نصوص بڑی سختی سے حرمت کو بیان کر رہی ہیں، جن میں تساہل یا رخصت کا کوئی رخنہ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ]

① صحيح البخاري، الجنائز، باب من استعد الكفن، حديث : 1277.

''بے شک وہ لوگ جو یہ تصاویر بناتے ہیں روز قیامت مبتلائے عذاب ہوں گے، انھیں کہا جائے گا: جو تم نے پیدا کیا تھا انھیں زندہ کرو۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے میں نے ایک چھوٹی سی کھڑکی پر پردہ لٹکایا ہوا تھا جس پر تصاویر تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی اسے دیکھا آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، فرمایا:

[يَا عَائِشَةُ ! اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهُونَ بِخَلْقِ اللّٰهِ]

''اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب انھیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں: ہم نے اسے پھاڑ دیا اور اس سے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''ہر مصور آتش دوزخ میں ہوگا، ہر تصویر کی جگہ پر جو اس نے بنائی ہوگی ایک جان بنائی جائے گی جو اسے جہنم میں عذاب دے گی۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اگر تو لازماً ہی کچھ بنانے والا ہے تو درخت اور وہ چیز بنا لے جس میں روح نہ ہو۔''[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں: سیدنا جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھڑی میں آپ کے پاس آنے کا وعدہ کیا، وہ گھڑی اور وقت آ گیا مگر وہ نہ آئے، فرماتی

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، حديث : 5951، وصحيح مسلم، اللباس، باب لاتدخل الملائكة بيتا فيه كلب، حديث : 2108. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب ماوطئ من التصاوير، حديث : 5954، و صحيح مسلم، حواله سابق، حديث : 2107. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع التصاوير، حديث : 2225، و صحيح مسلم، حواله سابق، حديث : 2110.

ہیں: آپ ﷺ کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، آپ ﷺ نے اسے دست مبارک سے پھینک دیا اور یہ فرماتے جا رہے تھے:

[مَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلُهُ]

''اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کرتا ہے اور نہ ہی اس کے رسول۔''

پھر آپ ﷺ نے دوسری طرف دھیان کیا تو کیا دیکھا کہ آپ کی چارپائی کے نیچے کتے کا پلا ہے، دریافت کیا: ''یہ کتا کب داخل ہوا؟'' میں نے عرض کی: ''اللہ کی قسم! مجھے تو اس کا علم ہی نہیں ہوا (پھر اسے گھر سے نکالا گیا تب) سیدنا جبریل آپ ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا اور آپ آئے ہی نہیں؟'' انھوں نے جواب دیا:

[مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ]

''مجھے اس کتے نے آنے سے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا، بے شک ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ہی تصویر والے گھر میں۔''[1]

اس بارے میں نصوص لاتعداد ہیں، جو تمام کی تمام تصاویر کو پھیلانے اور تماثیل کو نصب کرنے کو حرام قرار دے رہی ہیں۔ اسی قبیل سے یہ امر بھی ہے جو بعض عقیدت مند اپنے زعماء وقائدین کی زندگی میں یا ان کی موت کے بعد ان کے فوٹو اور مجسمے نصب کرتے ہیں تاکہ انھیں کامل معبود یا آدھے معبود بنالیں، اور وہ اپنے عظمت کے تختوں پر چار زانو ہو کر بیٹھتے ہیں اور ڈنڈوں کوڑوں کی زد سے کمزور مردوں اور کمزور عورتوں کی پشتوں پر مارتے ہیں۔

بلاشبہ وہ اسلام جو عقیدہ توحید لایا ہے اور جس نے پندرہ صدیوں سے شرک و جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ وہ ان بتوں کا انکاری ہے کہ وہ مسلمان مردوں اور عورتوں

---

[1] صحیح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير الحيوان، حديث: 2104.

کی زندگی میں دوبارہ لوٹ آئیں کہ ایک بار فلاں لیڈر کا نام باقی رکھا جائے اور دوسری بار فلاں فن کار اور ماہر کے نام کی تکریم وتعظیم کی جائے اور تیسری مرتبہ فلاں شاعر یا عالم یا ادیب کے نام کی عزت وعظمت کے جھنڈے گاڑے جائیں۔ اسلامی معاشرہ تو توحید پرستوں کا معاشرہ ہوتا ہے۔ جس میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی بھی تعظیم وتقدیس اور بزرگی پہچانی نہیں جاتی، یہی وجہ ہے کہ اس میں ان بتوں، مجسموں اور پورٹریٹوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

باقی رہا معاملہ کتے پالنے کا، تو جب وہ شکار کے لیے یا مویشیوں کے لیے یا زمین کے لیے ہوں تو ان میں کوئی امر مانع نہیں ہے، جس طرح کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

[مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا لَا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ]

''جس نے کوئی کتا پالا ماسوائے شکاری کتے کے یا مال مویشی (کی رکھوالی والے) کتے کے، تو روزانہ اس کے اجر سے دو قیراط کم کیا جاتا ہے۔''[1]

اور گھروں میں مغربی طرز پر کتے پالنے ان کی خصوصی دیکھ بھال اور ان سے لاڈ پیار ان کے لیے سپیشل کھانے اور مخصوص شیمپو، صابن کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے خاص قسم کے ٹب اور حمام بنانا وغیرہ جن پر یورپ اور امریکہ میں سالانہ کئی ملین ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔ تو یہ انداز اسلام سے اور اس کی واضح ترین تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اہل مغرب کی نفسیاتی کیفیت اور خشک مادی زندگی نے ان کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ وہ حد درجہ کتوں سے قریب ہو رہے ہیں اور اپنی سماجی زندگی میں انسانی محبت کے فقدان کو کتوں سے پوری کر رہے ہیں جبکہ اسلام میں معاشرتی زندگی تو انسانی محبت وعاطفت سے لبریز اور معمور زندگی ہوتی ہے جس میں ایسے رجحان اور غلط میلان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الذبائح، باب من اقتنى كلبا ليس بكلب صيد، حديث : 5480، صحيح مسلم، البيوع، باب الأمر بقتل الكلاب، حديث : 1574.

سمجھدار مسلمان خاتون جو اپنے دینی احکامات کو یاد رکھتی ہے سونے اور چاندی کے برتنوں میں اکل وشرب بھی نہیں کرتی خواہ اس کے ہاں کتنی ہی مال و دولت کی فراوانی اور نعمتوں کی شادابی کیوں نہ ہو، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں سونے اور چاندی کے برتنوں کو ممنوع اور حرام ٹھیرایا گیا ہے۔ ہم اس حرمت کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی متعدد صحیح اور قطعی احادیث مبارکہ میں پاتے ہیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[اَلَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ]

''جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے تو بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں آتش جہنم کو بھرتا ہے۔''[1]

ایک اور روایت میں یوں بھی ہے:

[مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْفِضَّةٍ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَاراً مِّنْ جَهَنَّمَ]

''جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیئے تو یقیناً وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔''[2]

بلاشبہ سمجھدار مسلمان خاتون ہر جگہ میں معاشرے میں مقبول و پسندیدہ عادات میں سے ہر عادت کو اسلام کے حکم، اس کی اقدار اور اس کے مفاہیم پر پیش کرتی ہے۔ تو اس میں سے جو اس سے موافقت رکھے اسے قبول کر لیتی ہے اور جو اس سے مخالفت رکھے اسے چھوڑ دیتی اور اسے پھینک دیتی ہے، خواہ اس عادت کا تعلق منگنی سے ہو یا شادی سے، یا اس کا تعلق

---

① صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، حديث : 5634، وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة حديث : 2065. ② مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال ......، حديث : 2065.

گھریلو خاندانی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہو، کیونکہ عادات تو قبیلوں اور اسلامی ملکوں میں مختلف ومتابین ہوتی ہیں لیکن ان کا اعتبار اسلام سے موافقت رکھنے اور اس عادت کے مشروع ہونے پر ہی ہوگا نہ کہ اس کے لوگوں کے درمیان رائج اور عام ہونے کا اعتبار ہوگا۔

خورد ونوش میں اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتی ہے

بیدار مغز مسلمان خاتون اپنے خورد ونوش میں اسلامی آداب کو اختیار رکھنے کی حرص کے ساتھ ممتاز ہوتی ہے، آپ اسے دستر خوان پر کھانا تناول کرتے ہوئے دیکھیں یا دستر خوان پر کھانا چنتے ہوئے مشاہدہ کریں تو آپ ملاحظہ کریں گے تو وہ کھانے میں، پینے میں اور ترتیب مائدہ میں اسلامی آداب وشعائر کی پابند ہوگی۔

وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بعد ہی کھانا تناول کرنا شروع کرے گی، اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے گی اور اپنے سامنے سے کھانا لے گی، فرمان رسول اکرم ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے:

[سَمِّ اللّٰهَ وَ كُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ]

''اللہ کا نام لے، اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔''[1]

اور جب وہ کھانے کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جاتی ہے تو وہ اس کے رہ جانے کا تدارک کرتی ہے اور اس طرح کہتی ہے:

[بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ]

جس طرح کہ اس حدیث میں ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، کہتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرے،

---

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث : 5376، و صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب، حديث : 2022.

تو اگر وہ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام بھول جائے تو اسے یوں کہنا چاہیے:
[بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ] یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اس کے اول میں بھی اور اس کے آخر میں بھی۔''[1]

اور دوسرا مسئلہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا ہے، اسلامی آداب کی پابند مسلمان خاتون اپنے دائیں ہاتھ سے کھاتی ہے، بائیں ہاتھ سے نہیں کھاتی، کیونکہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کی اور بائیں ہاتھ سے نہ کھانے کی بہت سی احادیث مبارکہ بھی واضح الفاظ کے ساتھ وارد ہیں، ان میں سے رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان گرامی یہ ہے:

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب وہ پانی پیئے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔''[2]

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان اقدس:

''تم میں سے کوئی اپنے بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھائے اور نہ ہی اپنے بائیں ہاتھ سے پیئے، بلاشبہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''[3]

اور نافع اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں:

[وَلَا يَأْخُذْ بِهَا وَلَا يُعْطِ بِهَا]

''نہ اس ہاتھ سے کوئی چیز لے اور نہ ہی کوئی چیز دے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھتے تو اسے منع کرتے، اسے سمجھاتے اور ادب سکھاتے اور بعض اوقات اس پر سختی فرماتے اور جب اس کی طرف سے

---

① سنن أبي داود، الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث: 3767، والترمذي الأطعمة، باب ماجاء في التسمية على الطعام، حديث: 1858، وقال حديث حسن صحيح. ② صحيح مسلم، الاشربة، باب آداب الطعام والشراب، حديث : 2020. ③ صحيح مسلم، حديث : 2020. ④ صحيح مسلم، حديث : 2020.

تکبر دیکھتے اور اس فعل پر اصرار ملاحظہ کرتے، تو اس کے لیے بددعا بھی کرتے۔

سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔'' وہ بولا: میں طاقت نہیں رکھتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو طاقت نہ پائے۔''

''اسے تکبر نے روکے رکھا! پھر وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔''[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام اور ہر چیز میں داہنی جانب ہی کو پسند کیا کرتے تھے اور اس سے پکڑنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخین اور امام مالک رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا جس میں کنویں کا پانی ملایا گیا تھا، آپ کے دائیں طرف ایک اعرابی تھا جب کہ آپ کے بائیں جانب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے نوش فرمایا، پھر اعرابی کو دے دیا اور فرمایا:

''دائیں طرف سے شروع کرو اور پھر دائیں طرف بڑھا دو۔''[2]

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب لایا گیا، آپ کی دائیں طرف ایک بچہ تھا۔[3] اور آپ کی بائیں طرف بڑے لوگ تھے۔ آپ نے نوش جان فرمایا اور پھر بچے سے کہا: اب پینے کی باری تو تیری ہے، کیا تو ان بزرگوں کی وجہ سے اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہے؟ تو بچہ بولا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں آپ کا جھوٹا پینے کی سعادت کسی دوسرے کو نہیں دوں گا۔ اس سلسلے میں سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مشروب لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پیا، اس وقت آپ کے دائیں طرف ایک بچہ تھا اور آپ کے بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے سے کہا: ''کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں انھیں دے دوں؟''

---

[1] صحیح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب، حدیث: 2021. [2] صحیح البخاري، الأشربة، باب شرب اللبن بالماء، حدیث: 5612، و صحیح مسلم، الأشربة، باب استحباب إدارة الماء باللبن، حدیث: 2029. [3] وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

تو بچے نے کہا: ''نہیں اللہ کی قسم! میں آپ سے بچے ہوئے حصے پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دوں گا۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ①

یہ شواہد اور نصوص اور ان جیسے دیگر دلائل اس امر پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ داہنی جانب کو اختیار کرنا، اسلامی آداب میں سے ایک اہم ترین ادب ہے جسے سچے مسلمان انسان کو بذات خود کسی سستی، رخصت اور توقف کے بغیر اختیار کرنا چاہیے اور یہی وہ طرز عمل تھا جسے صحابہ اور تابعین نے بھی اپنایا تھا، ان میں سے کوئی بھی اس کے خلاف نہ کرتا تھا۔ اور امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ داہنی جانب کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے اور اس سے تساہل برتنے والے سے چشم پوشی نہ برتا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رعایا کی خبر گیری کرتے ہوئے گشت کے دوران میں آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ تو آپ نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! اپنے دائیں ہاتھ سے کھا، آپ نے ایک مرتبہ پھر اسے بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا، تو درے سے اسے ہلکا سا مارا، اور اسے کہا: اے اللہ کے بندے! اپنے دائیں ہاتھ سے کھا، آپ نے اسے تیسری مرتبہ بھی بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا، اسے درے سے ہلکا سا مارا اور سختی سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! دائیں ہاتھ سے کھایا کرو۔ اس آدمی نے جواب دیا: اے امیر المومنین! بے شک وہ مشغول ہے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس کا شغل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: اسے یوم موتہ نے مشغول کر دیا ہے، یعنی وہ موتہ کے روز لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور اس آدمی سے معذرت کرتے ہوئے، اس سے ہمدردی کرتے ہوئے یوں کہنے لگے: تجھے وضو کون کراتا ہے؟ تیری ضروریات کا انتظام کون کرتا ہے؟ تیرے امور پر تیری معاونت کون کرتا ہے؟ پھر آپ نے اس کی نگہداشت و رعایت رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

---

① صحيح البخاري، الأشربة، باب هل يستأذن الرجل من عن يمينه، حديث: 5620، و صحيح مسلم الأشربة، باب استحباب إدارة الماء باللبن، حديث: 2030.

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنی رعایا میں سے ایک آدمی کے کردار میں اتنے چھوٹے سے عمل کا خیال رکھنا اس کی اہمیت کو بیان کررہا ہے، اور ایک مسلمان انسان کی شخصیت میں اس چھوٹے سے عمل کی اہمیت کا اندازہ اور اس کی نمایاں ترین خواہش کی تعبیر کو بیان کررہا ہے۔ مزید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی میں اس کی شدید ترین خواہش کا بھی پتا چل رہا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں نہ تو تساہل پسندی ہونی چاہیے اور نہ ہی کسی طرح کی چشم پوشی دکھانی چاہیے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ گفتگو کا رخ ان مسلمان خواتین بیگمات کی طرف کروں جنھوں نے مغربی دستر خوانی نظام اپنالیا ہے، جو کانٹے کو بائیں ہاتھ میں اور چھری کو دائیں ہاتھ میں رکھنے کا فیصلہ دیتا ہے۔ تاکہ کھانے والا اپنے دائیں ہاتھ سے کاٹے اور لقمے کو بائیں ہاتھ سے تناول کرے، تو انھوں نے بھی بلا تغیر وتبدل اس نظام کی پیروی اختیار کر رکھی ہے، تو وہ بھی اپنے دین کی ہدایات کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھوں سے کھانا کھاتی ہیں، انھوں نے اپنی جانوں کو اتنی بھی تکلیف نہیں دی کہ وہ کانٹے کو دائیں ہاتھ میں اور چھری کو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیں تاکہ وہ اپنے دائیں ہاتھوں ہی سے کھانا کھاسکیں صرف اس خدشے سے کہیں کہ مغربی تہذیب کی نوک پلک ہی مخدوش نہ ہو جائے۔ تو یہ اس نفسیاتی شکست کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے، جس میں ہماری امت مبتلا ہو چکی ہے، ان تمام نئی درآمدی چیزوں کے سامنے جو ہماری طرف آرہی ہیں، ہم انھیں بلا چوں و چرا اپنے اوپر لاگو کرنے پر مرے جاتے ہیں۔ جو تبدیلی ہماری شخصیت، ہمارے دین اور ہماری عمدہ ترین اقدار سے مطابقت بھی نہیں رکھتی، سمجھدار مسلمان خاتون ایسی طوطا نما اندھی گھٹیا بے ہودہ تقلید سے دور رہتی ہے۔

رہا تیسرا مسئلہ، وہ ہے اپنے سامنے سے کھانے کا، تو اس میں بھی وہ اسلامی آداب پر عمل پیرا رہتے ہوئے کھانا کھاتی ہے، دائیں ہاتھ سے کھانا تناول کرنے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا شروع کرنے میں بھی بے شمار احادیث مبارکہ بالکل واضح اور صریح ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جسے سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیر کفالت تھا۔ اور میرا ہاتھ پلیٹ میں ادھر اُدھر گھومتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ کا نام لے، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے آگے سے کھا۔''[1]

سمجھدار مہذب مسلمان خاتون کے یہی لائق ہے کہ جب وہ اپنے کھانے کو ہاتھ لگائے تو انتہائی نرمی، سہولت اور آہستگی سے ہاتھ لگائے جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، کیونکہ آپ اپنے کھانے کو صرف تین انگلیاں لگایا کرتے تھے اور کھانے میں پورا ہاتھ نہ ڈبوتے تھے اس طرح کہ نگاہیں اس سے کراہت کریں اور نفوس نفرت کریں، اور یہی وہ بات ہے جو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے، کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو تین انگلیوں سے کھانا کھاتے دیکھا، تو جس وقت آپ فارغ ہو جاتے تو انھیں چاٹ لیا کرتے۔''[2]

اور رسول اکرم ﷺ انگلیوں کو چاٹنے اور پلیٹ کو صاف کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں موجود ہے جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں اور پلیٹ کو چاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا:

''بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ تمھارے کس کھانے میں برکت ہے۔''[3]

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانا کھا لیتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹا کرتے تھے، اور یوں بھی فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کا کوئی لقمہ نیچے گر جائے تو اسے چاہیے کہ وہ پکڑ لے اور اس سے گرد وغبار دور کر لے اور چاہیے کہ اسے کھا جائے، اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔''

اور آپ ﷺ نے ہمیں پلیٹ صاف کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اور ساتھ یہ فرمایا ہے کہ تم نہیں جانتے کہ تمھارے کس کھانے میں برکت ہے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث: 5376، وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب، حديث: 2022. [2] صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع، حديث: 2032. [3] صحيح مسلم، حديث: 2033. [4] صحيح مسلم، ايضاً

نبی کریم ﷺ کی اس رہنمائی میں برکت کی جستجو کرنے کے علاوہ ہاتھوں اور برتنوں کو صاف کرنے کی ترغیب بھی موجود ہے۔ کھانے کے باقی ماندہ اجزاء کو صاف کرنا مہذب اور صاف ستھرے انسان کی طبیعت کے زیادہ لائق ہے جو اس کی نظافت پسندی، سلیقہ مندی اور اس کے اعلیٰ ذوق کی غمازی کرتا ہے۔ اہل مغرب آج بہترین و خوبصورت عادت کو اپنانے پر آ چکے ہیں جس کو نبی کریم ﷺ نے پندرہ صدیاں قبل مقرر فرمایا تھا۔ اہل یورپ آج برتنوں کو صاف کرتے ہیں اور ان میں کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتے۔ قدرتی بات ہے کہ مہذب، ذکی الحس اسلامی آداب سے آراستہ مسلمان خاتون اپنے کھانے میں چٹخارہ اور ڈکار لیتی ہے اور نہ ہی اپنے کھانے کے دوران میں پھونکیں ہی مارتی ہے، تاکہ عجیب وغریب رنگا رنگ آوازیں پیدا کرے اور نہ ہی وہ اتنا بڑا لقمہ لیتی ہے جس سے اس کا منہ بدنما لگے اور جو اس کے نسوانی جمال، اور خوبصورتی میں مخل ثابت ہو۔

حتیٰ کہ جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتی ہے تو اس کی زبان اللہ عزوجل کی حمد وثنا میں دل کش وشیریں لفظوں کے ساتھ جو اسے رسول اکرم ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں مصروف نظر آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کرتی ہے اور اس سے حمد کرنے والوں کا اجر اور شکر گزاروں کا ثواب تلاش کرتی ہے۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو یہ فرماتے:

[اَلْحَمْدُلِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا]

- ''اللہ تعالیٰ کی لاتعداد پاکیزہ اور بابرکت تعریفیں ہیں، اے ہمارے پروردگار! اس کھانے سے بے نیازی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے الوداع کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے بے پروائی ہو سکتی ہے۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب مايقول إذا فرغ من طعامه، حديث : 5458.

اور سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھانے سے فارغ ہو کر یوں کہے:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَطْعَمَنِی هٰذَا وَرَزَقَنِیهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّی وَلَا قُوَّةٍ]

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور جس نے مجھے یہ میری ہمت اور قوت کے بغیر عطا فرمایا۔''

تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

اور اسلامی آداب کو اختیار رکھنے والی مسلمان خاتون کھانا جیسا بھی ہو اس میں عیب نہیں نکالتی، اس سلسلے میں جب بھی اس کے پاس کھانا آتا ہے تو وہ ہدایت نبوی پر کار بند رہتی ہے اور فعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوتی تو اسے کھا لیتے اور اگر اسے ناپسند کرتے تو اسے چھوڑ دیتے۔''[2]

اور رہے وہ آداب جن کا تعلق پینے کے ساتھ ہے تو وہ بھی ان اسلامی آداب سے ماخوذ ہیں جنھوں نے انسان کو مہذب بنا دیا ہے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی بہترین تربیت و رہنمائی فرمائی ہے۔

وہ ''بسم اللہ'' کہنے کے بعد دو یا تین سانسوں میں پیتی ہے، اور برتن میں سانس نہیں لیتی، اور حتی الامکان مشکیزے کو منہ لگا کر بھی نہیں پیتی اور نہ اپنے مشروب میں پھونکیں مارتی ہے اور اگر استطاعت پائے تو بیٹھ کر پیتی ہے۔ رہا معاملہ دو یا تین سانسوں میں پینے کا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر خبر دی ہے:

---

[1] سنن أبي داود، اللباس باب(1) حديث: 4023 وسنن الترمذي، الدعوات، باب(56) حديث: 3458 وقال حديث حسن. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3563، وصحيح مسلم، الأشربة،باب لايعيب الطعام، حديث: 2064.

''رسول اللہ ﷺ پینے میں تین سانس لیتے تھے۔''[1] (یعنی سانس برتن سے باہر لیتے تھے)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان ذیل میں یکبارگی سارا مشروب پینے سے منع فرمایا ہے:

[لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ]

''تم اونٹ کی طرح یکبارگی نہ پیو، بلکہ دو یا تین بار پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو اللہ کا نام لو اور جب تم (برتن) اٹھاؤ تو اللہ کی حمد وستائش بیان کرو۔''[2]

اور آپ نے پینے میں پھونک مارنے سے روکا ہے اور یہ بات سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا تو ایک آدمی بولا: میں اس میں تنکا دیکھتا ہوں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے نیچے بہادو'' وہ بولا: میں ایک سانس سے سیر نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیالے کو منہ سے الگ کرلے پھر سانس لے لے۔''[3]

آدابِ نوش میں احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احسن انداز اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ خاتون حتی المقدور بیٹھ کر پانی پیئے، یہی انداز بہترین، کامل تر اور افضل ہے جس طرح کہ اس موضوع میں وارد احادیث مبارکہ اس بات پر رہنمائی کررہی ہیں، اگرچہ مشکیزے کے منہ سے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پینا دونوں حالتوں میں جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام حالتوں میں پانی نوش فرمایا ہے۔

السلام علیکم کا استعمال کرتی ہے

جن آداب سے مسلمان خاتون ممتاز ونمایاں ہوتی ہے ان میں ایک ''السلام علیکم'' کہنا

---

[1] صحيح البخاري، الأشربة، باب الشرب بنفسين أو ثلاثة، حديث: 5631، و صحيح مسلم، الأشربة، باب كراهة التنفس في الاناء حديث: 2028. [2] جامع الترمذي الأشربة، باب ماجاء في التنفس في إلاناء، حديث: 1885، وقال حسن. [3] جامع الترمذي، الأشربة، حديث: 1887، وقال حديث حسن صحيح.

بھی ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کو جسے وہ ملتی ہے اسے سلام عرض کرتی ہے۔ ان اسلامی اصول وضوابط کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے جنھیں اسلام نے منظّم فرمایا ہے، کیونکہ سلام کو عام کرنے کا حکم قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی بے شمار نصوص میں موجود ہے۔

اسلام میں ''السلام علیکم'' کو عام کرنا ایک عمدہ، منظّم اور باقاعدہ اسلامی ادب ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنی کتاب محکم میں حکم دیا ہے اور پھر اس کے رسول امین ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث مقدسہ میں اس کے اصول وقواعد کو منظّم ومقرر فرمایا ہے، جنھیں محدثین عظام نے مستقل کتابوں اور ابواب میں ''کتاب السلام'' یا ''باب السلام'' کے ناموں سے الگ ذکر کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایماندار بندوں کو اپنی کتاب محکم میں سلام کہنے کا بایں الفاظ حکم دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرلو۔''[1]

اور پھر اس سلام کا اس سے بہتر یا اس کی مثل جواب لوٹانے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلام سننے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اس کا جواب دے اس ضمن میں تجاہل عارفانہ سے کام لے اور نہ ہی سستی کا مظاہرہ کرے:

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔''[2]

بے شمار اور لاتعداد مرتبہ ہدایت نبوی ﷺ وارد ہے، جو سلام کو عام کرنے پر اور اسے دوسروں، کو خواہ انھیں ہم جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں سلام سنانے پر رغبت دے رہی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے

---

[1] النور 27:24. [2] النساء 86:4.

استفسار کیا، کون سا اسلام بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

"تو کھانا کھلائے اور ہر اس شخص کو سلام کہے جسے تو جانتا ہے اور جسے نہیں جانتا۔"[1]

بلکہ "السلام علیکم" کہنا تو ان سات حکموں میں سے ایک ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں ان کا التزام و اہتمام کریں تاکہ پھر ان کے بعد امت اسلامیہ ان امور کو لازم پکڑے، اور وہ سات چیزیں مندرجہ ذیل ہیں۔ فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا، مریض کی تیمارداری کرنے کا، جنازوں کے پیچھے چلنے کا، چھینک مارنے والے کو جواب دینے کا، کمزور کی مدد کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا، سلام کو عام کرنے کا اور قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا۔"[2]

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کے معاملے کو اپنی عنایت و اہتمام کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے، اسے معاشرے میں پھیلانے کی رغبت دی ہے، اس کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور دلوں کے تعلقات مضبوط بنانے، محبت کے رشتوں کو مستحکم کرنے اور افراد اور سماج کے درمیان باہمی قربت اور دلی صفائی پیدا کرنے میں آپ اس جیسا کوئی عمل نہ دیکھتے تھے حتی کہ آپ ﷺ نے اسے محبت کا ایسا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے جو ایمان تک لے جانے والا اور جو ایمان جنت میں پہنچانے والا ہے اور یہ بات اس فرمان گرامی میں موجود ہے:

"مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتی کہ ایمان لے آؤ، اور تم ایمان دار نہیں بن سکتے حتی کہ تم باہم محبت کرو، کیا میں تمھیں ایک ایسے کام کی رہنمائی نہ کردوں کہ جب تم وہ کام کرنے لگو تو تم باہم

---

[1] صحیح البخاري، الإیمان، باب اطعام الطعام، حدیث : 12، صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام، حدیث : 39. [2] صحیح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حدیث : 1239، و صحیح مسلم، اللباس، باب تحریم استعمال إناء الذھب والفضة، حدیث : 2066.

محبت کرنے لگو؟ آپس میں "السلام علیکم" کو عام کرو۔"[1]

اور پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کو جو لوگوں کو سلام کہنے میں پہل کرتا ہے سب لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب، اس کی رضا مندی اس کی نعمتوں اور عنایتوں کا زیادہ حقدار ٹھہرایا ہے، فرمایا:

[إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ]

"بے شک سب لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے قریب وہ شخص ہے جو انھیں سلام کہنے میں پہل کرتا ہے۔"[2]

اسلام میں سلام کہنا کوئی معاشرتی رواج نہیں ہے جس کے وضع کرنے اور منظم کرنے پر انسانوں نے اپنے اپنے زمانوں اور مختلف ماحولوں میں باہم لین دین کیا ہو کہ وہ اپنے معاشرتی ماحول یا اس زمانے کے باعث جس میں وہ وضع کیا گیا تغیر و تبدل کا مزاج رکھتا ہو بلکہ یہ تو خاص الفاظ، قواعد اور اصول کے تحت ایک اسلامی ادب ہے جیسا کہ اس پر قبل ازیں بات ہو چکی ہے، اس کا فقط ایک ہی صیغہ ہے جسے اپنے دین کے آداب کو یاد رکھنے والے اور اس کی نمایاں عمدہ ہدایت کو زندگی میں تطبیق دینے کے خواہش مند مسلمان مرد اور عورتیں لازم سمجھتے آئے ہیں اور وہ ہے۔ "السلام عليكم ورحمة الله وبركاته" سلام کی ابتدا کرنے والا یا شخص جمع کی ضمیر بولتا ہے۔ اگرچہ جسے سلام کہا جا رہا ہے وہ اکیلا مرد یا خاتون ہو اور جواب دینے والا یا والی یوں جواب دیتا ہے۔ وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته!

اور اپنی اسلامی شخصیت کو ممتاز رکھنے والی مسلمان خاتون اس مبارک تحفے کے الفاظ کو لازم پکڑتی ہے جو کہ اسلام کا عمدہ ترین تحفہ ہے وہ اس کا کوئی نعم البدل تلاش نہیں کرتی۔ اس بہترین عمدہ ترین شرعی صیغے کی جگہ پر کوئی دوسرے الفاظ کفایت نہیں کریں گے خواہ

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لايدخل الجنة الا المومنون، حديث : 54.

[2] سنن أبي داود، الأدب، باب في فضل من بدأ السلام، حديث : 5197.

زمانہ قدیم کے الفاظ "عِمْ صَبَاحًا" ہوں یا نئے الفاظ ہوں جیسے "صَبَاحَ الْخَیْرِ" جو کہ انگریزی کے الفاظ "Good Morning" یا فرانسیسی الفاظ "Bonjour" کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے یا ان کے علاوہ آداب، تسلیمات وغیرہ الفاظ جو اپنے دین قیم کی ہدایت سے پیچھے رہنے والے مسلمان معاشروں میں عام ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ اسلام کا تحفہ یہ وہی تحفہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے، جب سے سیدنا آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا ہے، آپ کو یہی الفاظ سکھائے تھے۔ اور پھر آپ کو یہی حکم دیا تھا کہ فرشتوں کو انھیں الفاظ کے ساتھ سلام کہیں اور پھر آپ کی اولاد کے لیے زمانے گزرنے کے باوجود اور مختلف ملکوں میں بسنے کے باوجود انھی الفاظ کو اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے، کیونکہ ان الفاظ میں "سلامتی" کا معنی موجود ہے جو ہر زمان و مکان میں ہر انسان کا محبوب ترین لفظ ہے۔ اب اس ربانی تحفے پر ملت اسلامیہ کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہا، بس یہی ایک ملت ہے جو اس کشادہ ملت حنیفیت پر قائم و دائم ہے جس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر آیا ہے اور نہ ہی یہ اپنی ہدایت سے منحرف ہوئی ہے اور نہ کسی دوسری طرف مائل ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ اور ان لوگوں کو سلام کہو...... جہاں فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی...... اور اس جواب کو غور سے سنو جو وہ تجھے جواب میں کہیں۔"

[فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ]

"بلاشبہ وہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے تحفہ ہوگا۔"

تو اس نے کہا: "السلام علیکم" پھر انھوں نے جواب میں کہا:

[اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ]

"انھوں نے "ورحمۃ اللہ" کا اضافہ کیا تھا۔" [1]

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب بدء السلام، حديث: 6227، و صحيح مسلم، الجنة، باب يدخل الجنة أقوام أفئدتهم......، حديث: 2841.

اسلام میں سلام کہنے کے قواعد وضوابط بھی ہیں۔ اپنے دین کی ہدایت کا التزام رکھنے والی مسلمان خاتون ان قواعد وضوابط کو اپنی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں انتہائی محبت کے ساتھ منطبق ولاگو رکھتی ہے۔ ان قواعد وضوابط کا خلاصہ جو حدیث مبارکہ میں وارد ہیں کچھ اس طرح ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سوار پیدل کو سلام کرے، اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔''[1]

اور صحیح البخاری کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے: ''اور چھوٹا بڑے کو؟۔''[2]

اور سلام مردوں اور عورتوں دونوں کو ہی ہوسکتا ہے۔ اس امر کی شہادت سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں سے گزرے تو عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ نے سلام کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا۔''[3]

اس طرح بچوں کو بھی سلام ہوگا۔ انھیں اسلامی آداب اور سلام کا تحفہ پیش کرنے کا عادی بنانے کے لیے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کہا اور فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''[4]

اسلام میں سلام کے قواعد وضوابط میں یہ بات بھی ہے کہ رات کو نرمی، دھیمی آواز اور پرسکون لہجے میں سلام کیا جائے تاکہ بیدار لوگ سن سکیں اور سونے والوں کو جگایا نہ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے جس طرح کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں اس امر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب تسليم القليل على الكثير، حديث: 6231، 6232، و صحيح مسلم، السلام، باب تسليم الراكب على الماشي، حديث: 2160. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب تسليم القليل على الكثير، حديث: 6231. [3] سنن الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في التسليم على النساء، حديث: 2697. [4] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: 6247، و صحيح مسلم، السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168.

’’ہم نبی اکرم ﷺ کے لیے دودھ کا حصہ رکھ دیا کرتے تھے۔ آپ رات کو تشریف لاتے تو اس طرح سلام کہا کرتے تھے کہ سونے والے کو بیدار نہ کرتے اور صرف جاگنے والے کو سنایا کرتے، نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ویسے ہی سلام کہا جیسے کہا کرتے تھے۔‘‘[1]

مجلس میں داخل ہوتے وقت اور اس سے کھڑے ہوتے وقت بھی سلام کہنا ہے اس سلسلے میں فرمان رسول اکرم ﷺ اس طرح ہے:

[إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُوْمَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُوْلٰى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ]

’’جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو اسے چاہیے کہ سلام کہے، پھر جب اٹھ کر جانا چاہے تو اسے چاہیے کہ سلام کہے، کیونکہ پہلی مرتبہ کا سلام دوسری مرتبہ کے سلام سے زیادہ حق دار نہیں ہے۔‘‘[2]

سمجھدار، اپنے اسلامی عمدہ ترین اخلاق سے متصف مسلمان خاتون سلام کے سلسلے میں بلند ترین نبوی ہدایات اور اس کے آداب کو مکمل طور پر اختیار کرتی ہے اور پھر اسے اپنی خاص و عام زندگی میں پوری ذمہ داری سے ادا کرتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی اسے اپنے اپنے کردار میں منطبق کرنے اور اس کے قواعد وضوابط کا التزام واہتمام کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

وہ کسی دوسری کے گھر میں بلا اجازت نہیں جاتی

بے شک وہ مسلمان خاتون جس نے اسلام کے صاف وشفاف جاری چشمے سے سیرابی کی ہے وہ اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہیں ہوتی اور داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ کو سلام کہتی ہے اور یہ اجازت طلبی امر ربانی کی بنا پر ہے جس میں

---

① صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف، حديث: 2055. ② سنن أبي داود، الأدب، باب في السلام، حديث : 5208، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب (15)، حديث : 2706 وقال حديث حسن.

سستی، غفلت یا چشم پوشی کی صورت بھی روا نہیں ہے:

﴿ يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرو یہی تمھارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ یہی بات تمھارے لیے ستھرائی والی ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔''[1]

اور یہ فرمان ربانی:

﴿ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

''تم میں کے بچے بھی جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان سے پہلے کے بڑے لوگ اجازت مانگتے ہیں انھیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے۔''[2]

مسلمان خاتون کے دل میں یہ خیال نہیں گھومتا کہ وہ کسی ایسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگے جس میں اس کا داخل ہونا جائز نہیں ہے جس طرح کہ وہ گھر ہے جس میں صرف اجنبی مرد رہتے ہیں، کیونکہ وہاں تو اسے جانا ہی نہیں، اس کی اجازت تو صرف عورتوں کے پاس جانے کے لیے ہوگی یا ایسے مردوں کے پاس جانے کے لیے ہوگی جن کو دیکھنا اس کے لیے جائز ہے، وہ اس اجازت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے حکم کو نافذ و جاری کرتے ہوئے ضرور اختیار کرے گی۔ اجازت طلبی کے بھی کچھ آداب ہیں جنھیں اسلام

---

[1] النور 24:27، 28. [2] النور 24:59.

نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے سامنے نمایاں کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ جب بھی کسی دوسرے انسان کی زیارت کے لیے ان کے قدم اٹھیں تو ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

❀ پہلا ادب: اجازت طلب کرنے والی دروازے کے عین سامنے کھڑی نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب کو منتخب کرے، اور یہی وہ انداز تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے معمول بنایا تھا، سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''بلاشبہ نبی اکرم ﷺ جب کسی دروازے پر اجازت طلبی کے لیے آتے تو اس کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں رہتے، اگر آپ کو اجازت مل جاتی تو ٹھیک وگرنہ لوٹ جاتے۔''[1]

کیونکہ اجازت طلبی تو صرف نگاہ کی وجہ سے مقرر کی گئی ہے جس طرح کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

[إِنَّمَا جُعِلَ الْإِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ]

''اجازت طلبی صرف نگاہ کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔''[2]

یہی وجہ ہے کہ اجازت طلب کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے، مرد ہو یا عورت کہ وہ دروازے کے بالمقابل اس طرح کھڑا ہو کہ دروازہ کھلتے ہی نگاہ اندر چلی جائے۔

❀ دوسرا ادب: پہلے سلام ہو پھر اجازت طلبی ہو، سلام سے قبل اجازت صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں ربعی بن حراش کی حدیث میں نبوی ہدایت اس طرح وارد ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اس وقت اجازت طلب کی جب آپ گھر میں تشریف رکھتے

---

[1] أخرجه البخاري، في الأدب المفرد: 513/2، باب كيف يقول عندالباب، سنن أبي داود، الأدب، باب كم مرة يسلم الرجل في الاستئذان، حديث: 5186. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب الاستئذان من أجل البصر، حديث: 241، و صحيح مسلم، الاستئذان، باب تحريم النظر في بيت غيره، حديث: 2156.

تھے۔ وہ بولا: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ اسے بتاؤ یوں کہے: السلام علیکم: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو اس شخص نے یہ باتیں سن لیں تو فوراً بولا: السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تب نبی اکرم ﷺ نے اسے اجازت عطا فرمائی اور وہ اندر آیا۔[1]

❀ تیسرا ادب: وہ اپنا معروف نام یا کنیت بتائے، جب اس سے پوچھا جائے، تو کون ہے؟ ایسا کوئی لفظ نہ بولے جو پوشیدہ اور غیر واضح ہو جیسے ''میں'' وغیرہ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے دستک دینے والے کو اس طرح کے الفاظ سے جواب دینے کو ناپسند کیا ہے جو آنے والے اور اس کی شخصیت کی مکمل نمائندگی نہ کرتے ہوں بلکہ اسے پوچھنے پر صریح نام بتانا چاہے۔

نبی مکرم ﷺ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ اجازت طلبی کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ نام کو صراحتاً ذکر کیا جائے، یہی طرز عمل تھا جس پر آپ خود اور آپ کے مرد و خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاربند تھے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک رات باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تن تنہا چل رہے ہیں تو میں نے چاند کے سائے میں چلنا شروع کر دیا، آپ نے پلٹ کر مجھے دیکھ لیا، اور پوچھا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: ''ابوذر۔''[2]

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں:

میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئی جبکہ آپ غسل فرما رہے تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پردہ کیے ہوئے تھیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا: ''میں ام ہانی ہوں۔''[3]

---

[1] أخرجه البخاري، في الأدب المفرد: 518/2، باب إذا قال:أدخل ولم يسلم، سنن أبي داود، الأدب، باب كيفية الاستئذان، حديث: 5177. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب المكثرون هم المقلون، حديث: 6443، و صحيح مسلم، الزكاة، باب الترغيب في الصدقة، حديث: 94، بعد حديث: 991. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب تستر المغتسل بثوب و نحوه، حديث: 336، بعد حديث: 719.

❀ چوتھا ادب: اگر اسے کہا جائے کہ واپس جا تو واپس لوٹ جائے۔ دل میں کسی طرح کی کوئی خلش نہ پائے، کیونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خود دیا ہے:

﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾

''اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ یہی بات تمھارے لیے ستھرائی والی ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔''[1]

بالکل اسی طرح اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے نبوی ہدایت بھی آئی ہے کہ اجازت طلبی تین مرتبہ ہے۔ اگر اجازت طلب کرنے والے کو اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو جائے وگرنہ لوٹ جائے۔ اور یہ بات سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اجازت طلبی تین مرتبہ ہے، اگر تجھے اجازت مل جائے (تو درست) وگرنہ واپس لوٹ جا۔''[2]

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو انھیں اجازت نہ ملی، بالآخر وہ پلٹ گئے، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی آدمی بھیجا، تب ان دونوں کے درمیان اجازت طلب کرنے اور واپس پلٹنے کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ مناسب بات تو یہی لگتی ہے کہ اس پورے واقعے کو انھیں کے الفاظ میں بیان کیا جائے تا کہ قاری کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گوشوں میں حریص ہونے اور اس کی پیروی کرنے اور اس کی متابعت میں زندگی گزارنے پر اطلاع ہو سکے، سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تو مجھے...... تینوں مرتبہ ہی...... اجازت نہ ملی، چنانچہ میں پلٹ گیا، انھوں نے مجھے پیغام بھیجا اور دریافت کیا: اے عبداللہ! کیا میرے دروازے پر تھوڑی دیر کھڑے رہنا بھی تیرے لیے گراں تھا؟ اور یہ بات بھی جان لے بالکل اسی طرح لوگوں پر بھی گراں ہوتا ہے کہ وہ تیرے دروازے پر کھڑے رہیں۔ میں نے عرض

① النور 28:24. ② صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم والاستئذان ثلاثا، حديث: 6245، و صحيح مسلم، الاستئذان، باب الاستئذان، حديث: 2153.

کی: بلکہ میں نے تو تین بار اجازت مانگی تھی لیکن مجھے اجازت نہ ملی تو میں واپس پلٹ گیا اور ہمیں اسی بات کا حکم دیا جاتا تھا۔ تب آپ نے پوچھا: تو نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے بذات خود نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے، تو کہنے لگے: کیا تو نے نبی اکرم ﷺ سے وہ بات سنی ہے جو ہم نے نہیں سنی؟ اگر تو اس بات پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکا تو میں تجھے سزا دوں گا، تو میں وہاں سے چلا آیا تو مسجد میں بیٹھے ہوئے چند انصاری صحابہ کے پاس آیا، میں نے ان سے سوال کیا، تو انھوں نے کہا: کیا اس میں بھی کسی کو شک ہے؟ تو میں نے انھیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا عرض کیا، وہ بولے: آپ کے ہمراہ نہیں اٹھے گا مگر ہمارا سب سے کم عمر بچہ ہی، چنانچہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ یا ابو مسعود رضی اللہ عنہ...... اٹھے اور میرے ہمراہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے: ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گئے تھے، اس وقت آپ ﷺ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کا ارادہ رکھتے تھے، آپ اس کے ہاں تشریف لائے، سلام کیا، لیکن آپ کو اجازت نہ ملی، پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ سلام کیا، پھر تیسری مرتبہ لیکن آپ کو اجازت نہ ملی، تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہم نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔''

پھر آپ لوٹ آئے، تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کو پیچھے سے آلیا، اور عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ نے جتنی بار بھی سلام کہا ہے میں اسے سنتا رہا اور آپ کو جواب دیتا رہا ہوں، لیکن میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر کثرت سے سلام کہیں۔ تب سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر امانت دار ہوں۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں اور لیکن میں تو چاہتا تھا کہ آپ وثوق اور ثبوت حاصل کر لیں۔[1]

مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کے ثابت ہونے پر اپنے آپ

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم والا ستئذان، حديث : 61245، و صحيح مسلم، الأدب، باب الاستئذان، حديث : 2153، الأدب المفرد، الحديث : 1073.

سے کہا تھا:

''مجھ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم مخفی ہی رہا ہے، مجھے اس سے بازاروں میں سودا سلف میں مصروف رہنے نے غافل رکھا۔''[1]

یعنی بازاروں میں تجارت کے لیے جانے نے غفلت میں رکھا۔

یہ ہیں اسلام میں اجازت طلبی کے آداب وقواعد، اور اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ سمجھدار اور اسلامی آداب کو اختیار کرنے کی حریص مسلمان خاتون ان سے آراستہ ہوتی ہے اور جب کبھی وہ کسی دروازے پر دستک دیتی ہے تو واقعی انھی آداب کو ملحوظ رکھتی ہے، گھر والوں سے داخل ہونے کے لیے اذن طلب کرتی ہے، بلکہ یہ آداب اپنے بچوں اور بچیوں کو بھی سکھاتی ہے۔

مجلس میں جہاں جگہ مل جائے، وہیں بیٹھ جاتی ہے

وہ مسلمان خاتون جس نے ہدایت اسلام سے روشنی حاصل کی ہے اس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جاتی ہے، جب بھی وہ کسی مجلس میں پہنچتی ہے اور دوسری خواتین اس سے قبل آکر بیٹھ چکی ہوتی ہیں بلاشبہ یہ ایک بلند پایہ معاشرتی ادب ہے جو رسول اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی سیرت سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ ادب ہر آراستہ ہونے والے شخص کو ایک امتیازی مقام بخشتا ہے کہ وہ واقعی اعلیٰ ذوق، معاشرتی بلندی اور نرم مزاج اور اخلاق میں ایک مقام رکھتا ہے۔

بلاشبہ اس بلند پایہ اخلاق والی مہذب مسلمان خاتون بیٹھنے والیوں کے اوپر سے نہیں پھلانگتی اور نہ ہی ان کی مجلسوں کے درمیان گھستی ہے تاکہ وہ اس کے لیے کشادگی پیدا کریں، وہ تو اس سلسلے میں اس مضبوط ترین معاشرتی طریقے کی پیروی کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو سکھایا تھا جب وہ مجالس میں پہنچا کرتے تھے۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا

---

[1] صحيح مسلم، الأدب، باب الاستئذان، حديث : 2153 .

کرتے تھے تو ہم میں سے ایک وہاں ہی بیٹھ جاتا تھا جہاں مجلس ختم ہوتی تھی۔"[1]

خاتون کا دو خواتین کے درمیان اپنے آپ کو داخل کرنا، خواہ یہ کسی مجلس کے درمیان ہو یا غیر مجلس میں، ان ناپسندیدہ اور ناشائستہ امور میں سے ہے جن کی قباحت کو اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے اور جن سے اجتناب کرنے پر مکمل خبردار کیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث و آثار بکثرت موجود ہیں اور طبعاً سمجھانے کے انداز میں یہ باتیں وارد ہیں، تاکہ آدمی ان آداب پر توجہ مبذول کریں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا ہے، حالانکہ آپ ان کے ساتھ ہوتے تھے اور یہ سب آداب و امور عورتوں کے لیے بھی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت سب کی سب مسلمانوں کے لیے ہے، مرد ہوں یا خواتین، جس طرح کہ معروف و مشہور ہے، اور تمام مرد و خواتین آپ ﷺ کے امر و حکم کو نافذ کرنے اور آپ کی سیرت طیبہ کو اپنانے میں مکلف ہیں۔ ان احادیث مبارکہ میں سے ایک وہ ہے جسے سیدنا سعید مقبری رحمہ اللہ یوں روایت کرتے ہیں: "میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ ایک آدمی محو گفتگو تھا، میں ان دونوں کے پاس کھڑا ہو گیا، تو انھوں نے میرے سینے پر تھپڑ رسید کیا، اور یوں فرمایا: جب تو دو افراد کو باہم گفتگو کرتے ہوئے پائے تو ان کے پاس کھڑا نہ ہو، اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھ، حتی کہ تو ان دونوں سے اجازت لے لے، میں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ آپ کی خیر فرمائے مجھے یہی امید تھی کہ میں آپ دونوں سے کوئی نیکی کی بات ہی سنوں گا۔"[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"تم میں سے کوئی آدمی کسی شخص کو اس کی نشست سے کھڑا نہ کرے کہ پھر اسی نشست پر بیٹھ جائے لیکن تم وسعت پیدا کرو اور فراخی بناؤ۔"[3]

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4825، وجامع الترمذي، الاستئذان، حديث: 2726.

[2] أخرجه البخاري، الأدب المفرد: 580/2، باب إذا رأى قوما يتناجون فلا يدخل معهم.

[3] صحيح البخاري، الاستئذان، باب لا يقيم الرجل الرجل من مجلسه، حديث: 6269، صحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه، حديث: 2177.

اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھتا تھا تو وہ اس جگہ پر بیٹھا نہ کرتے تھے۔''[1]

جب وہ تین ہوں تو دوسری عورت سے سرگوشی نہیں کرتی

اسلامی تعلیمات اس لیے آئی ہیں تا کہ وہ ترقی پسند ذکی الحس، باریک بین اور دوسروں کے شعور کا اندازہ لگانے والے انسان کی مزید نوک پلک سنواریں۔ حکیم شارع نے اخلاقی ضابطوں اور معاشرتی اسلوب کو حاصل کرنے کے لیے قانون سازی کی ہے، اور انھیں دین کے مستحکم اور مضبوط اصولوں میں داخل رکھا ہے پھر انھیں اختیار کرنے اور اپنی حقیقی زندگی میں نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ انھی ضابطوں اور قاعدوں میں سے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع فرمایا ہے ایک یہ بھی ہے کہ دو افراد باہم سرگوشی نہ کریں جبکہ ان کے ساتھ کوئی تیسرا بھی ہو:

''جب تم تین ہو تو دو افراد تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی نہ کریں، حتی کہ تم لوگوں میں گھل مل نہ جاؤ، اس وجہ سے کہ یہ فعل اس (تیسرے) کو غمگین کرے گا۔''[2]

اسی وجہ سے وہ مسلمان خاتون جس کے شعور واحساس کو اسلام نے ذکی بنا دیا ہے اور اس کے معاشرتی بلند ذوق کی تربیت کردی ہے، وہ کسی ایک کی طرف نہیں بڑھتی کہ صرف اسی سے گفتگو کرے جب کہ ان کے ساتھ کوئی تیسری بھی ہو کہ وہ اکیلی حیران و پریشان اور گھٹی گھٹی کھڑی رہے، بلکہ یہ اس تیسری بہن کے شعور کا بھی خیال رکھتی ہے اور اسے بھی اس کے حساب سے رکھتی ہے، خواہ حالات جیسے بھی ہوں۔ اگر کوئی خاص ضرورت ہو کہ بات دونوں کے درمیان ہی ہونی چاہیے تب تیسری سے اجازت لیتی ہے اور پھر بات کو اختصار سے کرتی ہے اور پھر اس سے معذرت بھی کرتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں سیدنا عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، کہتے

---

[1] صحيح مسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه، حديث: 2177. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب لايتناجى اثنان دون الثالث، حديث: 6288، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم مناجاة الإثنين دون الثالث، حديث: 2183.

ہیں: ''میں اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خالد بن عقبہ کے اس مکان کے پاس کھڑے تھے جو بازار سے متصل تھا تو ایک آدمی آیا جو آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اور آدمی کو بلایا حتی کہ ہم چار ہوگئے تب آپ رضی اللہ عنہما نے مجھے اور تیسرے آدمی سے کہا جس کو آپ نے بلایا تھا: تھوڑا سا ادھر ہو جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ فرما رہے تھے:

''ایک کو چھوڑ کر دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں۔''[1]

اپنے دین کی ہدایت پر گامزن اور خیر القرون میں اس کی ترقی یافتہ تطبیقات کی پیروکار مسلمان خاتون یقیناً سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی پیروی کرتی نظر آئے گی، جو اس بات پر راضی نہ ہوئے تھے کہ اس آدمی کی بات کو فوراً ایک طرف ہو کر سن لیتے جو آپ سے سرگوشی کرنے آیا تھا کیونکہ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس سے تیسرے کو اذیت پہنچے گی، آپ اپنے سائل کی بات کو سننے کی طرف اس وقت تک متوجہ نہیں ہوئے حتی کہ آپ نے چوتھے شخص کو بلایا اور ساتھ ساتھ سبھی کو سمجھایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اور ان کے کانوں تک حدیث مبارکہ کے الفاظ بھی پہنچائے۔

یہ معاشرتی ادب کتنا بلند پایہ ہے جس پر اسلام نے رغبت دلائی ہے! اور اسلام نے انسان کی کس درجہ تکریم و تعظیم کی ہے اور اس کے احساسات و خیالات کا کس مرتبہ تک احترام و اکرام کیا ہے!

عمر رسیدہ اور صاحب فضل کی تعظیم کرتی ہے

یقیناً اسلامی تعلیمات جو اخلاقی بلندیوں پر فائز کرنے والی ہیں بہت بڑی تعداد میں وارد ہوئی ہیں جو انسان کی شخصیت میں مروت، شرافت، ادب اور تہذیب کو بوتی ہیں۔ ان ہی اخلاقی قواعد و ضوابط میں سے یہ بات بھی ہے کہ عمر میں بڑے کی تعظیم و توقیر کی جائے اور صاحب فضل کے اکرام و احترام کا حق ادا کیا جائے۔

[1] الموطا: 988/2، كتاب الكلام.

سمجھدار اور ہمیشہ اپنے دین کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون اس امر سے محروم نہیں رہتی کہ وہ ان اسلامی عمدہ ترین اصول وضوابط اور قوانین کو اختیار کرے جو مسلمان خاتون کو اسلامی معاشرے میں اس کی حقیقی جان پہچان کرواتی ہیں اور جو ان قوانین وقواعد سے محروم رہتی ہے تو گویا وہ اس معاشرے کی رکنیت ہی سے دست بردار ہوجاتی ہے اور امت مسلمہ کے ساتھ شرف انتساب ہی سے تہی دامن ہوجاتی ہے، جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

[لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَّمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ]

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جس نے ہمارے بڑے کا احترام نہ کیا اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھایا اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانا۔''[1]

کیونکہ عمر رسیدہ یا بلند مرتبہ بڑی خواتین کا احترام ملحوظ رکھنا اور انھیں چھوٹی عمر والیوں پر مقدم رکھنا معاشرے کی ترقی کی اور اس کے افراد کی اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو اپنانے کی اور اس کے معاشرتی آداب کے مطابق عمل پیرا ہونے کی دلیل ہے، اسی طرح اس معاشرے کے ارکان وافراد کے نفوس کی برتری اور تہذیب کی علامت ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین۔

دور حاضر کی مسلمان خاتون جب وہ عمر میں بڑی خاتون کی تعظیم بجالاتی ہے یا کسی صاحب فضل کی تکریم کا خیال رکھتی ہے تو وہ ایک نہایت عمدہ اخلاقی عمل بجالاتی ہے اور اس عمل سے وہ عبادت بھی بجالاتی ہے کیونکہ عمر رسیدہ کی یا صاحب فضل کی تکریم وتعظیم کرنا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کا حصہ ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالَى إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيْهِ وَالْجَافِي عَنْهُ وَإِكْرَامِ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ]

---

[1] مسند أحمد : 323/5، والطبراني باسناد حسن، و مجمع الزوائد : 14/8.

''بلاشبہ سفید بالوں والے مسلمان کا اکرام کرنا، حامل قرآن کا، جو اس میں مبالغہ آمیزی نہ کرنے والا ہو اور اس سے دوری رکھنے والا نہ ہو، اکرام کرنا اور انصاف کرنے والے بادشاہ کا اکرام کرنا، اللہ تعالیٰ کے اکرام کرنے میں سے ہے۔''[1]

بلاشبہ وہ اپنے اس معاشرتی عمل کے ساتھ لوگوں کو اسلامی معاشرے میں ان کے مناز و مراتب پر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو نافذ رکھتی ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے یہی بات اپنی صحیح کے آغاز میں یوں ذکر فرمائی ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا گیا ہے، فرمایا:

[أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ]

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم لوگوں کو ان کے مراتب میں اتار دیں۔''[2]

کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتی نہیں ہے

پختہ عقل والی اور مہذب مسلمان خاتون کی عمدہ ترین صفات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکتی نہیں ہے کہ وہ اس گھر میں موجود اشیاء و اشخاص کو تلاش کرتی پھرے یا انھیں دیکھتی پھرے کیونکہ ایسا کرنا ایک مؤدب، سمجھدار، نرم اخلاق اور قابل ستائش مسلمان کے عمدہ اخلاق میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ تو قابل نفرت، غیر پسندیدہ اور مذموم کردار میں سے ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مجالس میں آنکھوں کو گھمانے والے اور ان کی مخفی باتوں کی ٹوہ لگانے والے افراد کو دھمکی دی ہے بلکہ ان کی آنکھیں پھوڑ دینے کو بھی حلال ٹھیرایا ہے جیسے کہ فرمایا ہے:

''جس کسی نے کسی قوم کے گھر میں بلا اجازت جھانکا، تو ان کے لیے حلال اور جائز ہوگیا کہ وہ اس کی آنکھ کو پھوڑ دیں۔''[3]

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، حديث : 4843. [2] صحيح مسلم: 55/1، في المقدمة، سنن أبي داود، حواله سابق، حديث : 4842. [3] صحيح مسلم، الأدب، باب تحريم النظر في بيت غيره، حديث : 2158.

مجلس میں جمائی لینے سے حتی المقدور اجتناب کرتی ہے

سمجھدار مسلمان خاتون کی سمجھداری اور آداب مجلس کو جاننے میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ حتی المقدور مجلس میں جمائی نہیں لیتی، جب کبھی اسے جمائی آتی ہے یا اس کے حالات پر غالب آجاتی ہے تو وہ اسے حتی الامکان روکنے کی کوشش کرتی ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے درج ذیل فرمان گرامی میں رہنمائی فرمائی ہے:

[إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ]

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ حسب استطاعت اسے روکے۔''[1]

اگر جمائی روکنے یا ہٹانے سے شدید تر ہو تو پھر اسے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہیے، رسول کریم ﷺ نے اپنے فرمان گرامی میں یہی حکم دیا ہے:

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے کیونکہ شیطان (منہ میں) داخل ہو جاتا ہے۔''[2]

بلاشبہ جمائی ایک برا اور نفرت دلانے والا عمل ہے، جو کسی مہذب انسان کے لائق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمائی لینے والے کو اپنے کھلے منہ کو ہاتھ سے ڈھانپنے یا اسے ہٹانے کی کوشش کرنے کا حکم ہے اور اپنے ہم نشینوں سے اپنے منہ کے منظر کو چھپانے کی تعلیم ہے۔ اور اسلامی آداب سے آراستہ ایک مہذب مسلمان خاتون کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

چھینک لیتے ہوئے اسلامی آداب کا خیال رکھتی ہے

اپنے دینی احکامات کی اطلاع رکھنے والی مسلمان خاتون پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جس اسلام نے مجالس میں جمائی لینے کا ادب مقرر کیا ہے اس نے چھینک لینے کے لیے بھی ادب

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب إذا تثاءب فليضع يده على فيه، حديث: 6226، وصحيح مسلم، الزهد، باب كراهة التثاؤب، حديث: 2995. ② صحيح مسلم: 122/18، الزهد، باب كراهة التثاؤب، حديث: 2995.

متعین فرمایا ہے، چنانچہ اس نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو سکھایا ہے کہ جب انھیں چھینک آئے تو وہ کیا کہیں اور کیا کریں، پھر دعائیہ انداز میں انھیں کیا کہا جائے جسے عربی زبان میں ''تشمیت'' یعنی چھینک کا جواب دینا کہتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے تو جب تمھارا کوئی چھینک لے اور ''الحمد للہ'' کہہ لے تو ہر اس مسلمان پر حق بن جاتا ہے جس نے اسے سن لیا ہے کہ وہ اسے ''یرحمک اللہ'' کہے اور رہا معاملہ جمائی لینے کا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے، تو جب تمھارا کوئی جمائی لے تو اسے چاہیے کہ حتی المقدور اسے واپس کرے کیونکہ جب کوئی جمائی لیتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔''[1]

بلاشبہ یہ معمولی سا اثر انداز ہونے والا معاملہ کسی مسلمان انسان کی زندگی میں نہیں گزرتا مگر اس کے لیے قواعد، ضوابط اور آداب موجود ہیں جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو دل کی گہرائیوں سے یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ یہ دین ان کے ہمہ گیر اور ہمہ جہت امور کی اصلاح کے لیے آیا ہے، جس نے کسی چھوٹے اور بڑے معاملے کو بغیر منظم کیے چھوڑا ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے خاص الفاظ تعلیم فرمائے ہیں، جن کی وجہ سے ایک مسلمان انسان ہمیشہ اپنے رب العالمین سے رابطہ قائم کیے رکھتا ہے۔

تو جو بھی کوئی مسلمان خاتون چھینک لے تو اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ یوں کہے: ''الحمد للہ'' اور جو اس کو سن لے وہ اس طرح کہے: يَرْحَمُكِ اللهُ. پھر اس مسلمان خاتون کو اس طرح دعا دینی چاہیے (يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ) (اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمہارے حالات کو درست فرمائے) اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں رہنمائی فرمائی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

''جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اسے چاہیے کہ کہے: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) (سب تعریف

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب إذا تثاءب فليضع يده في فيه، حديث: 6226.

اللہ کے لیے ہے)اور اس کے بھائی یا اس کے ساتھی کو اس کے لیے یہ کہنا چاہیے:(يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) (اللہ تجھ پر رحمت کرے)تو جب وہ اسے(يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کہہ لے تو اسے کہنا چاہیے:

[يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ]

''اللہ تمہیں ہدایت فرمائے اور تمہارے حالات کو درست فرمائے۔''[1]

(يَرْحَمُكَ اللّٰهُ) کے دعائیہ الفاظ کہنے کو''تشمیت''چھینک کا جواب دینا کہتے ہیں تو جب چھینک لینے والا''الحمدللہ'' کہتا ہے تو اسے یہ کلمات کہنے مستحب ہیں لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہیں کرتا تو اسے چھینک کا جواب بھی نہیں دیا جائے گا'اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث میں ہے:

''جب تم میں سے کوئی چھینک مارنے کے بعد الحمدللہ نہ کہے تو اسے چھینک کا جواب بھی نہ دو۔''[2]

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس دو آدمیوں نے چھینک لی تو آپ نے ان میں سے ایک کو چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہ دیا'جس کو آپ نے چھینک کا جواب نہ دیا تھا وہ بولا:فلاں نے چھینک ماری تھی تو آپ نے اس کو تو جواب دیا تھا اور میں نے چھینک ماری تو آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا؟تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس نے اللہ کی حمد بیان کی تھی اور تو نے اللہ کی حمد بیان نہیں کی۔''[3]

اسلام اسی طرح مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہونے والے روزمرہ کے واقعات پر انہیں متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ ان موقعوں کی مناسبت سے اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہیں اور ان کی زبانیں اس کی حمد وستائش میں رطب رہیں اور پھر ان کے دلوں میں اخوت'مودت

---

[1] صحيح البخاري، الأدب،باب إذا عطس كيف يشمت، حديث : 6224. [2] صحيح مسلم، الزهد،باب تشميت العاطس، حديث:2992. [3] صحيح البخاري. الأدب:باب لايشمت العاطس إذا لم يحمد، حديث: 6225، وصحيح مسلم الزهد،باب تشميت العاطس،حديث :6991 .

اور باہمی رحم وکرم کے رشتوں کو استحکام نصیب ہو۔

چھینک مارنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اور حسب طاقت آواز کو پست رکھے اور رسول کریم ﷺ چھینک لیتے ہوئے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب چھینک لیتے تو اپنا ہاتھ یا اپنا کپڑا اپنے منہ پر رکھا کرتے اور اپنی آواز کو بھی پست رکھا کرتے تھے۔[1]

سمجھدار اور اسلامی آداب سے آراستہ مسلمان خاتون ایسے اچانک پیش آنے والے حالات میں انہی طور اطوار کو اختیار کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے متعین فرمائے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سے منقول الفاظ ہی کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ جب کبھی اسے چھینک آئے یا کسی دوسرے کو چھینک آئے تو وہی الفاظ کہے یا اپنی بہن کو وہی الفاظ جواب میں کہے جو اس نے یاد کر رکھے ہیں۔

کسی کی طلاق کی آرزو نہیں کرتی تاکہ خود اس کی جگہ سنبھال لے

صاحب ہوش پرہیز گار مسلمان خاتون یہ شعور رکھتی ہے کہ وہ ایسے مسلمان معاشرے میں زندگی بسر کر رہی ہے جس کے افراد اس کے بھائی یا بہنیں ہیں اور اس ربانی معاشرے میں فریب اور چکر بازی وغیرہ کمینے اخلاق قطعی حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور رہنے والے انسانی معاشروں میں بڑی حد تک پائے جاتے ہیں۔

انہی گھناؤنے اطوار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کسی شادی شدہ مرد سے توقع اور آرزو لگائے تاکہ اس کی بیوی کو طلاق دلوانے کے بعد خود اسے اچک لے، پھر وہ خاوند اس اچک لینے والی کے لیے فارغ ہو جائے اور اس خاوند کی تمام تر عنایتیں اور نوازشیں فقط اس اکیلی کے لیے ہو جائیں اور متقی مسلمان خاتون اس گھٹیا عادت سے مکمل طور پر دور رہتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ان بہت سی گھٹیا اور قبیح عادات کے ضمن میں منع فرمایا ہے جو اسی

---

[1] سنن أبي داود، الأدب: باب في العاطس، حديث: 5029، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ما جاء في خفض الصوت، حديث: 2745 وقال: حديث حسن صحيح.

طرح کی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[وَلَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ الْأُخْرٰی لِتَکْتَفِیَ مَا فِیْ اِنَائِهَا]

''اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ جو اس کے برتن میں ہے اسے انڈیل دے۔''[1]

یعنی کسی خاوند سے یہ مطالبہ نہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس سے شادی رچائے تا کہ اس کے اخراجات اس کے احسانات اور اس کی معاشرت اس کو حاصل ہو جائے جو طلاق والی کو میسر ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''کسی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی (مسلمان) بہن کی طلاق کا سوال کرے تا کہ اس کے برتن کو الٹا کر خالی کر دے، کیونکہ اس کے لیے وہی کچھ ہے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔''[2]

اور یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان خاتون دوسری مسلمان کی بہن ہے اور وہ اس بات پر ایمان رکھتی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھا ہے وہ لامحالہ طور پر اسے مل کر رہے گا اور وہ پکی سچی ایماندار بن بھی نہیں سکتی جب تک وہ اپنی مسلمان بہن کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتی ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے فرمان گرامی میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

[لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے نفس کے لیے کرتا ہے۔''[3]

---

① البخاري، البيوع، باب لايبيع على بيع اخيه، حديث :2140، و صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم خطبة الرجل على خطبة اخيه، حديث :1413/52 واللفظ لمسلم . ② صحيح البخاري، النكاح، باب الشروط التي لاتحل في النكاح، حديث : 5152 . ③ صحيح البخاري، الإيمان، باب الدليل على ان من خصال الإيمان، حديث : 45 .

وہ اپنی نسوانیت کے مطابق عمل کرتی ہے

بلاشبہ اسلام نے مسلمان خاتون کے کندھوں سے کوئی پیشہ اختیار کرنے کی مشقت کو اٹھا رکھا ہے تاکہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرے بلکہ اس کے باپ، اس کے، بھائی، شوہر یا اس کے کسی قریبی عزیز کو اس پر خرچ کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے گھر سے باہر کسی پیشے کو اختیار کرنے کو نہیں جھانکتی الا کہ کمانے کی کوئی خاص وجہ ہو جب اس کا کوئی کفیل موجود نہ ہو جو اس کے لیے عزت کی روزی کا ضامن ہو یا اس کے معاشرے کو اس کی ضرورت ہو کہ وہ ایسا پیشہ اختیار کرے جو صرف اس کے ساتھ ہی مخصوص ہو اور جو اس کی نسوانیت سے مطابقت رکھتا ہو، اس کی عزت و کرامت کی حفاظت کرتا ہو اور اس کے دین و اخلاق کو بچائے رکھتا ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد کو خاندان پر خرچ کرنے کا ذمہ دار بنایا ہے، گزران اور اس کے اخراجات کی مسئولیت اس کے کندھوں پر ڈالی ہے تاکہ عورت ازدواجی زندگی اور بچوں کی نگہداشت کے لیے فارغ رہے اور وہ گھر کی خوشبو، انس، جمال، عطر اور رونق بن کر رہے تاکہ وہ امور خانہ داری کے لیے منظم سلیقہ، اس کے گوشوں کے لیے چلتی پھرتی محبت اور گھر کے جگر گوشوں کے لیے مہربان روح بن کر رہے۔

یہ ہے خاتون اور خاندان کے لیے اسلام کا نظریہ!! اور یہ ہے ازدواجی زندگی اور خاندانی نظام کے لیے اس کا فلسفہ!!

اس کے بالمقابل عورت کے بارے میں اور گھر، خاندان اور اولاد کے بارے میں مغربی فلسفہ کھڑا ہے جب بیٹی ایک خاص عمر کو پہنچ جاتی ہے جو غالبا سترہ برس کی عمر ہے تو اس کے باپ یا اس کے بھائی یا اس کے کسی قریبی عزیز پر اس کا خرچہ لازم نہیں رکھا جاتا بلکہ اس کا اپنا دردسر ہے کہ وہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے لیے خود کوئی پیشہ اختیار کرے اور پھر اس آمدنی میں سے اپنے منتظر خاوند کے لیے بھی پیشگی ذخیرہ کرے جسے ''دوطہ'' کہتے ہیں، یعنی وہ مال جو دلہن دلہا کو دیتی ہے، پھر جب اس کی شادی ہو جاتی ہے تو اس کے ذمے لازم ہوتا ہے کہ

وہ گھریلو اخراجات اور اولاد کے خرچ چلانے کے لیے اس سے شراکت کرے اور جب وہ بوڑھی ہو جاتی ہے، پھر بھی مسلسل کماتی رہتی ہے، تب بھی اسے اپنی کمائی کو اپنی غذائیت پوری کرنے کے لیے جاری رکھنا پڑتا ہے اگرچہ اس کی اولاد مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ جب سے عورت گھر سے باہر نکلی ہے اس وقت سے طرح طرح کی برائیاں جنم لے رہی ہیں، خاندان منتشر ہو رہے ہیں اور بچے آوارہ ہو رہے ہیں، مغربی مفکرین کے شکوے متواتر چلے آرہے ہیں جو مغربی عورت کی بیچارگی اور بوجھ کے رونے رو رہے ہیں اور وہ اپنی اپنی قوم کو مغربی تہذیب سے محتاط رہنے میں راحت پانے کا سبق سکھا رہے ہیں۔

بہت بڑے مبلغ اور داعی ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المرأة بین الفقه والقانون میں اس موضوع پر بہت سے مغربی مفکرین کے اقوال جمع کیے ہیں جو اس شدید اور گہرے رنج والم کی عکاسی کر رہے ہیں جو انھوں نے مغربی خاتون کی حالت زار سے محسوس کر کے قلم بند کیے ہیں۔

لیجیے میں آپ کے سامنے ان میں سے چند اقوال پیش کر رہا ہوں جو مغربی معاشرے میں مغربی عورت کی تصویر کو عیاں کر رہے ہیں:

فرانسیسی ماہر اقتصادیات اور فلسفی (جول سیمون) کہتا ہے: مستورات پارچہ بافی اور برتن سازی میں ملازم تو بن چکی ہیں...... الخ حکومت نے اپنے کارخانوں میں انھیں ملازمت دے دی ہے جہاں انھوں نے چند درہم تو کما لیے ہیں، لیکن اس کے عوض وہ اپنے خاندانی نظام اور اپنی عائلی عمارت کو منہدم کر چکی ہیں۔ جی ہاں! شوہر نے اپنی بیوی کی کمائی سے کچھ فائدہ بھی پا لیا ہے لیکن روزگار میں عورتوں کی مزاحمت اور رکاوٹ کی وجہ سے مردوں کی کمائی میں کمی واقع ہوئی ہے۔

مزید کہتا ہے: ان کے علاوہ کچھ ایسی خواتین ہیں جو ان سے قدرے ترقی یافتہ ہیں جو فائلیں تھامنے میں مصروف رہتی ہیں، تجارتی مراکز میں کام کرتی ہیں اور سرکاری تعلیمی خدمات سرانجام دینے میں مصروف نظر آتی ہیں۔ ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو فرانس کے ٹیلی

گراف دفاتر ڈاک خانوں، ریلوے اسٹیشنوں اور بنکوں میں مصروف کار ہیں۔لیکن ان ڈیوٹیوں نے انھیں ان کے خاندانوں سے مکمل طور پر الگ تھلگ کر ڈالا ہے۔''[1]

مشہور انگریزی رائٹر (انی رورڈ) کہتی ہے: ہماری بیٹیاں گھروں میں رہ کر نوکرانیاں بن کر یا نوکرانیوں کی طرح کاموں میں مشغول رہیں تو یہ ان کے لیے فیکٹریوں اور کارخانوں میں مشغول رہنے سے کئی درجہ بہتر اور کم مشقت وکلفت والا عمل ہے، وہاں تو ہماری بیٹی مختلف طرح کی آلودگیوں سے آلودہ ہورہی ہے جو تا حیات اس کی زندگی کی رونق کو ختم کررہی ہیں۔کاش! ہمارے شہر بھی مسلمانوں کے شہروں کی مانند بن جائیں جن میں عزت وتکریم، پاک دامنی اور طہارت کی چادریں ہیں، جن میں نوکرانی اور غلام بہترین زندگانی کی نعمتوں سے مالا مال ہیں، جن سے اپنی اولاد کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے، جن کی عزتوں کو برائی چھوتی تک نہیں ہے۔جی ہاں! یہ انگلینڈ کے شہروں کے لیے بدنامی اور عار ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو مردوں کے ساتھ بکثرت اختلاط جیسی رذالتوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ہمیں کون سی رکاوٹ ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کو گھروں میں کام کاج کروانے کے لیے نہ روک رکھیں، جو کام ان کی فطرت وطبیعت کے موافق بھی ہیں اور مردوں کے کام مردوں کے لیے ہی چھوڑ دیں جن میں عورتوں کی بھی عزت اور سلامتی ہے۔''[2]

بے شک مغربی خاتون، مسلمان خاتون کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور تمنا کرتی ہے کہ اسے بھی حقوق، عزت، تعظیم، نگہداشت، تحفظ اور قرار قلب کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے جو مسلمان خاتون کو مل رہا ہے۔اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں جن میں سے کچھ اس کتاب کے سابقہ صفحات پر گزر چکے ہیں، ان میں سے ایک شہادت وہ ہے جو ایک اطالوی طالبہ نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ''حقوق'' کی سٹڈی کرتے ہوئے کہی ہے جب اس نے یہ بات سنی تھی کہ اسلام میں عورت کے بہت زیادہ حقوق ہیں اور کس طرح اسلام نے اسے ظاہری اکرام واحترام کا حظ وافر نصیب فرمایا ہے اور اسے کمائی کرنے کی مشقت سے بھی سبکدوش رکھا ہے اور اسے ازدواجی اور خاندانی فرائض کی ادائیگی کے لیے فارغ البال رکھا ہے، وہ

[1] المرأة بين الفقه والقانون : 176. [2] أيضاً : 179.

کہتی ہے: ’’ مجھے مسلمان خاتون پر رشک آتا ہے اور میں یہ تمنا کرتی ہوں کاش! میں بھی تمھارے ملک میں پیدا ہوتی۔‘‘

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ہدایت یافتہ سمجھدار مسلمان خاتون اپنے طریقے سے واقف ہوچکی ہے اور اپنے قدموں کو رکھنے کی جگہ سے بھی آشنا ہوچکی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور جاہلیت کے حکم کے درمیان واضح اور بڑے فرق کو دیکھ چکی ہے۔ وہ بلا عیب اور بلا اکراہ حکم الٰہی کو اختیار کرے گی اور وقتاً فوقتاً ادھر اُدھر سے اٹھنے والے خوشنما بھڑکانے والے جاہلی نعروں کی طرف دھیان نہیں دے گی:

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾

’’کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟‘‘[1]

وہ مردوں سے مشابہت اختیار نہیں کرتی

بلاشبہ اپنی مسلمان شخصیت کے ساتھ سربلند رہنے والی خاتون کسی صورت بھی مردوں سے مشابہت اختیار نہیں کرتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ عورت کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا شریعت اسلام میں قطعی حرام ہے۔

بلاشبہ اسلام نے مرد وزن کی زندگی کے اہم ترین امور کے الگ الگ ضابطوں کو مقرر کیا ہے تو ان کی امتیازی طبیعت اور مزاج کا مکمل خیال رکھا ہے اور ان امور کی مکمل آسانی مہیا فرمائی ہے جن کے لیے انھیں تخلیق کیا گیا ہے۔ اسے یہی وجہ ہے کہ ان مقرر کردہ ربانی ضابطوں اور قاعدوں سے کسی طرح باہر نکلنا فطرت کے قوانین سے باہر نکلنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، انسانی طبیعت کو جھوٹ میں مبتلا کرنا ہے اور اسے مستحکم و مضبوط اصل خلقت سے دور لے جانا ہے اور اس چیز کو دونوں جنسیں ہی ناپسند کرتی اور اس

---

[1] ① المائدہ 5:50.

سے نفرت کرتی ہیں۔ اس پر بڑی دلیل اور کون سی ہو سکتی ہے کہ عورت اس مخنث مرد کو ناپسند کرتی ہے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور مرد اس بے فیض، وکھی طبیعت والی اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت سے نفرت کرتے ہیں۔ دنیا کی آبادی اور انسانیت کی سعادت مندی پوری طرح مکمل نہیں ہو سکتی جب تک دونوں جنسیں ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہیں اور دونوں میں سے ہر کوئی دوسری جنس کے امتیازی اوصاف سے لطف اندوز نہ ہو اور دونوں دنیا کی آباد کاری اور بشریت کی سعادت مندی کے لیے ایک دوسرے سے باہم تعاون نہ کریں۔

مذکورہ صورت حال کے پیش نظر اسلام کی قطعی اور شدید نصوص وارد ہیں جن میں عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کو اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی خواتین کے لیے شدید وعید ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ]

”رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔“[1]

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ]

”نبی اکرم ﷺ نے مردوں میں سے مخنث بننے والوں پر اور عورتوں میں سے مرد بننے والیوں پر لعنت فرمائی ہے۔“

پھر فرمایا: [أَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ]

”انھیں (مخنثوں کو) اپنے گھروں سے نکال دو۔“

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حديث: 5885.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو نکالا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکالا۔[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

[لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی طرح لباس پہننے والے مرد پر اور مرد کی مثل لباس پہننے والی عورت پر لعنت کی ہے۔''[2]

جس دن مسلمان عافیت میں تھے، اللہ کی شریعت ان میں فیصلے کرتی تھی، ان کے معاشرے اسلام کے نور سے روشنی لیتے تھے تو مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کی آفت کا کوئی خاص اثر نہیں تھا۔ آج جبکہ مسلمانوں سے اسلام کا سایہ سمٹ چکا ہے اور ان کے معاشروں میں اسلام کی روشنی مدھم ہو چکی ہے تو ہم ان معاشروں میں ایسی کثیر تعداد خواتین کو پا رہے ہیں جو تنگ اور چست پتلونیں پہن رہی ہیں اور مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک جیسی قمیصیں پہنی جا رہی ہیں، جنھوں نے اپنے سر کھلے رکھے ہوئے ہیں اور اپنے بازوؤں کو کھلا رکھا ہوتا ہے اور یوں باہر نکلتی ہیں جیسے نوجوان لڑکے نکلتے ہیں اس طرح بہت سے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ مصنوعی مخنث بنے ہوتے ہیں، جنھوں نے گردن میں سونے کی زنجیر آویزاں کی ہوتی ہے جو ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوتی ہے، جنھوں نے لمبے لمبے بالوں کو کنگھی کر رکھی ہوتی ہے، جن کے سر یوں ہوتے ہیں جیسے لڑکیوں کے سر ہیں حتی کہ ان کے درمیان امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ یہ تکلیف دہ مناظر جو بعض اسلامی ملکوں میں دیکھے جا رہے ہیں، یہ دشمن کی فکری یلغار کا مقصود ہے اور ہمارے نوجوانوں کی کثیر تعداد روحانی شکست سے دوچار ہو چکی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب إخراج المتشبهين بالنساء من البيوت، حديث: 5886.

[2] سنن أبي داود، اللباس، باب في لباس النساء، حديث: 4098.

بلاشبہ یہ امت اسلامیہ، اس کے معاشروں، اس کی اقدار، اس کی اسلامی روایات اور اسلامی امتیازات پر بیرونی حملے ہیں جو مغربی بدکار اور مشرقی کافر دونوں کی مشترکہ یلغار ہے۔ ان کی ہیبت ناک، تباہ کن اور نیست و نابود کرنے والی موجیں پھیلتی جا رہی ہیں، اس کے علاوہ مزید گمراہیاں بھی ہیں جن کے باعث انسانیت کج روی اختیار کر رہی ہے اور بدبختی کی جہنم کی طرف بڑھتی جا رہی ہے اور انسانیت کو اس کی فطرت سلیمہ سے ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کی طرف لیے جا رہی ہے جن کے ان علاقوں پر ہولناک نتائج، خطرناک امراض اور تباہ کن اثرات نظر آ رہے ہیں۔

وہ حق کی دعوت دیتی ہے

اپنے دین کی ہدایت کو یاد رکھنے والی اور سمجھدار مسلمان خاتون اس حقیقت کا ادراک کر لیتی ہے کہ انسان دنیا میں بلا مقصد اور بے کار ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، امانت کو اٹھانے کے لیے اور فریضے کی بجا آوری کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور وہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کی ہر مثبت اور تعمیری حرکت میں موجود ہوتی ہے تاکہ دنیا آباد رہے، زمین میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ مضبوط رہے اور زندگی میں اس کا منہج دکھائی دے اور یہ سبھی وہی حق ہے جو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر واجب اور لازم ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔

یہی وجہ ہے کہ راست باز مسلمان خاتون اس دعوت کے سلسلے میں اپنے واجبی کام کو محسوس کر لیتی ہے کہ جس حق پر وہ ایمان لائی ہے اس نے حتی المقدور اپنے گردونواح میں

[1] الذاریات 56:51.

عورتوں کو دعوت بھی دیتی ہے اور اس ضمن میں اس عظیم ثواب کو پانے کی امید رکھتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والوں کو وعدہ دیا ہے جس طرح کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا ہے:

[فَوَ اللّٰهِ! لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ مِّنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ]

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔''[1]

بلاشبہ ایک غافل معاشرے میں یا ہدایت الٰہی سے دور رہنے والی عورت کے کان میں مسلمان خاتون کا ایک پاکیزہ بول جسے وہ دلوں میں ڈالتی ہے، وہ دعوت دینے والی بہن کے لیے اجر عظیم اور ثواب کریم لے کر پلٹتا ہے جو سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر قیمتی ہوتا ہے جو اس وقت عرب معاشرے میں نفیس ترین مال و دولت شمار ہوتے تھے۔ پھر اس کے علاوہ ان خواتین کا اجر و ثواب بھی اس کے حصے میں آتا ہے جنھیں اس کے ہاتھوں ہدایت ملتی ہے، جس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے:

''جس نے ہدایت کی طرف بلایا، اس کے لیے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور یہ ان کے اجر و ثواب سے کچھ کم بھی نہ کرے گا۔''[2]

اور دعوت دینے والی مسلمان خاتون جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوسری خواتین کو دعوت دیتی ہے تو اپنی کم علمی کو آڑے نہیں آنے دیتی۔ اس کے کانوں تک جو ہدایت اور نصیحت کی بات آ گئی ہے، خواہ وہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اسی کی تبلیغ کرتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو وصیت فرمائی تھی:

---

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4210، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2406. [2] صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة، حديث: 2674.

[بَلِّغُوا عَنِّيُ وَلَوُ ايَةً......]

"میری طرف سے (لوگوں تک) پہنچا دو اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔"[1]

بعض اوقات یہی ایک آیت یا دعوتی کلمات میں سے ایک کلمہ ہی اس کے لیے ایمان کی پناہ گاہوں میں سے ایک پناہ گاہ ثابت ہوتا ہے اور سننے والی کے دل میں ہدایت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے، وہ حق کی طرف بڑھتی ہے اور اس کی پوری زندگی روشن ومنور ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اوصاف کے حامل افراد کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ میں دعائے خیر فرمائی ہے:

[نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا، فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ]

"اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی، پھر اسے آگے پہنچایا جس طرح اسے سنا تھا، کئی بات پہنچائے گئے افراد ایسے ہوتے ہیں جو بات کو سننے والے سے بھی زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔"[2]

بلاشبہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ہدایت سے روشنی پانے والی مسلمان خاتون تو روشن چراغ کی مانند ہے جو سیاہ تاریک رات میں چلنے والیوں کے لیے روشنی فراہم کرتا ہے، اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ سیاہ رات کی تاریکی میں بھٹکنے والی بہنوں سے اس کی روشنی کو چھپا سکے جب کہ وہ دیکھ چکی ہے کہ مخلص ہو کر اللہ کی طرف دعوت دینے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ثواب عظیم بھی تیار کر رکھا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتی رہتی ہے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صرف مرد ہی پر واجب نہیں ہے بلکہ یہ مرد اور

---

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بني إسرائیل، حدیث: 3461.

[2] سنن الترمذي، باب ماجاء في الحث علی تبلیغ السماع، حدیث 2657.

عورت دونوں پر یکساں طور پر ضروری ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد معاون اور دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ غلبے والا اور حکمت و درست کاری والا ہے۔''[1]

بلاشبہ اسلام نے عورت کو معاشرے میں ایسا بلند ترین مقام عطا فرمایا ہے جب اسے اس عظیم معاشرتی فریضے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کا مکلّف اور ذمہ دار ٹھہرایا ہے کیونکہ اس نے تاریخ میں سب سے پہلی بار حکم دینے والی بنایا ہے جبکہ وہ اس سے قبل دنیائے اسلام کے علاوہ صرف مامور ہی معروف و مشہور تھی۔

اس ذمہ داری کے مقابلے میں جو دراصل اس کی عزت و تکریم ہی ہے مسلمان خاتون ایسی حدود اور ایسے میدانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے کمر بستہ ہوگی جو اس کی نسوانیت سے مناسبت رکھتے ہوں گے، جو اس کے دائرہ کار اور مخصوص حلقے میں داخل ہوں گے۔ وہ برائی کو روکے گی اور یہ برائی عورتوں کی دنیا میں کچھ کم بھی نہیں ہے، اگر وہ اسے دیکھے تو پوری عقل مندی، سوچ بچار، حکمت اور نرم مزاجی سے روکے گی، اگر طاقت پائے تو اسے اپنے قوت بازو سے روکے گی جس کے ختم کرنے پر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر وہ ایسی طاقت نہ پائے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے روک سکے تو وہ حق کے چہرے کو اپنی زبان اور اپنے بیان سے عیاں کرے گی، اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ پائے تو

[1] التوبة 71:9.

پھر باطل کو اپنے دل ہی سے برا جانے گی اور اس برائی کو ختم کرنے کے ذرائع و وسائل پر سوچ بچار کرتی رہے گی تاکہ وقت ملنے پر اسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکے، کسی برائی کو ختم کرنے کے لیے یہی اسلوب ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان گرامی میں حکم دیا ہے:

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے قوت بازو سے تبدیل کرے، (یعنی روکے) اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان سے روکے، پھر اگر اتنی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[1]

ہوش مند مسلمان خاتون جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتی ہے تو وہ اپنی غافل مسلمان بہنوں یا دین حنیف اسلام کی ہدایت کی پیروی کرنے میں کوتاہی کرنے والی بہنوں کی خیر خواہی کرتی ہے اور دین تو خیر خواہی کا ہی نام ہے جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے انتہائی اختصار اور پوری بلاغت سے اسے بیان فرمایا ہے جس وقت آپ ﷺ نے ایک ہی لفظ ''نصیحت'' کے ساتھ پورے دین کی تعبیر فرمائی ہے تو جب دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کا ادا کرنا گویا اس خیر خواہی کو ادا کرنا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ذکر کیا ہے اور اسی کے ساتھ ہی دین کی مضبوطی ہے۔

''دین خیر خواہی ہے۔'' ہم نے دریافت کیا کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے اور ان کی رعایا کے لیے۔''[2]

ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس وقت کھڑا ہوا جبکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے، وہ بولا: یارسول اللہ! لوگوں میں سے کون بہتر ہے؟ فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان، حدیث : 49.
[2] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة، حدیث : 55.

''لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ تلاوت کرنے والا ہو، ان میں سے سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہو، معروف کا سب سے بڑھ کر حکم کرنے والا ہو اور برائی سے سب سے زیادہ روکنے والا ہو اور ان میں سے سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والا ہو۔''[1]

بیدار مغز مسلمان خاتون ایسی ہی صاحب فیصلہ ہوتی ہے، وہ باطل پر خاموش نہیں رہتی، حق کو کھول کر بیان کرنے سے ہچکچاتی نہیں ہے اور نہ ہی راہ کج اختیار کرتی ہے، وہ تو ہمیشہ اسلامی معاشرے میں اپنی بہنوں کے نفع اور فائدہ کے لیے عمل کرتی ہے اور ان میں موجود کوتاہی، سستی، جہالت اور انحراف کو نکالنے میں جلدی کا مظاہرہ کرتی ہے، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کو مانتے ہوئے ادا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کو ٹالے رکھنے کے لیے یہ کام سرانجام دیتی ہے جو ایسے معاشروں پر عمومی شکل میں نازل ہوتا ہے جس میں نیکی کا حکم کرنے والی اور برائی سے روکنے والی آوازیں بلند نہیں ہوتیں۔

جس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، آپ منبر پر براجمان ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان فرمائی، پھر یوں کہا: اے لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔''[2]

اور تم اسے اس کی جگہوں کے علاوہ دوسرے معانی کے لیے رکھتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا:

[إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ وَلَا يُغَيِّرُونَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ]

[1] مسند أحمد: 433/6، والطبراني ورجالهما ثقات، مجمع الزوائد: 263/7. [2] المائدة 105:5.

''بلاشبہ لوگ جب برائی کو دیکھیں گے اور اسے تبدیل نہ کریں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل کر دے۔''[1]

بلاشبہ اپنے اسلام میں سچی مسلمان جس کا ایمان متحرک ہو، جس کی عقل ہدایت ربانی کے نور سے روشن ہو، وہ ہمیشہ نیکی کی راہ میں کوشاں رہتی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجا لاتی ہے، خیر خواہی کے عطیات پیش کرتی ہے، فاسد احوال کی اصلاح کرتی ہے، اپنی ذات کے لیے منفی پہلو جمود، بے پروائی اور تلون مزاجی کو پسند نہیں کرتی، بلکہ وہ تو کسی بھی معاملے میں جو دین اور اس کے شعائر سے متعلقہ ہو یا اس کی ہدایت اور اس کی روح سے مناسبت رکھتا ہو، وہ سستی وغفلت کا مظاہرہ نہیں کرتی، کیونکہ دین اور عقیدے سے متعلقہ تمام امور حقیقت ہیں جن میں کوئی مذاق کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ان میں کسی کجی اور غلطی پر خاموشی جائز ہی نہیں ہے، وگرنہ ہم بھی اسی گرفت میں آ جائیں گے جس میں یہودی آئے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا غضب نازل کیا جس وقت ان میں دینی امور میں کوتاہی بے پروائی اور جمود کو دیکھا تھا:

''بے شک جو لوگ بنی اسرائیل والے تم سے پہلے ہوئے ہیں جب ان میں کوئی کام کرنے والا گناہ کا کام کرتا تو کوئی روکنے والا اسے عذر پیش کرنے کے لیے روکتا (یعنی میں نے تمھیں سمجھا دیا کیونکہ یہ میری دینی ذمہ داری تھی) تو پھر جب اگلا روز آ جاتا تو اس کے ساتھ بیٹھتا، اس کے ساتھ چلتا پھرتا اور اس کے ساتھ کھاتا پیتا، جیسے کہ گزشتہ کل اس نے اسے گناہ کا کام کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔''

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صورت حال دیکھی تب اللہ تعالیٰ نے سیدنا داود اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان پر ان کے ایک کے دل کو دوسرے کے دل پر مار دیا، یعنی ان کو ایک دوسرے کے موافق بنا دیا، اس وجہ سے جو انھوں نے نافرمانی کی اور جو وہ حد سے تجاوز کر جاتے تھے:

---

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث : 4338.

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہنا اورتم بالضرور برائی سے روکتے رہنا اور تم لازماً برائی کرنے والے کے ہاتھوں کو پکڑتے رہنا اور تم ضرور اسے حق کی جانب موڑتے رہنا، یا پھر اللہ تعالیٰ تمھارے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دے گا، انھیں ایک جیسا بنا ڈالے گا اور تمھارے اوپر بھی ویسی ہی لعنت کرے گا جیسی ان پر کی ہے۔''[1]

دعوت کے میدان میں عقل مندی اور حکمت کا مظاہرہ کرتی ہے

دعوت دینے والی مسلمان خاتون اپنی دعوت میں ماہر، خوش طبع اور ذہانت و فطانت والی ہوتی ہے، اپنی مخاطب بہنوں سے خطاب کرنے میں انتہائی سمجھداری اور سنجیدگی سے بات کرتی ہے، ان کی فکری اور معاشی سطح کا لحاظ رکھتی ہے۔ پوری حکمت اور بہترین نصیحت کرنے کے ساتھ ان کے قلوب وعقول تک رسائی پاتی ہے، جس طرح کہ قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے۔''[2]

دعوت دینے والی بہن طوالت دینے، اکتاہٹ پیدا کرنے اور سننے والیوں پر بوجھل بننے سے بچتی ہے، اپنی گفتگو میں طوالت پیدا نہیں کرتی اور نہ ہی اس میں دشوار اور ناقابل فہم مسائل کو شامل کرتی ہے بلکہ جس فکر اور سوچ کو ان کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہے اسے انتہائی اختصار کے ساتھ اور دوٹوک لفظوں میں بیان کرتی ہے اور وہ بھی پر لذت روشن دماغی کے اسلوب سے، اکتاہٹ پیدا کیے بغیر بیان کرتی ہے۔ پھر وہ بھی وقفے وقفے سے تاکہ پیش شدہ معاملے اور فکر کو دعوت دی جانے والی بہن مکمل طور پر سمجھ سکے، پھر آسانی، رضا مندی اور شوق سے اسے عملاً اپنا بھی سکے۔ یہ تھا وہ طریقہ جو وعظ نصیحت کے دوران میں رسول اللہ ﷺ اختیار فرمایا کرتے تھے جیسے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی جلیل رضی اللہ عنہ ہمیں خبر دیتے ہیں

---

[1] رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد: 146/10. [2] النحل 125:16.

اور خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو جمعرات کے روز ہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن ! میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں بلاناغہ وعظ و نصیحت فرمایا کریں تو جواب میں ارشاد فرمایا: مجھے صرف یہی امر مانع ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمھیں اکتاہٹ میں ڈال دوں، اس لیے تمھیں ناغے کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے میں ناغے سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ ہماری اکتاہٹ کا اندیشہ پاتے تھے۔[1]

ماہر فطین سمجھدار دعوت دینے والی کے لازمی امور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جنھیں دعوت دے رہی ہے ان سے نرمی رکھے، ان میں سے بعض کے قصور فہم پر اور ان کے امور دین سے بکثرت لاعلم ہونے پر صبر سے کام لے، اسی طرح ان کے بار بار غلطیاں کرنے پر، اکتا دینے والے بے شمار سوالات پر تحمل سے کام لے، اس سلسلے میں صرف دعوت دینے والوں اور والیوں کے سردار سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل طور پر پیروی کرنے کی کوشش کرے۔

مذکورہ صورت حال پر بطور شہادت وہ واقعہ کافی ہے جسے صحابی رسول سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''بات یوں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ قوم میں سے کسی شخص نے چھینک ماری تو میں نے کہہ دیا: '' يَرْحَمُكَ اللّٰهُ '' تو لوگوں نے مجھے آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا، میں نے کہا: میری ماں مجھے گم پائے تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ مجھے ہی دیکھے جا رہے ہو؟ تو انھوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنا شروع کر دیا، تو جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کروا رہے ہیں تو آخر میں خاموش ہو ہی گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل فرمائی۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میں نے اس سے پہلے اور بعد میں آپ سے بڑھ کر حسن تعلیم والا معلم کوئی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة، حديث : 70، و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب الاقتصاد في الموعظة، حديث :2821.

مارا، اور نہ ہی برا بھلا کہا بلکہ یوں فرمایا:

''بلاشبہ یہ نماز ایسا عمل ہے جس میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی چیز درست نہیں ہے یہ تو صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کا عمل ہے۔''

یا پھر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح بھی فرمایا ہو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا عہد جاہلیت سے نیا نیا ہی تعلق ختم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اسلام کو لایا ہے، ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں[1] کے پاس جاتے ہیں۔ فرمایا: تو ان کے پاس نہ جایا کر۔ میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بدفالی لیتے ہیں، فرمایا: وہ ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے سینوں میں پاتے ہیں مگر اسے انھیں ہرگز روکنا نہیں چاہیے۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ کو جب کسی شخص کے متعلق کوئی بات پہنچتی تو آپ اس طرح نہ کہتے تھے کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے وہ اس طرح کہتا ہے بلکہ اس طرح فرمایا کرتے تھے: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسے ایسے کہتے ہیں۔''[3]

اسی طرح دعوت دینے والی کی اہم ترین صفات میں سے جو دعوت کے کام میں اس کی کامیابی کی کفیل اور ضامن ہیں، ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ مکمل وضاحت، تفصیل اور تکرار سے کام لے جو اکتاہٹ بھی پیدا نہ کرتی ہو حتی کہ اسے غالب گمان ہو جائے کہ سننے والیوں نے جو سنا ہے، اسے از بر کر لیا ہے اور یہ بات ان کے دلوں میں پیوست و سرایت کر گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے جس طرح کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی کلمہ اور بات کو دہراتے تو اسے تین بار دہرایا کرتے تھے حتی کہ وہ بات آپ سے سمجھ لی جاتی، اور جب آپ کسی قوم کے ہاں تشریف

---

[1] کاہن ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دل کی باتوں کی معرفت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اور مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ لوگوں کو اس عمل سے باز آنا چاہیے۔ کیونکہ بدفال نفع و نقصان میں بالکل مؤثر نہیں ہوتی۔

[2] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة، حديث: 537 . [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن العشرة، حديث : 4788 .

لاتے تو ان پر سلام کرتے تو بھی انھیں تین بار سلام کہتے۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بالکل واضح ہوتا تھا، جو بھی اسے سنتا سمجھ لیتا تھا۔"[2]

صالح خواتین سے میل جول رکھتی ہے

مسلمان خاتون عورتوں سے تعلقات رکھنے میں صرف نیک اور صالح خواتین ہی کو چنتی ہے تاکہ وہ اس کی بہنیں اور سہیلیاں بن جائیں۔ انھی کی دوستی سے مانوس رہتی ہے، نیکی، تقویٰ، اور عمل صالح پر ان کے ساتھ تعاون کرتی ہے، جن خواتین کی اسلامی سمجھ میں کچھ نقص وکوتاہی ہو ان کی دینی راہنمائی کرتی ہے۔ ان کی ذہنی بیداری کو اجاگر کرتی ہے، کیونکہ نیک اور صالح خواتین کے ساتھ میل جول رکھنے سے ہمیشہ خیر، نفع اور عام ثواب ہی ملتا ہے مستورات کو اپنے معاشرے میں رائے کی پختگی، دین کا تفقہ اور حق کی طرف پیش رفت کرنے میں مزید حوصلہ نصیب ہوتا ہے، اسی لیے تو عظیم قرآنی ہدایت میں اسی نیک صحبت کو اختیار کرنے کے لیے یہ آیا ہے:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾

"اور اپنے آپ کو انھی کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کا ارادے رکھتے ہیں خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا، دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔"[3]

---

[1] صحيح البخاري، العلم، باب من أعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه، حديث: 95. [2] سنن أبي داود، الأدب، باب الهدى في الكلام، حديث: 4839. [3] الكهف 28:18.

سمجھدار دین کی روشنی رکھنے والی مسلمان خاتون نیک اور صالح خواتین سے میل جول رکھنے میں کوئی عیب اور ذلت نہیں پاتی اگرچہ ان کی ظاہری معاشرتی یا مادی سطح کم درجہ ہی ہو، کیونکہ شخصیت کے جوہر کا اعتبار ہوتا ہے، اس کی ظاہری شکل وصورت اور مالداری کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اللہ کے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک عبد صالح سے علم حاصل کرنے کے لیے اس کے پیچھے چلنا قبول کیا تھا، پورے ادب اور مکمل تواضع کے ساتھ یوں عرض کرتے ہیں:

﴿ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾

''کیا میں آپ کی تابعداری کروں کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔''[1]

اور اس نیک بندے نے بایں الفاظ جواب دیا تھا:

﴿ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾

''آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔''[2]

تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انھیں انتہائی محبت اور کمال ادب کے ساتھ یہ عرض کی تھی:

﴿ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾

''کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔''[3]

سمجھدار خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں ہوتا کہ وہ صرف صالح خواتین ہی کو بطور سہیلیاں منتخب کرے گی کیونکہ لوگ بھی معادن اور کانیں ہیں، ان میں سے کچھ نفیس ہوتی ہیں اور کچھ کم قیمت، بالکل اسی طرح لوگ بھی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصناف اور ان معادن کی توضیح میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

''لوگ بھی کانیں ہیں جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں، ان میں جو جاہلیت میں بہتر تھے جب وہ سمجھ حاصل کرلیں تو اسلام میں بھی بہتر ہیں، اور روحیں

---

[1] الکھف 66:18. [2] الکھف 67:18. [3] الکھف 68:18.

تو جمع کردہ لشکر ہیں جس قدر (عالم ارواح میں) ان میں تعارف ہوا تھا اس کے بقدر ان میں الفت ہوتی ہے اور جس قدر ان میں دوری تھی اسی کے بقدر ان میں اختلاف ہوتا ہے۔''[1]

وہ اپنے دین کی ہدایت سے یہ بات جانتی ہے کہ ہم نشینوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نیک ہم نشین اور برا ہم نشین، نیک ہم نشین تو کستوری اٹھانے والی کی مانند ہے جو اپنی ہم نشین کو خوشبو، عطر اور رعبیر وغیرہ ہبہ کرتی ہے، جبکہ بری ہم نشین بھٹی دھونکنے والی کی مثل ہے جو اپنی ہم نشین کو دھواں، انگارے، شعلے، بدبو اور برے منظر کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کتنی شاندار مثال بیان فرمائی ہے:

''نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے: کستوری بیچنے والا یا تو تجھے خود ہی ہدیہ کردے گا، یا خود تو ہی اس سے خرید لے گا یا اس سے تو خوشبو تو پاتا ہی رہے گا، اور بھٹی دھونکنے والا یا تیرے کپڑے جلائے گا اور یا پھر تو اس سے بدبو ہی پائے گا۔''[2]

اس ضمن میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ مندرجہ ذیل سچا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آؤ ہم ام ایمن[3] کی زیارت کو چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ اس کی زیارت و ملاقات کو جایا کرتے تھے۔ جب وہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں، دونوں نے دریافت کیا: تجھے کس چیز نے رلا دیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس خیر ہی خیر ہے۔ وہ بولیں:

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث: 2638. [2] صحیح البخاري، الذبائح، باب المسك، حدیث: 5534، و صحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین، حدیث: 2628.

[3] ام ایمن، رسول اللہ ﷺ کی آیا اور بچپن کی خادمہ ہیں، نبی اکرم ﷺ نے بڑے ہو کر انھیں آزاد فرما دیا تھا۔ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کر دی تھی۔ آپ ﷺ ان کا اکرام فرمایا کرتے تھے۔ ان سے نیک سلوک کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''ام ایمن تو میری ماں ہے۔''

میرے رونے کی وجہ یہ نہیں کہ میں جانتی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہتر ہے لیکن میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی منقطع ہوگئی ہے تو اس بات پر اس نے دونوں کو رونے پر ابھار دیا، پھر وہ دونوں بھی اس کے ساتھ مل کر رونے لگے۔'' [1]

بلاشبہ صالح خواتین کی مجالس ایسی ہی ہوتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جائے، جن میں مفید اور نفع مند باتوں کا دور چلے، جنھیں ملائکہ اپنے گھیرے میں لے لیں، جن پر اللہ تعالیٰ مولیٰ کریم اپنی رحمت کے سائے ڈال دے، ایسی ہی مجالس نفوس کو پاکیزہ بناتی ہیں، جن سے عقلیں جلا پاتی ہیں، روحیں صیقل ہوتی ہیں، ایماندار اور صالح خواتین کو ایسی مجالس و محافل کا بکثرت اہتمام کرنا چاہیے اور ان کے پکے ہوئے تازہ پھلوں کی خوشہ چینی کرنی چاہیے تاکہ انھیں دنیا میں نفع و فائدہ حاصل ہو اور آخرت میں پسندیدہ مقام نصیب ہو۔

مسلمان خواتین کے مابین صلح کروانے کی کوشش کرتی ہے

اسلامی معاشرہ اس اعتبار سے ممتاز ہوتا ہے کہ اخوت اس کی سیادت و قیادت سنبھالتی ہے، مودت اسے آباد رکھتی ہے اور باہمی میل ملاپ باہمی افہام و تفہیم درگزر کرنے کی صفات اور قلبی صفائی کی فضائیں اس میں پھیلی ہوتی ہیں۔

یہ معاشرہ اپنے فضل و مقام اور امتیازی اوصاف کے باوجود بھی انسانی معاشرہ ہی ہوتا ہے جس میں بعض اوقات باہمی اختلافات اور تنازعات بھی ہو سکتے ہیں جو اس کے افراد کے مابین سرایت کرتے ہوئے باہمی جھگڑے قطع تعلقات اور ایک دوسرے سے دوری کا سبب بن سکتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ باہمی اختلافات و تنازعات تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس معاشرے کے افراد آسمانی محکم ترین ہدایت کو سینے سے لگا لیتے ہیں، جو باہمی بھائی چارے، مودت اور باہمی قربت کو مستحکم کرتی اور دشمنی، ناراضی، ناپسندیدگی اور قطع تعلقی کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتی ہے، علاوہ ازیں نیکی کے متلاشی اور اعمال خیر کے لیے کوشاں حضرات،

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أم أيمن، حديث: 2454.

مسلمان مردوں اور عورتوں کے درمیان صلح کی فضا پیدا کرنے کے لیے بھی، جس کے لیے اسلام نے اپنے بیٹوں کو رغبت دلائی ہے، بے تاب نظر آتے ہیں، جب کبھی دوستوں کے درمیان فتنے کے سینگ اگتے ہیں یا بھائیوں کے درمیان شیطان پھوٹ ڈالتا ہے اور ان کے درمیان جھگڑا یا قطع تعلقی پیدا ہو جاتی ہے، ہم قبل ازیں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ اسلام نے دو جھگڑے ہوئے مسلمانوں کے لیے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلقی کو حرام قرار دیا ہے:

''کسی شخص کے لیے جائز وحلال نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو تین دنوں سے زیادہ چھوڑے رکھے، جب تین دن گزر جائیں تو اسے چاہیے کہ اس سے ملے، اسے سلام کہے، اگر تو وہ سلام کا جواب دے دے تو اجر وثواب میں دونوں شریک ہو جائیں گے اور اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دے تو سلام کہنے والا ترکِ تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا۔''①

اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ دو باہم ناراض اور جھگڑے ہوئے گروہوں کے درمیان صلح کرائیں:

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کروا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''②

اسلامی معاشرے کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو چاہیے کہ عدل ومحبت اور باہمی

① اخرجه البخاري، في الأدب المفرد: 505/1، وسنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل أخاه، حديث: 4912. ② الحجرات 9:49.

اتفاق واتحاد کی سیادت وقیادت کو قائم رکھیں تا کہ اخوت کی عطر بیز بارش اس کو شاداب رکھے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

''یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' ①

مذکورہ ہدایات کی روشنی میں خاتون سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ لڑی اور جھگڑی ہوئی بہنوں کے دمیان صلح کروائے اور میل ملاپ کروانے کی کوشش کرے، صرف اور صرف دین اسلام اور دین حنیف کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے۔ اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام نے جھگڑنے والے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے نفوس کو جھکانے اور مائل کرنے کے لیے اپنے اقوال میں اپنے پاس سے زائد باتیں شامل کرنے کی بھی رخصت دی ہے تا کہ سخت اور پتھر دل نرم کیے جاسکیں۔ اور یہ رخصت اس حرام جھوٹ میں شامل بھی نہیں ہوگی جس کا مرتکب گناہگار ٹھہرتا ہے۔ ہم یہ بات ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کی حدیث میں پاتے ہیں، فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

[لَیْسَ الْكَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ فَیَنْمِیْ خَیْرًا اَوْ یَقُوْلُ خَیْرًا]

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے جو خیر کی خبر کو پھیلاتا یا خیر کی بات کہتا ہے۔'' ②

مسلم کی روایت میں انھوں نے یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں:

''میں نے آپ ﷺ سے لوگوں کی باتوں میں ماسوائے تین چیزوں کے کسی اور چیز میں (جھوٹ بولنے کی) رخصت نہیں سنی، یعنی لڑائی، لوگوں کے درمیان صلح کروانا اور آدمی کا اپنی بیوی سے بات کرنا اور بیوی کا اپنے شوہر سے بات کرنا۔'' ③

① الحجرات 49:10. ② صحیح البخاري، العلم، باب لیس الكذاب الذی...... حدیث: 2692، و صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الكذب، حدیث: 2605. ③ صحیح مسلم ◄◄

عورتوں سے میل جول رکھتی اوران کی اذیتوں پرصبر کرتی ہے

سچی عمل کرنے والی مسلمان خاتون تو صاحب فیصلہ، پیغام ایزدی کی حامل اور دعوت کی قائد ہے کہ جو بڑی بڑی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے کمر بستہ ہو چکی ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو صبر کرنے، ثابت قدم رہنے اوران راستوں میں قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ کرے۔

عمل کرنے والی مسلمان خاتون کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعض خواتین کے غلط موقف پر صبر کرے، ان کے لمبے چوڑے افعال کی خرابیوں پر اپنے اعلیٰ ترین مشن کی بے قدری کرنے پر اسلامی آداب واحکام کو سینے سے لگائے رکھنے کے ساتھ میدان دعوت میں بعض کے مذاق کرنے پر، ان کی لغو بے ہودہ آراء پر، ان کی فکر وسوچ کی سطحیت پر، حق کی دعوت کو قبول کرنے میں سستی دکھانے پر، صرف اپنی ذات اور اپنے مفادات کے گرد گھومتے رہنے پر، ان کے کمزور اور ناسمجھی والے امور کو سرانجام دینے پر، دنیا و مافیہا کے لہو ولعب کی طرف میلان طبع رکھنے پر، اور وہ بھی آخرت کے حساب کتاب سے بے فکر رہتے ہوئے، دینی امور واحکام پر توجہ مرکوز نہ کرتے ہوئے یا ان کے علاوہ جو گھٹیا امور و ناپسندیدہ افعال اور نازیبا حرکات انسانوں سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، ان تمام پر صبر کرے۔ یقین جانیے ہر زمان و مکان میں دعوت پیش کرنے والے مردوں عورتوں کو ایسے ہی حالات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھی امور کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ عملاً دعوت دینے والوں کے عزائم اور حوصلوں کو مستحکم فرماتے ہیں، ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں، انھیں قدموں کو ثابت رکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور ببانگ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ دعوت کے پرخار اور طویل ترین راستے میں صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ان لوگوں سے جو صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں، میزان تقویٰ اور عمل صالح کے ترازو میں بدرجہا بہتر ہیں:

◂◂ البر والصلة، باب تحريم الكذب و بيان ما يباح منه، حديث : 2605.

[اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَ یَصْبِرُ عَلٰی أَذَاھُمْ خَیْرٌ مِّنَ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ]

''وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ سے قبل سب انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کی ناسمجھیوں، ان کی الزام تراشیوں، تہمتوں اور گھٹیا باتوں پر صبر کے معاملے میں ایک مینارۂ نور ہیں، چنانچہ دعوت دینے والے مردوں اور عورتوں کو اس کی کس قدر زیادہ ضرورت ہے جب کبھی ان کا صبر ختم ہونے لگے، یا ان کے سینوں میں گھٹن داخل ہونے لگے، بہ سبب ان نالائقیوں، اذیتوں اور انکاریوں کے جو وہ لوگوں کی طرف سے دیکھیں تو انھیں انبیاء کی سیرت کو مدنگاہ رکھنا چاہیے۔

اس عظیم و کبیر صبر کی مثالوں میں سے ایک مثال ملاحظہ فرمائیں جسے شیخین نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم کیا جسے آپ تقسیم فرمایا کرتے تھے تو ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس سے اللہ عزوجل کی رضا مطلوب نہیں ہے۔ یہ ظلم پر مبنی بات رسول کریم ﷺ کے مبارک کانوں تک پہنچی تو آپ پر گراں گزری، آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، خفا ہوئے اور فرمایا:

[قَدْ أُوْذِیَ مُوْسیٰ بِأَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ]

''موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انھوں نے صبر ہی کیا۔''[2]

ان مختصر سے الفاظ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور غضب کافور ہو گیا اور آپ کا کریم درگزر کرنے والا اور سخی نفس خاموش ہو گیا۔

---

[1] أخرجه البخاري، في الأدب المفرد :478/1 باب الذى يصبر على أذى الناس، و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث : 4032و سنن ترمذى : 2507. [2] صحيح البخاري، الادب، باب الصبرفى الأذى، حديث : 6100، و صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم، حديث : 1062.

دعوت دینے والی ہوش مند مسلمان خاتون کی لیاقت و فطانت کم نہیں ہوتی اور وہ اپنے سامنے خطاب سننے والیوں کی نفسیات ان کی فکری اور معاشرتی ذہنی سطح ان کی عملی استعداد کا اندازہ لگانے میں بھی ذہانت و ذکاوت سے محروم نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ہر مخاطبہ کی معاشرتی سطح اور ذہنی صلاحیت کے مطابق اسلوب اختیار کرتی ہے جس سے جاذبیت اور تاثیر میں بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

احسان شناسی اور شکریے کی خوگر ہوتی ہے

سچی مسلمان خاتون کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ وفادار ہوتی ہے۔ احسان اور نیکی کی قدر کرتی ہے اور احسان کرنے والی کی خدمت میں شکر گزاری کے جذبات پیش کرتی ہے، اور پھر اس کو بھی یہی تلقین کرتی ہے۔ وہ یہ عمل رسول کریم ﷺ کے فرمان گرامی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کرتی ہے:

''جس کے ساتھ نیکی کی جائے پھر اس نے نیکی کرنے والے سے ''جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا'' کہا تو اس نے تعریف و ستائش میں حد کر دی۔''[1]

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

[مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيذُوهُ...... وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ]

''جو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو تمھارے ساتھ نیکی کرے اسے بدلہ دو۔''[2]

بلاشبہ نیکی پر شکریہ ادا کرنا سمجھدار مسلمان خاتون کے تصور و خیال میں دین کا جز ہے جس پر نبی کریم ﷺ کی سیرت و ہدایت نے رغبت دلائی ہے، یہ کوئی مرضی والی معاشرتی عادت نہیں ہے کہ مختلف مزاج، خواہشات اور فائدے و مصلحتیں وغیرہ بذات خود ہی اس کے متعلق

① حديث حسن جيد غريب، سنن الترمذي، البر والصلة، باب: (87) ماجاء في الثناء بالمعروف، حديث: 2035. ② سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله عزوجل، حديث: 1672، ومسند أحمد: 68/2 وإسناده صحيح.

فیصلہ کرلیں۔

اسلام کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں نیکی کی قدر کرنے اور اس پر شکریہ ادا کرنے کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنادے اور اس ضمن میں یہاں تک تعلیم دی ہے کہ جب تک لوگوں کی نیکیوں پر ان کے احسانات پر شکریہ ادا نہیں کرو گے، تم کامل طور پر اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کر پاؤ گے، لہٰذا جو ذہنیت لوگوں کے احسانات اور اچھے افعال پر شکریہ ادا کرنے سے مانوس و مالوف نہیں ہے، وہ تو ناشکری، ناسپاسی اور بے قدری کرنے والی ذہنیت ہے۔ وہ احسانات، فضائل اور اعمال خیر کی قدر نہیں جانتی اور نہ ان کا شکریہ ہی ادا کرتی ہے، تو ایسی ذہنیت اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بھی نہیں ہوسکتی جو کہ نعمتیں، فضیلتیں اور بھلائیاں عطا کرنے والی ذات ہے اور اس معنی و مفہوم میں رسول اللہ ﷺ یہ فرمارہے ہیں:

[لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ]

''جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔''[1]

بیدار ذہن مسلمان خاتون کے دل سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ نیکی کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے میں فعل خیر کی اشاعت ہے، اس کی حوصلہ افزائی ہے اور اسے مزید ترغیب بھی ہے، علاوہ ازیں اس میں انسان کو اپنے ہاتھ کی حفاظت رکھنے کی عادت سکھانا بھی ہے اور نیکی کی حوصلہ افزائی اور قدر شناسی بھی ہے۔ یہ سب باتیں ترقی یافتہ مسلمان خاتون کی عمدہ شخصیت کی غمازی بھی کرتی ہیں جن باتوں کو اسلامی معاشرے میں عام کرنے اور پھر انھی کی روشنی میں اپنی شخصیت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی اسلام نے ترغیب بھی دی ہے۔

وہ بیماروں کی تیمارداری کرتی ہے

بیماروں کی تیمارداری کرنا ان مستحسن اسلامی معاشرتی عادات میں سے ایک ہے جن کے

[1] أخرجه البخاري، في الأدب المفرد: 210/1، باب من لم يشكر الناس، و سنن أبي داود، الأدب، باب في شكر المعروف، حديث: 4811.

قواعد کو رسول اللہ ﷺ نے مضبوط اور مستحکم فرمایا ہے اور اسے مسلمان مردوں اور عورتوں پر واجب و لازم قرار دیا ہے، یہ ہر مسلمان کا اپنے بھائی پر حق ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے یا اس سے غافل رہے، تو وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور گناہ کا مرتکب ہوگا، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر، جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کر، جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کر، جب وہ چھینک لینے کے بعد ''الحمد للہ'' کہے تو اس کی چھینک کا جواب دے، جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے چل۔''[1]

ہدایت یافتہ مسلمان خاتون جب کسی بیمار کی تیمارداری کرتی ہے تو اسے کوئی زائد عمل یا نفل کام یا حسن سلوک کا عمل ہی شمار نہیں کرتی بلکہ وہ اسے اسلامی فریضہ شمار کرتی ہے جس پر دین حنیف نے ترغیب دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یوں حکم دیا ہے:

[أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ عُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِي]

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔''[2]

اور سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما یوں فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا مریض کی تیمارداری کرنے کا، جنازے کے پیچھے چلنے کا، چھینک مارنے والے کا جواب دینے کا، قسم دینے والے کی قسم کو پورا کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا اور سلام پھیلانے کا۔''[3]

---

① صحیح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حدیث: 2162.

② صحیح البخاري، الأطعمة، باب (کلوا من طیبات مارزقناکم) حدیث: 5649. ③ صحیح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حدیث: 1239، وصحیح مسلم، اللباس، باب ◂◂

اپنی دینی تعلیمات سے روشناس مسلمان خاتون اس دلکش اور شاندار حدیث مبارکہ کے معانی پر غور وفکر کرتی ہے جو تیمارداری کرنے کی جلالت وشان کا تصور پیش کر رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ روز قیامت ارشاد فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تھا تو نے میری تیمارداری نہیں کی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں تیری تیمارداری کیسے کرتا، حالانکہ تو تو سب جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے؟ وہ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی تیمارداری نہیں کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا جبکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں ہے کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا؟ کیا تجھے معلوم نہیں اگر تو اسے کھانا دیتا تو اسے میرے پاس پالیتا؟

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں تجھے پانی کیسے پلاتا، حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہیں دیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو آج اسے میرے پاس پالیتا؟‘‘[1]

یہ کتنا عظیم ترین عمل ہے جو ایک مسلمان خاتون اپنی کمزور مریض بہنوں کے سامنے ادا کرتی ہے، جب یہ اپنے رب العزت کے حضور کھڑی ہوگی تو اس کا یہ عظیم عمل شہادت دے گا اور پھر اسے اجر جزیل عطا فرمایا جائے گا۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر، عظیم تر اور بابرکت کوئی دوسری زیارت اور ملاقات ہے جسے آسمانوں اور زمینوں کا مالک بابرکت فرما رہا ہے، اس کی شان وعظمت کو بیان فرما رہا ہے اور جس پر ترغیب دے رہا ہے؟

◂◂ تحریم استعمال إناء الذهب والفضة، حديث : 2066. [1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل عيادة المريض، حديث : 2569.

اور یہ کتنی بڑی بدبختی ہوگی جو اس عیادت سے تہی دامن رہنے والی خاتون کو گھیر لے گی! یہ کس قدر بڑا خسارہ ہوگا جو اس عورت پر اترے گا! وہ کتنا گھناؤنا مؤاخذہ ہوگا جس کا رب العزت تمام گواہوں کے روبرو اعلان فرمائیں گے!

''اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا لیکن تو نے میری عیادت نہ کی! کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟

پھر وہ خیال کتنا بھیانک ہوگا جو اس ندامت، خسارے اور شرمندگی کا تصور دلا رہا ہے جو اپنی بیمار بہن کی عیادت سے پیچھے رہنے والی اور کوتاہی کی مرتکب ہونے والی کے دل میں چبھے گی، اور وہ وقت پچھتانے کا وقت ہوگا۔

اسلامی معاشرے میں یقیناً مریض شدت، سختی اور الم و کرب کے لحات میں یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ تنہا نہیں ہے کیونکہ عیادت کرنے والوں کے نیک جذبات اس کے گرد رہتے ہیں اور ان کی دعائیں اسے ڈھانپے رکھتی ہیں جو اس کی پریشانی اور مصیبت کو کسی حد تک ہلکا کیے رکھتی ہیں اور یہ انسانی ترقی کی بلند ترین کوہان ہے اور انسانی جذبات کی بلندی کی چوٹی ہے، تاریخ انسانی میں کوئی امت اس محبت کی سیرابی سے آشنا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس معاشرتی ہمدردی کو صرف امت اسلام ہی نے متعارف کروایا ہے۔

مغرب میں مریض انسان بعض اوقات تو صرف اس ہسپتال کو پاتا ہے جس میں وہ داخل ہوتا ہے اور اس طبیب کو پاتا ہے جو اس کو طبی امداد اور ادویات دیتا ہے لیکن بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کوئی محبت و پیار کی تھپکی پائے، کوئی صحت مند بول سنے، دل کو خوش کرنے والی مسکراہٹ دیکھے، کوئی دل سے نکلنے والی دعا سن پائے، یا کوئی سچی روحانی مشارکت محسوس کر سکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی فلسفے نے اہل مغرب کی زندگی کو ڈھانپ رکھا ہے جس نے انسانی محبت کی نورانیت کو بجھا کر رکھ دیا ہے، اس نے بھائی چارے کے شفاف شعور کو چھپا

ڈالا ہے اور انسان کو ماسوائے مادی احساسات کے عمل خیر اور بھلائی کے فعل سے اوجھل کردیا ہے۔

اس سلسلے میں نصوص و دلائل بہت زیادہ ہیں جو نفس و قلب میں بھائی چارے کے شعور و احساس کے سرچشمے جاری کردیتے ہیں اور مسلمان انسان کو دل کی گہرائیوں سے مریض کی ملاقات کے لیے چلا دیتے ہیں، ان نصوص میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی بھی ہے:

[إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ]

''بے شک مسلمان آدمی جب اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس آنے تک جنت کے باغوں میں پھل چنتا ہے۔''[1]

آپ ﷺ کا یہ فرمان اقدس بھی ہے:

''کوئی بھی مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت نہیں کرتا مگر ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک اس کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں اس کے نام کا ایک باغ لگ جاتا ہے۔''[2]

بے شک رسول اللہ ﷺ کی باخبر اور تیز بصیرت نفس انسانی کے متعلق یہ ادراک رکھتی تھی کہ مریض کی عیادت کرنے کا مریض کی نفسیات پر اور اس کے اہل خانہ پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ بیماروں کی عیادت کرنے میں سستی و کوتاہی بھی نہ آنے دیتے تھے۔ اسی طرح انھیں دعاؤں اور غمگساری پر مبنی رقت آمیز کلمات سنانے میں بھی کوئی کمی نہ کرتے تھے حتی کہ آپ کا نفس مبارک اس قدر بلند تھا کہ وہ آپ کے قدموں کو اس یہودی بچے کی تیمارداری کرنے کی طرف بھی چلاتا تھا جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس ضمن میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں:

---

① صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل عبادة المریض، حدیث: 2568. ② سنن ترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض، حدیث: 969.

''یہودی بچہ جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوگیا تو نبی اکرم ﷺ اس کی تیمارداری کرنے کے لیے تشریف لائے، اس کے سر کے پاس بیٹھے اور فرمایا: مسلمان ہو جا، اس بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس موقع پر اس کے پاس ہی کھڑا تھا، وہ بولا: ابوالقاسم کی بات مان لے، چنانچہ وہ اسلام لے آیا، تو نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہوئے گھر سے باہر نکلے:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَنْقَذَہٗ مِنَ النَّارِ]

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچا دیا ہے۔''[1]

رسول مکرم ﷺ نے عیادت مریض کی عزت افزائی اور اہتمام فرمانے کے حوالے سے چند اصول اور سنتیں بھی متعین فرمائی ہیں، جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے یاد کیا ہے اور سنت مطہرہ نے انھیں قلم بند کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ مریض کے سر کی جانب بیٹھا جائے جیسے کہ ہم نے یہودی بچے کی عیادت کے حوالے سے دیکھ لیا ہے، اور جس طرح کہ اسی بات کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اس بیان سے ہمیں خبر دے رہے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ جب کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو اس کے سر کی جانب بیٹھتے، پھر سات مرتبہ یہ پڑھتے:

[أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَّشْفِيَكَ]

''میں اللہ عظیم و برتر سے سوال کرتا ہوں، میں عرش عظیم کے مالک سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے۔''[2]

ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کو مریض کے جسم پر پھیرا جائے اور

---

① صحيح البخاري، الجنائز، باب هل يعرض على الصبي الإسلام؟ حديث : 1356.

② أخرجه البخاري، في الأدب المفرد : 633/1، و سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للمريض عند العيادة، حديث : 3106.

مریض کو دعائیں دی جائیں جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی گھر والے کی عیادت فرماتے تو اپنے دائیں ہاتھ کو اس پر پھیرتے اور یہ پڑھتے:

[اَللّٰھُمَّ! رَبَّ النَّاسِ اَذْھِبِ الْبَأْسَ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیُ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا]

''اے اللہ! لوگوں کے پروردگار! اس بیماری کو دور کردے اور شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی عیادت کے لیے اندر تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے:

[لَا بَأْسَ طَھُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ]

''گھبراؤ نہیں، ان شاء اللہ یہ بیماری تیرے گناہوں کو پاک کرنے والی ہے۔''[2]

بلاشبہ وہ مسلمان خاتون جس کے خیالات و جذبات کو اسلام نے جلا بخشی ہے اور جس کے دل میں عمدہ ترین انسانیت کے چشمے جاری کیے ہیں، جب بھی کسی مریض کے متعلق سنتی ہے تو اس کی عیادت کرنے میں جلدی کرتی ہے نہ تاخیر کرتی ہے، نہ بوجھ محسوس کرتی ہے اور نہ کوئی بہانہ ہی تراشتی ہے، اس لیے کہ وہ اس عیادت کے عظیم ترین معانی اور مفاہیم کو اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محسوس کرتی ہے جن کا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح نصوص نے اس کو تصور دیا ہے اور اسلام کے ابتدائی سنہرے دور میں اعلیٰ و برتر خواتین نے جن پر عمل کر کے

[1] صحيح البخاري، الطب، باب رقية النبي ﷺ، حديث: 5743، و صحيح مسلم، السلام، باب استحباب رقية المريض، حديث: 2191. [2] صحيح البخاري، المرضى، باب عيادة الأعراب، حديث: 5656.

دکھایا ہے، ایسا عمل جو قابل ستائش اور عمدہ ترین تھا، انھوں نے صرف مستورات کی عیادت پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ مردوں کی عیادت بھی کیا کرتی تھیں جو کہ پردہ داری، عزت وحشمت اور فتنے سے امن کے دائرے میں ہوتی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا نے اہل مسجد میں سے ایک انصاری آدمی کی تیمارداری کی۔

اس میں یہ بھی ہے: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی مالک، سے ہشام، انھوں نے بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے انھوں نے فرمایا: ”جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا، کہتی ہیں: میں ان کے پاس گئی، میں نے عرض کی: ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اے بلال! تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو؟“ [1]

بلاشبہ صدر اسلام میں مسلمان خاتون نے مریض کی عیادت کرنے کا مفہوم سمجھ لیا تھا اور جو اس کے در پردہ باہمی صلہ رحمی، باہمی محبت پیار اور میل ملاپ کے جذبے تھے ان کا بھی ادراک کر لیا تھا، اسی لیے تو وہ اس عمدہ اور اعلیٰ فریضے کی طرف جلدی کرتی تھی، دوبارہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑتی تھی، غمگین ومحزون شخص کے آنسو پونچھتی تھی، کرب و پریشانی کی تہوں کو ہٹاتی تھی، اخوت کے رشتوں کو مضبوط بناتی تھی، محبت ومودت کے سرچشموں کو جاری کرتی تھی اور پریشان حال آدمی کے نفس کو تسلی دیتی تھی۔ دور حاضر کی مسلمان خاتون کی بھی یہی عادت ہونی چاہیے کہ وہ بھی اس قابل ستائش انسانی اسلامی سنت کو زندہ کرنے کے لیے انھی جذبات سے معمور ہو جائے۔

میت پر نوحہ خوانی نہیں کرتی

اپنے دینی احکام کو یاد رکھنے والی، اس کی حکیمانہ ہدایات سے فیض یاب ہونے والی مسلمان خاتون صاحب بصیرت متوازن او راعتدال پسند ہوتی ہے، جب کبھی اسے کسی پیارے کی موت کا رنج لاحق ہوتا ہے تو رنج وغم اس کی راہ راست کو چھینتا نہیں ہے اور نہ اس

[1] صحيح البخاري، المرض، باب عيادة النساء الرجال، حديث : 5654.

کا اپنے نفس پر کنٹرول ہی ختم ہوتا ہے، جس طرح کہ جاہل جزع وفزع کرنے والی اور کم عقل مستورات کا حال ہوتا ہے بلکہ وہ صبر کا دامن تھام کر رکھتی اور ثواب کی امید رکھتی ہے، بلکہ وہ ان مشکل ترین لمحات میں بھی اور اپنے دیگر حالات میں بھی اسلامی ہدایات کو اختیار کیے رکھتی ہے۔

وہ میت پر بالکل نوحہ خوانی نہیں کرتی کیونکہ نوحہ خوانی مسلمانوں کے اعمال میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف کفار کے اعمال اور زمانہ جاہلیت کی عادات میں سے ہے۔ نوحہ خوانی کی حرمت کی شدت کو بیان کرنے میں نصوص کتاب وسنت میں سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں حتی کہ ان میں کفر تک کے الفاظ بھی وارد ہیں:

[اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ]

''لوگوں میں دو کام ایسے ہیں جو کفریہ کام ہیں: نسب میں طعنہ زنی کرنا اور میت پر نوحہ خوانی کرنا۔''[1]

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کو اور مردے کے محاسن بیان کر کے رونے والے مردوں اور عورتوں کو اپنے اس فرمان گرامی سے مسلمانوں کے گروہ ہی سے نکال دیا ہے:

[لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ أَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ]

''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے رخساروں کو پیٹا، یا گریبان کو چاک کیا یا جاہلیت کے بول بولے۔''[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حکم شرعی کو سمجھ چکے تھے، حالانکہ وہ دور جاہلیت سے نئے نئے باہر نکلے تھے۔ وہ اپنی خواتین کو مردے کے محاسن بیان کر کے رونے سے، نوحہ کرنے سے واویلا مچانے سے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا کرتے تھے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی

---

(1) صحیح مسلم، الإیمان، باب إطلاق الکفر علی الطعن فی النسب والنیاحة، حدیث: 67.

(2) صحیح البخاري، الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، حدیث: 1294، و صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود، حدیث: 103.

تھیں اور اس امر کی وضاحت کیا کرتے تھے کہ اسلام جاہلیت کے اعمال کو قبول نہیں کرتا، اور اس بات پر بھی راضی نہیں ہوتا کہ وقتاً فوقتاً اس دور کے افعال تازہ کیے جائیں بلکہ وہ تو ان اعمال و افعال سے اس طرح اظہار براءت کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ اظہار براءت کیا کرتے تھے۔

سیدنا ابو بردہ بن ابو موسیٰ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو درد ہوا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی، اس وقت آپ کا سر اہل خانہ میں سے کسی خاتون کی گود میں تھا، اہل خانہ میں سے ایک خاتون چلانے لگی تو آپ کو اس وقت اسے جواب دینے کی کوئی ہمت نہ تھی جب افاقہ ہوا تو فرمایا:

''میں بھی اس سے اظہار براءت کرتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بیزار تھے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ مصیبت کے وقت واویلا کرنے والی سے، مصیبت کے وقت اپنے بال منڈوانے والی سے اور مصیبت کے وقت اپنے کپڑے پھاڑنے والی سے بیزار تھے۔''[1]

جہاں پر اسلام نے جاہلیت کے احمقانہ افعال، مثلاً: رخساروں پر طمانچے مارنا، کپڑے پھاڑنا، نوحہ خوانی کرنا اور مردے کے محاسن و محامد کو بآواز بلند بیان کرتے ہوئے رونا وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے، وہاں دل سے اٹھنے والے غم و حزن کا اور سفر آخرت پر روانہ ہونے والے محبوب کی جدائی پر آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسوؤں کا اقرار بھی کیا ہے کیونکہ یہ سب امور ان انسانی شرعی جذبات محبت میں سے ہیں جو دلوں میں مستور و موجود ہوتے ہیں اور اس صاف شفاف ربانی رحمت میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دلوں میں بو دیا ہے۔ ان امور کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اس طرح تعبیر فرمایا ہے:

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ آپ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا جو آپ کو بلا رہی تھی اور آپ کو اطلاع

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب، حدیث: 104.

کررہی تھی کہ اس کا برخوردار موت کی کشمکش میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے پاس جا اور اسے بتا:

[إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز اس کے پاس وقت مقررہ کے ساتھ ہے۔''

اسے حکم کرو: ''کہ وہ صبر سے کام لے اور ثواب کی امید رکھے۔''

قاصد دوبارہ آیا اور کہنے لگا: کہ اس نے قسم ڈالی ہے کہ آپ اس کے پاس ضرور تشریف لائیں۔ راوی کہتا ہے: تب رسول اللہ ﷺ اٹھے اور آپ کے ساتھ سیدنا سعد بن عبادہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی اٹھے اور میں بھی ان کے ساتھ چل دیا، بچے کو نبی اکرم ﷺ کی طرف اٹھایا گیا۔ اس وقت اس سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے خالی مشکیزے میں پانی ڈالنے کی آواز آتی ہے تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو سعد رضی اللہ عنہ بول پڑے، یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا:

[هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ]

''یہ وہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے۔''[1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے، تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے چلے، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ہمراہ چلے۔ جب ان کے ہاں پہنچے تو انھیں غشی میں پایا، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا فوت ہو چکا ہے؟ وہ بولے: نہیں، یارسول اللہ! تب رسول اللہ ﷺ رونے لگے جب

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، حديث : 1274، و صحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث : 923.

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا رونا دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ تب فرمایا: ''کیا تم سن نہیں رہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسوؤں اور دل کی غمی پر عذاب نہیں کرتا لیکن وہ تو اس کے ساتھ عذاب کرتا ہے......اور ساتھ ہی اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا...... یا رحم کرتا ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جگر گوشے سیدنا ابراہیم کے پاس آئے، اس وقت وہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: یارسول اللہ آپ بھی! تو فرمایا: ''اے عوف کے بیٹے! بلاشبہ یہ تو رحمت ہے۔'' پھر اس کے پیچھے اور آنسو بہائے اور فرمایا:

[إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يُرْضِيْ رَبَّنَا وَإِنَّا لِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ]

''بلاشبہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمی کا اظہار کرتا ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی الفاظ جو ہمارے رب کو خوش کر دیں، اور بلاشبہ ہم اے ابراہیم! تیری جدائی پر غمگین ہیں۔''[1]

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے آنکھوں کے آنسوؤں کو بہانے کے ذریعے غمی کے اظہار کا راستہ برقرار رکھا ہے کیونکہ کوئی بھی انسان مصیبت کے وقت کو برداشت کرنے اور اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا، اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے غمی کی آگ کو بھڑکانے والے ہر فعل سے منع فرما دیا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ مہربانی اور تعلق داری کے آنسو اور اعتدال کا رونا غمی کے انگاروں کو ٹھنڈا کرنے بلکہ بجھانے پر مدد کرتا ہے، رنج والم کی حرارت کی شدت کو ہلکا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے، مصیبت کے واقع ہونے پر اسے معمولی و کم درجہ بنانے میں کام دیتا ہے، جبکہ مردے کے محاسن و محامد کو بیان کرتے ہوئے رونا، نوحہ خوانی کرنا، واویلا کرنا، چیخنا چلانا اور اسی طرح کے دیگر جاہلی اعمال غموں کی شعلہ زنی کو مزید بھڑکاتے ہیں، رنج والم کی آگ کو تیز

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ "انا بك لمحزونون"، حديث: 1303، و صحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال، حديث: 2315 .

کرتے ہیں، نفوس میں بے قراری، بے صبری اور کمزوری کو بڑھاتے ہیں۔ یہ تو وہ اعمال تھے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، بلکہ وہ ان اعمال کو سرانجام دینے کی وصیت کر جایا کرتے تھے، تو پسماندگان میت پر نوحہ خوانی کیا کرتے، میت کے شمائل اور محاسن شمار کر کے روتے اور مصیبت و پریشانی کو ہولناک اور دہشت ناک بنا دیتے تھے۔

یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے بلکہ ان کی حرمت میں سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، کیونکہ ان میں انسانی قوت و طاقت کی تباہی اللہ رحمٰن کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے مخالفت اور شیطانی فتنے اور گمراہی کے دروازے کھولنے کی غلط کاریاں عیاں ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں واضح اشارہ فرمایا ہے جسے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، کہتی ہیں: ''جس وقت ابو سلمہ فوت ہو گئے تو میں نے کہا: وطن سے دور مسافر، اجنبی سرزمین میں، میں اس پر یقیناً ایسا روؤں گی کہ اس کا چرچا کیا جائے گا، چنانچہ میں نے اس پر رونے کی زبردست تیاری کر لی، مدینہ کی بالائی آبادی سے ایک عورت آئی، جو نوحہ خوانی میں میری مدد کرنا چاہتی تھی کہ راستے میں اسے رسول اللہ ﷺ ملے۔ آپ نے فرمایا:

''کیا اس گھر میں شیطان کو پھر داخل کرنا چاہتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ نکال دیا[1] ہے۔''[2]

چنانچہ یہ سن کر میں بھی رونے سے باز آ گئی، پھر میں نہ روئی۔''

رسول اللہ ﷺ خواتین کے حوالے سے بالخصوص نوحہ خوانی کی حرمت کو بیان کیا کرتے تھے حتی کہ جس وقت آپ عورتوں سے بیعت اسلام لیتے تھے تو ان سے یہ عہد بھی لیتے تھے

---

[1] دوبارہ نکالنے میں پہلی مرتبہ وہ ہے جس وقت سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر جانے پر اس کے اہل خانہ زور زور سے چلا اٹھے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا تھا: ''تم اپنے نفسوں پر بجز خیر کے کوئی لفظ نہ بولو، کیونکہ ملائکہ ان باتوں پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔'' پھر آپ نے خود بھی سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر فرمائی تھی۔ اور دوسری مرتبہ وہ ہے جس وقت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند پر زبردست رونے کا پروگرام بنا لیا تھا، پھر اس سے باز آ گئی تھی۔

[2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند المريض، حديث : 919.

کہ نوحہ خوانی کو حرام سمجھتا ہے اور اس سے دور رہتا ہے، اور یہ بات اس حدیث مبارکہ میں وارد ہے جسے شیخین نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

[أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَعَ الْبَيْعَةِ أَلَّا نَنُوْحَ]

''رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ عہد بھی لیا کہ ہم نوحہ خوانی نہیں کریں گی۔''①

اور صحیح مسلم کی سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی دوسری روایت میں یہ بھی ہے، فرماتی ہیں جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ ﴾

''وہ عورتیں آپ سے بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی...... اور کسی امر شرعی میں تیری بے حکمی نہ کریں گی۔''②

فرماتی ہیں: نوحہ خوانی بھی اسی میں شامل تھی۔''③

نبی اکرم ﷺ نے نوحہ کرنے والی کو اگر وہ توبہ کیے بغیر ہی مرجائے اس بات کی وعید بھی سنائی ہے کہ وہ روز قیامت ڈراؤنی، بدشکل اور ذلت آمیز صورت میں اٹھائی جائے گی کہ اس نے گندھک کی سیاہ شلوار اور خارش کی قیمض پہنی ہوگی۔

''نوحہ کناں خاتون اگر وہ اپنی موت سے قبل توبہ نہ کرسکی تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص ہوگی۔''④

وہ جنازے کے پیچھے نہیں جاتی

اپنے دین کی ہدایت سے روشناس رہنے والی مسلمان خاتون جنازے کے پیچھے نہیں

① صحيح البخاري، الجنائز، باب ماينهى من النوح والبكاء، حديث: 1306، و صحيح مسلم، الجنائز، باب تحريم النياحة، حديث: 936. ② الممتحنة 12:60. ③ صحيح مسلم، الجنائز، باب تحريم النياحة، حديث : 937. ④ صحيح مسلم، الجنائز، باب تحريم النياحة، حديث : 934.

چلتی، رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے جس طرح کہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

''ہمیں (خواتین کو) جنازوں کے پیچھے چلنے سے روکا گیا، لیکن ہم پر سختی نہیں کی گئی۔'' [1]

اس مسئلے میں عورت بالکل مرد کے حکم کے برعکس ہے، کیونکہ اسلام نے مرد ہی کو جنازے میں حاضر ہونے اور اسے دفن کرنے تک ساتھ جانے کی رغبت دی ہے، جبکہ یہ امور عورت کے لیے ناپسند کیے ہیں، کیونکہ عورت کے جنازے میں حاضر ہونے میں اور میت کے ساتھ چلنے میں بعض اوقات نامناسب حالات پیش آ سکتے ہیں، جو موت کی عظمت کے حوالے سے غیر مناسب ہیں، اگرچہ میت کے ساتھ چلنے میں ساتھ چلنے والوں کے لیے حتی کہ دفن کرنے تک بے شمار عبرتیں اور نصیحتیں ہوتی ہیں اور میت کے لیے استغفار ہوتا ہے، اسی طرح موت کو ذہن میں متحضر بھی رکھنا ہوتا ہے جو ہر زندہ شخص کو لازماً پیش آنے والی ہے:

﴿ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ﴾

''تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمھیں آ پکڑے گی، گو تم مضبوط برجوں میں ہو۔'' [2]

تو جب رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو جنازوں کے ساتھ چلنے سے روک دیا تو یہ ''نہی کراہت'' ہے، ان پر لازمی حرام قرار نہیں دیا گیا لیکن صاحب عقل ہوش مند خاتون کے لیے رسول اللہ ﷺ کا منع کر دینا ہی کافی ہے تاکہ وہ اس نہی کو قبول کرے۔ اسے عملاً اختیار کرے اور پھر اس کے مطابق کاربند رہے، یہی اس کے حسن اسلام کی دلیل ہوگی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی اطاعت کی پہچان ہوگی اور اس کے لیے احکامات اور مقامات کے حوالے سے حکم اور موقف کو تسلیم کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

......❀......

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب اتباع النساء الجنائز حديث: 1278، و صحيح مسلم، الجنائز، باب نهي النساء عن اتباع الجنائز، حديث: 938. [2] النسآء 4:78

حرف آخر

یہ ہے وہ مسلمان خاتون کی شخصیت جسے اسلام نے اپنی بہترین حکیمانہ ہدایت کی روشنی میں آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اس کے دل و بصیرت کو اپنی روشن و منور تعلیمات کے ساتھ چمکا دیا ہے۔

اللہ کی قسم! یہ وہ بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ کردار ہیں جن سے انسانی معاشروں کی کوئی خاتون شناسا بنی ہے، جب اس میں مذکورہ تمام مکارم اخلاق جمع ہو جاتے ہیں تو وہ عقل کی پختگی، نفس کی صفائی، روح کی بلندی، دنیا، زندگی اور انسان کے حوالے سے تصور کی سلامتی اور زندگی میں اپنے اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنی سمجھداری اور عقل مندی کا مظاہرہ کرنے والی بن جاتی ہے۔

آج عالم اسلام کے بہت سے علاقوں میں ہم مسلمان خاتون کی اس ارفع و اعلیٰ مقام سے پسماندگی اور تنزلی دیکھ رہے ہیں جو اسلام نے اس کے لیے پسند فرمائی ہے تو اس کی وجہ مسلمانوں کا بالعموم اپنے صاف شفاف دینی چشموں سے دور ہونا ہے اور جاہلی ڈھلائی خانوں میں سرگرداں رہنا یا غیروں کی فکری اور نفسیاتی پیروی کرتے رہنا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کی زندگی میں بالعموم اور عورت کی زندگی میں بالخصوص بالکل نہیں ہونی چاہیے، اگر اب بھی مسلمانوں کو ان کے فکری اور روحانی سرچشموں سے فیض یابی اور سیرابی کی توفیق مل جائے اور سب مرد اور خواتین ان سے جی بھر کر پانی پینے کی طرف آ جائیں اور ان کے صاف ستھرے جام نوش جان کرنے کی ٹھان لیں تو پھر ان کی امتیازی اصلی اور حقیقی پہچان پلٹ سکتی ہے۔

جب عالم اسلام پر یلغار ہوئی تھی تو انھوں نے مسلمان کی شخصیت کو بالعموم، خواہ وہ مرد تھا یا

عورت، ہدف بنایا تھا، اسے اس کی اصل سے دور کردینے کے لیے پوری توانائی استعمال کی تھی، اس کے فکری سرچشموں کو آلودہ کرنے کی پوری کوشش کی تھی، تو اس امر میں اب کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا کہ خصوصاً عورت کی شخصیت کو ہدف بنا کر بے شمار یلغاریں کی جا چکی ہیں، اسے فضیلت کے لباس سے محروم کرنے کے لیے پوری توانائی صرف کردی گئی ہے، جو اسے ایک طویل ترین تاریخ گزرنے کے بعد میسر آئی۔ اس کے معا بعد اس کو تنگ جعلی مستعار کپڑے پہنائے گئے جس سے عورت کی شکل وصورت ہی اجنبی اور بیگانی لگتی ہے، اس کی شکل و صورت، اس کی سوچیں اور اس کا سلوک وکردار بھی اس تبدیلی کے ساتھ بدل چکا ہے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے خطیر وکثیر رقمیں خرچ کی گئیں اور زبردست کوششیں کی گئیں، اس دعوے کو بنیاد بنا کر کہ مسلمان خاتون کو مغربی ممالک میں لے جانا ہے جہاں پر تحریکیں ہیں، انجمنیں ہیں اور مختلف سوسائٹیاں ہیں، لیکن الحمد للہ! اپنے دین کے احکامات کو یاد رکھنے والی سلیقہ مند مسلمان خاتون کی بیداری کے سامنے سب مات کھا گئے، اب بے شمار مرد وخواتین کی جانب سے جو اہل مغرب کے حامی ومعاون ہیں، ان کی تصریحات الٹا رخ اختیار کر چکی ہیں اور وہ اس امر کا اعتراف کر رہے ہیں کہ واقعی مسلمان خاتون کا عقیدہ انتہائی گہرا ہے، اس کی فکر، اس کی نفسیات اور اس کے خیالات میں اسلامی جڑیں انتہائی مستحکم ہیں۔

اپنے بلند ترین مقام اور اپنی ارفع واعلیٰ حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمان خاتون سے بے شمار بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور اپنی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے اس سے چند اور بھی توقعات وابستہ ہیں، وہ خواہ کسی بھی جگہ میں ہو، جیسے بھی حالات میں زندگی بسر کر رہی ہو، اس کی اپنی اسلامی اور مسلمان شخصیت کو برقرار رکھنے ہی میں اس کی سمجھداری، اس کی بلندی، اسلام سے اس کے دائمی تعلق کی سچی نسبت اور اس کی انسانی متمدن تہذیب سے فریفتگی ہی اس کی روشن وبین دلیل ہے اور اس میں اس امر کی بھی واضح دلیل ہے کہ پھر اس کی امت ہی دنیا میں غالب آئے گی جس کے ساتھ وہ نسبت رکھتی ہے اور اس کا وطن ہی ترقی کرے گا جس میں وہ رہائش پذیر ہے۔

علمی ادبی ملی اور اصلاحی مجلہ
ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور
کا ختم نبوت نمبر
178 اہل قلم کے
110 مضامین
650 صفحات
سائز:17x24
قیمت:
200 روپے
قندیل
برائے رابطہ
399/E، اندرون موچی گیٹ، لاہور
042-37376691•0322-4044013•0300-7071823
نمائندگان
حافظ رضوان 0321-4660320
فضل اکبر کاشمیری 0344-2123486
ذاکر الرحمٰن صدیقی 0334-9062131
حافظ محمد ارشد 0300-7243889
قاری عبدالرحمٰن 0321-6329570
اشرف میر 0300-9843447
ثناء اللہ زاہد 0333-7834360
حبیب الرحمٰن عادل 0321-5873143
اسحاق قریشی 051-5502380
559234903
قندیل ملنے کے پتے
لاہور 36 لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار y260 بلاک فیز III ڈیفنس
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اردو بازار مقبول بک ڈپو مین بازار غازی آباد
کراچی دارالسلام، مین طارق روڈ بالمقابل ذالمن مال فضل اکبر، عمر خان روڈ، بھٹہ ویلج کیماڑی کراچی نمبر 7
اسلام آباد/راولپنڈی دارالسلام F-8 مرکز، اسلام آباد البدر ہوٹل، کمیٹی چوک، راولپنڈی
پشاور معراج کتب خانہ، قصہ خوانی بازار یونیک ہیلتھ کیئر 25 چناب مارکیٹ سوسان روڈ مدینہ ٹاؤن
گوجرانوالہ دارالکتب، نزد گرلز کالج اردو بازار

مسلمان عورت اور اس کا اخلاقی و معاشرتی کردار

اللہ تعالیٰ نے عورت کو سکون، نرمی، رحمدلی، شفقت اور جمال کا مرقع بنایا ہے۔ بعض اوقات ماحول اور الٹی سیدھی تربیت سے عورت کی شخصیت میں ایسی تبدیلیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ نہ تو مرقع رحم و شفقت رہتی ہے نہ حقیقی جمال کا نمونہ۔ وہ اپنی فطری خوبصورتی اور نرم خوئی سے محروم ہو جائے تو اپنوں کے لیے آزمائش اور معاشرے کے لیے آفت اور عذاب بن جاتی ہے لیکن ہر عورت کے دل میں یہ خواہش ہمیشہ موجود رہتی ہے کہ وہ ماں باپ کے دل کا سرور، اولاد کے لیے مرکزِ محبت و احترام، خاوند کے لیے راحت جاں، بہن بھائیوں کے لیے سرمایۂ افتخار، سہیلیوں کے لیے قابلِ رشک، سسرال کے لیے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور پورے معاشرے کے لیے منبع نفع و فلاح بن جائے۔ ہر کوئی اس کا احترام کرے، اس کے ساتھ تعظیم سے پیش آئے۔ اس سے اچھائی اور خیر سیکھے اور دوسروں کو اس کی مثال دے۔

ایک عورت کس طرح یہ سب کچھ حاصل کر سکتی ہے۔ دکتور محمد علی الہاشمی نے قرآن، سیرت و حدیث، اخلاقیات اور تاریخ سے وہ خوبصورت طریقے جمع کیے ہیں جو کسی بھی عورت کو اس بلند ترین مقام پر پہنچانے کے ضامن ہیں۔

کتاب کی خوبصورتی یہ ہے کہ مثالی عورت بننے کی خواہش مند کوئی بھی خاتون اس کو پڑھے تو اس کا عمدہ طرزِ بیان خود بخود اس کے دل میں گھر کرتا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کے مطالعے سے سوچ، فکر، عمل اور عادات میں خود بخود ایسی تبدیلیاں ہونے لگیں گی کہ پڑھنے والی خاتون اپنی شخصیت کی اس خوبصورتی پر خود بھی حیران رہ جائے گی۔ اس کتاب میں جن چیزوں کو اپنانے کا ذکر ہے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتیں۔ انداز ایسا ہے کہ دل کھنچتا چلا جاتا ہے۔ مؤلف نے جس خوبصورتی سے کتاب لکھی ہے مترجم نے اتنی ہی تندہی سے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والی کوئی بھی خاتون اس سے مایوس نہیں ہوگی۔

پروفیسر محمد یحییٰ

سینئر ریسرچ سکالر، دارالسلام، لاہور